اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

نَشْرُ الطِّیب

فی

ذِکْرِ النَّبِیِّ الْحَبِیب صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

حضرت حکیمُ الاُمّت مُجدّد المِلّت

مولانا شاہ محمّد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ

خَانقاہِ اِمدادیہ اَشرفیہ : گلشنِ اقبال، کراچی پاکستان

گلشن اقبال، بلاک نمبر۲ کراچی، پاکستان

نشر الطیب
فی
ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰھم صلِ وسلم علیٰ سیدنا محمدٍ

تالیف

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا شاہ **محمد اشرف علی** صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

فرزند و نائب
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم **محمد اختر** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز بیعت
شیخ المشائخ محی السنہ
حضرت اقدس مولانا شاہ **ابرار الحق** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرستِ مضامین

مقدمہ 10
پہلی فصل — نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم — 12
دوسری فصل — انبیاء سابقین میں آپ ﷺ کے فضائل کا اظہار — 18
تیسری فصل — آپ ﷺ کی نسبی شرافت — 24
چوتھی فصل — آپ ﷺ کے والد ماجد اور جد امجد میں آپ ﷺ کے نور مبارک کے آثار — 27
پانچویں فصل — آپ ﷺ کے حمل مبارک کی برکات — 30
چھٹی فصل — ولادت شریفہ کے وقت پیش آنے والے واقعات — 32
ساتویں فصل — آپ ﷺ کی پیدائش کا وقت اور جگہ — 38
آٹھویں فصل — آپ ﷺ کے بچپن کے واقعات — 40
نویں فصل — دودھ پلانے والیوں اور پرورش کرنے والوں کے نام — 47
دسویں فصل — جوانی سے نبوت تک کے کچھ حالات — 49
گیارہویں فصل — نزول وحی اور کفار کی مخالفت — 52
بارہویں فصل — واقعہ معراج شریف — 57
تیرہویں فصل — ہجرتِ حبشہ — 112
چودھویں فصل — نبوت کے بعد مکہ کے اہم واقعات — 114
پندرھویں فصل — ہجرت مدینہ — 117
سولہویں فصل — مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کے واقعات — 122
سترھویں فصل — غزوات اور مشہور واقعات کی سالانہ ترتیب — 124
اٹھارہویں فصل — وفود کے بیان میں — 149
انیسویں فصل — حکام اور اہل کاروں کا تعین — 152
بیسویں فصل — بادشاہوں اور سلاطین کے نام خطوط — 154
اکیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کی خصائل وعادات اور اخلاق حسنہ — 157
بائیسویں فصل — آپ ﷺ کے معجزات — 198
تیئیسویں فصل — آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ — 212
چوبیسویں فصل — آپ ﷺ کی چند خصوصیات — 216
پچیسویں فصل — آپ ﷺ کا کھانا پینا اور سواریاں وغیرہ — 220
چھبیسویں فصل — آپ ﷺ کے اہل وعیال اور خدام — 232
ستائیسویں فصل — آپ ﷺ کا وصال — 238
اٹھائیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کے عالم برزخ میں قیام کے احوال — 252
انتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کے قیامت کے دن ظاہر ہونے والے بعض خاص فضائل — 256
تیسویں فصل — آپ ﷺ کے جنت میں ظاہر ہونے والے خاص فضائل — 262
اکتیسویں فصل — آپ ﷺ کا تمام مخلوق سے افضل ہونا — 266
بتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کی فضیلت میں چند آیتیں — 269
تینتیسویں فصل — آپ ﷺ کا افضل البشر ہونا — 275
چونتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کی اپنی امت پر شفقت — 279
پینتیسویں فصل — امت پر آں حضرت ﷺ کے حقوق — 283
چھتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کی شانِ عظمت — 288
سینتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت — 297
اڑتیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنا — 304
انتالیسویں فصل — آں حضرت ﷺ کے اقوال وافعال کا ذکر — 309
چالیسویں فصل — خواب میں آں حضرت ﷺ کی زیارت — 313
اکتالیسویں فصل — صحابۂ کرام، اہل بیت عظام اور علماء سے محبت — 317

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ کتاب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہے
نشر الطیب کے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا:

«چناں چہ ابتدائے رسالہ سے اس وقت تک کہ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ بفضلہ تعالیٰ یہ قصبہ (تھانہ بھون) ہر بلا سے محفوظ ہے، کیوں کہ اب تک یہ رسالہ شائع نہیں ہوا، بالخصوص امسال تمام بلاد وامصار وقریٰ (غیر منقسم ہندوستان) طاعون کا اشتداد اور امتداد رہا، اکثر جگہ رمضان کے بعد سے شروع ہوا ہے، اور اس وقت تک کہ ساتواں مہینہ ہے کہ امن نہیں ہوا، مگر بفضلہ تعالیٰ یہاں خود کچھ بھی اثر نہیں ہوا، میرا یقین پہلے سے تھا کہ یہاں طاعون نہ ہو گا۔ مگر اب بعد مشاہدہ کے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ خیال میرا کہ اس کتاب کی یہ برکت ہوگی، صحیح ہوا۔ سو میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ اگر یہ رسالہ شایع ہوا تو جہاں جہاں اس کا بطریق سنت مشغلہ ہو گا، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کا امن وسکون میسر ہو گا، آگے ہر شخص کا اعتقاد ہے انا عند ظن عبدی بی حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔»

روزانہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور آپ کی شان کو لکھنے کی وجہ سے وہاں طاعون سے کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔

اور حضرت ہی نے مقدمہ میں تحریر فرمایا «آج کل فتنِ ظاہری جیسے طاعون، زلزلہ، مہنگائی، (دیگر وبائی بیماریاں / وائرس) تشویشاتِ مختلفہ کے حوادث سے عام لوگ اور فتنِ باطنی جیسے بدعات، الحاد، کثرت فسق وفجور (گناہوں کی کثرت) سے خاص لوگ پریشان رہتے ہیں ایسے آفات کے اوقات میں اسکی اشاعت، تلاوت وتعلیم نہایت مفید ہے۔»

لہٰذا درود شریف کی کثرت بلاؤں کو ٹالنے کے لیے بھی اکسیر ہے

اور ایک درود شریف پر • دس درجے بلند ہوتے ہیں • دس نیکیاں ملتی ہیں اور • دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور • حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نامِ کتاب

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ

تالیف

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ

تاریخِ اشاعت

۱۹ شعبان ۱۴۴۱؁ھ مطابق ۱۳ اپریل ۲۰۲۰؁ء

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: +92.21.34972080 ، +92.316.7771051
ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com

قارئین و محبین سے گزارش

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) حکیم محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

وجہ

تالیف رسالہ ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

> “ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلَّذِیْ مَنَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ”

امابعد ! یہ گرسنۂ رحمت غفار و تشنۂ شفاعت سید الابرار صلی اللہ علیہ و علی الہ الاطہار۔ واصحابہ الکبار۔ عاشقان نبی مختار و محبوب حبیب پرورد گار کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ ایک مدت سے بہت سے احباب کی فرمائش تھی کہ حضور پر نور ﷺ کے کچھ حالات قبل نبوۃ و بعد نبوۃ کے صحیح روایت سے تحریر کیے جاویں کہ اگر کوئی متبع سنت بخلاف طریق اہل بدعت بغرض ازدیاد محبت آپ کے ذکر مبارک سے شوق سے پیہم چند دیندار دوستوں کے خطوط اسی استدعا میں آئے جن میں مجموعاً اس غرض کی اس طرح تقریر کی گئی کہ جو شرائط اس ذکر مبارک سے. برکات حاصل کرنے کے اس احقر نے بعض رسائل میں لکھے ہیں کوئی شخص اسی طرح ان حالات کو پڑھے مثلاً جمعہ میں نمازی جمع ہو گئے ان کو سنا دیا یا اپنے گھر کی مستورات کو بٹھلا لیا اور ان کو سنا دیا اسی طرح اور شرائط کی رعایت و اہتمام رکھے تو ایسے موقع کے لیے ایسا رسالہ لکھ دیا جاوے حاصل تقریر ختم ہوا۔

ایسی تصریح کے بعد بامید اس کے کہ یہ مجموعہ آلہ ہو جاوے گا ازدیاد محبت. برعایت طریق سنت کا لکھنا مصلحت معلوم ہونے لگا اور اس کا مصلحت ہونا اس سے اور زیادہ ہو گیا کہ منجملہ خطوط مذکورہ کے ایک میں یہ استدعاء ظاہر کی گئ کہ موقع موقع سے اس میں مناسب مواعظ و نصائح بھی. بڑھادیے جاویں سو اس طور پر اور زیادہ نفع کی توقع ہوئی پھر ان دونوں مصلحتوں کے ساتھ ہی اس وجہ سے اور زیادہ آمادگی ہوئی کہ آج کل فتن ظاہری جیسے طاعون اور زلزلہ (۱) و گرانی و تشویشات مختلفہ کے حوادث سے عام لوگ اور فتن باطن جیسے شیوع بدعات والحاد و کثرت فسق و فجور سے خاص لوگ پریشان خاطر اور مشوش رہتے ہیں ایسے آفات کے اوقات میں علماء امت ہمیشہ جناب رسول اللہ ﷺ کی تلاوت و تالیف روایات اور نظم مدائح و معجزات اور تکثیر سلام و صلوٰۃ سے توسل کرتے رہے ہیں چناں چہ بخاری شریف کے ختم کا معمول اور حصن حصین (۲) کی تالیف اور قصیدہ کی تصنیف کی وجہ مشہور و معروف ہے میرے قلب پر بھی یہ بات وارد ہوئی کہ اس رسالہ میں حضور ﷺ کے حالات و روایات بھی ہوں گے جا بجا اس میں درود شریف بھی لکھا ہو گا پڑھنے سننے والے بھی اس کی کثرت کریں گے کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ ان تشویشات سے نجات دیں (۳) چناں چہ اسی وجہ سے احقر آج کل درود شریف کی کثرت کو اور وظائف سے ترجیح دیتا ہے اور اس کو اطمینان کے ساتھ مقاصد دارین کے لیے زیادہ نافع سمجھتا ہے اور اس کے متعلق ایک علم عظیم کہ اب تک مخفی تھا ذوقی طور پر ظاہر ہوا ہے (۴) والحمد للہِ علیٰ ذلك اور نیز رسالہ ہذا میں جو ذکر حالات ہو گا اس ذکر حالات سے معرفت اور معرفت سے محبت اور محبت سے قیامت میں معیت اور شفاعت کی امیدیں اعظم مقاصد سے ہیں غرض ایسے رسالہ سے منافع و مصالح ہر قسم کے متوقع ہوئے ان وجوہ سے بنام خدا آج کے روز کہ اتفاق سے ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن پہلا عشرہ ہے شروع کر دیا اللہ تعالیٰ اتمام کو پہنچا کر مقبول و نافع اور وسیلہ نجات عن الفتن ما ظهر منها وما بطن کا دونوں عالم میں فرماویں، آمین۔

بحرمة سيد المرسلين خاتم النبيين شفيع المذنبين صلى الله
تعالىٰ عليه وبارك وسلم ابد الآبدين ودهر الداهرين

اور رسالہ ہذا کو حسب ضرورت مضامین ایک مقدمہ اور اکتالیس فصول اور ایک خاتمہ پر منقسم کرتا ہوں مقدمہ میں رسالہ ہذا کا طرز اور ماخذ مذکور ہے۔ فصول میں مقاصد مختلفہ رسالہ کے مذکور ہیں۔ خاتمہ میں بعض دیگر مضامین ضروریہ متعددہ مذکور ہوں گے۔

وباللہِ التوفيق وهو نعم المولى ونعم الرفيق

مُقَدِّمَۃ

مقدمہ مشتمل تین مضمون پر:

مضمون اول۔ اس رسالہ کے لکھنے کے وقت یہ کتابیں میرے پیش نظر تھیں۔ مشکوٰۃ۔ صحاح ستہ میں مع شمائل ترمذی۔ مواہب لدنیہ۔ زاد المعاد۔ ابن القیم۔ سیرۃ ابن ہشام۔ **الشمامة العنبرية في مولد خير البرية** تصنیف مولوی صدیق حسن خاں قنوجی مرحوم جس کو انھوں نے شیخ امام سید شبلنجی معروف بمومن کی کتاب نور الابصار سے ملخص کیا ہے۔ تاریخ حبیب الہ۔ قصیدہ بردہ(۵)۔ الروض النظیف (یہ منظوم ہے) وغیرہ ذلک۔

مضمون دوم۔ ان خطوط فرمایشی میں سے ایک خط میں اس استدعا کا تو اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں مواعظ اور نصائح بھی جا بجا لکھے جاویں اور ایک خط میں یہ استدعا تھی کہ کہیں کہیں مناسب لطائف و نکات بھی لکھ دیے جاویں اور سیر و احوال کی استدعا تو سب میں مشترک اور اصل مضمون تھا اس لیے احقر نے اول اس رسالہ کو بلحاظ انہیں تینوں مضامین کے تین باب پر منقسم کرنے کی تجویز کی تھی کہ پہلا باب حالات و سیر نبویہ میں ہو اور اس باب کا نام باب الاخبار ہو دوسرا باب بعض مواعظ و نصائح مناسبہ میں ہو اور اس کا نام باب الانوار ہو۔ تیسرا باب بعض لطائف و فوائد علمیہ میں ہو اور اس کا نام باب الاسرار ہو تا کہ اگر کبھی وقت کم ہو اور مجمع میں اتفاق سے سب یا اکثر ایسے صلحا ہوں جن کو صرف حالات کا سننا بھی نافع ہو سکتا ہے ایسے موقع پر صرف باب الاخبار پر اکتفا کر لیا جاوے۔ اور اگر کہیں مواعظ و نصائح کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو باب الانوار بھی پڑھ دیا جاوے۔ اور اگر کہیں اہل علم و اہل فہم جمع ہو گئے تو باب الاسرار کو بھی شامل کر لیا جاوے لیکن چوں کہ خود روایات و اخبار کا حصہ خیال سے زائد بڑھ گیا تو دو باب اخیر لکھنے سے بہت حجم بڑھ جاتا اور عام انتفاع میں تکلف ہوتا اس لیے یہ تجویز موقوف کر کے اخبار کو متن میں اور کسی کسی موقع پر نصائح و لطائف کو حواشی میں

رکھنے پر اکتفا کیا کہ اگر کہیں موقع ہوا اس کو حاشیہ میں دیکھ کر پڑھ لیا یا سنا دیا۔ اور اس رسالہ کو شروع کرکے چند فصلیں لکھی تھیں پھر بعض اتفاقات سے تخمیناً ڈیڑھ یا اڑھائی سال کا (یاد نہیں رہا) توقف ہو گیا کہ یکایک دو امر محرک تکمیل پیش آئے اول یہ کہ اتفاق سے ایک رسالہ مسمّٰی بہ شیم الحبیب مصنفہ مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کاندھلہ میں نظر پڑا اس کی وجازت بلاغت کو دیکھ کر دل چاہا کہ اس کو بتمامہا اپنے رسالہ کا جزو اعظم بنایا جاوے بلکہ اپنے رسالہ کو اس رسالہ کا ترجمہ قرار دیا جاوے اور جو اس سے زائد ہو وہ ملحقات کے حکم میں سمجھا جاوے پس جہاں سے وہ شروع ہوگا اسے ختم تک اپنے رسالہ کے دو کالم کردوں گا ایک میں اصل رہے گا دوسرے میں ترجمہ اور اتنے حصہ کا نام بھی مستقل کہہ دینا مناسب معلوم ہوا اور بمصلحت طرز رسالہ کے اس رسالہ کو بھی ایک فصل کے عنوان سے نقل کیا گیا۔ ثانی مشفقی مولوی فتح محمد خان صاحب سلمہ بستوی مصنف رسائل متعددہ نے شوق ظاہر کیا کہ اس رسالہ کی تکمیل کی جاوے اور طبع کے لیے ان کو دیا جاوے چناں چہ اس کا وعدہ کر لیا گیا اور بنام خدا اس رمضان ۱۳۲۸ھ میں اس کا قصد کیا گیا۔

مضمون سوم۔ اس رسالہ میں بعض بعض مقام(۲) پر شوق میں اشعار لکھ دیے ہیں اگر مستورات کے مجمع میں پڑھنے کا اتفاق ہو تو اشعار چھوڑ دیے جاویں۔

فقط

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

پہلی فصل
نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلی روایت (۷)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں! مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور کے فیض سے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نور کو پیدا کیا۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ نور سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ جہنم، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔ ایک حصے سے قلم، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش پیدا کیا۔ الخ

(رواہ عبدالرزاق بسندہٖ عن جابر رضی اللہ عنہ)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا گیا (۸) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن چیزوں کے بارے میں دیگر احادیث میں یہ آیا ہے کہ انہیں پہلے پیدا کیا گیا ہے، وہ سب چیزیں در حقیقت نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا ہوئیں۔

دوسری روایت

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت ہی خاتم النبیین بن چکا تھا جس وقت (حضرت) آدم علیہ السلام گارے کی شکل میں تھے (۹) (یعنی ابھی ان کا پتلا بھی نہیں بنا تھا)۔

(رواہ احمد والبیہقی وصاحب المشکوٰۃ، والحاکم وصححہ الحاکم)

تیسری روایت

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کو نبوت کب ملی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مجھے اس وقت نبوت مل چکی تھی) جب (حضرت) آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ان کے جسم میں روح نہیں ڈالی گئی تھی)۔

(رواہ الترمذی و قال حدیث حسن و بمثلہ رواہ الحاکم و صححہ)

چوتھی روایت

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:- یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کب نبی بنائے گئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے، اس وقت مجھ سے (نبوت کا) عہد (۱۰) لیا گیا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ اور جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا آپ سے بھی اور نوح سے بھی۔

(رواہ ابن سعد عن جابر جعفی کما ذکرہ ابن رجب)

پانچویں روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں (حضرت) آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کے حضور ایک نور تھا۔

(ذکر فی روایات احکام بن القطان عن الامام زین العابدین)

فائدہ: یعنی کم از کم چودہ ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا۔ پس اگر کسی روایت میں زیادہ عرصہ کا ذکر ہو تو اس میں شبہ نہ کیا جائے، باقی رہا کہ پھر چودہ ہزار کو کیوں ذکر کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ اس عدد (چودہ ہزار) کو اس وقت کی صورت حال کے مطابق کسی خاص ضرورت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہو۔

چھٹی روایت

حضرت سہل بن صالح ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے اول کیسے ہیں؟ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام روحوں سے عہد لیتے وقت تمام انبیاء کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور ان سے یہ اقرار لیا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ تو جواب میں سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بَلٰی (کیوں نہیں؟ آپ ہی ہمارے رب ہیں) کہا تھا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے۔

(ذکر فی جزء لامالی ابی سہل قطاف عن سہل بن صالح حمدانی)

فائدہ: اگر عہد لیتے وقت روح کا جسم سے تعلق ہو بھی گیا ہو تو بھی روح ہی کے احکام غالب ہیں۔ اس لیے اس روایت کو نور والی روایات میں ذکر کرنا مناسب سمجھا اوپر حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد لیا گیا اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد عہدِ الست لیا گیا۔ ممکن ہے کہ وہ عہد، عہدِ نبوت ہو جس میں دوسرے شریک نہ ہوں جیسا کہ اس حدیث کے ذیل میں اس طرف اشارہ بھی ہے۔

ساتویں روایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں کچھ اشعار کہوں۔ (چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف عبادت ہے، اس لیے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو صحیح سالم رکھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ اشعار پڑھے

مِنْ قَبْلِہا طِبْتَ فی الظِّلالِ وفی
مُسْتَوْدَعٍ حیثُ یَخْصَفُ الوَرَقُ

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلادَ لا بَشَرٌ
أنتَ ولا مُضْغةٌ ولا عَلَقُ
بَلْ نُطْفةٌ تَرْكَبُ السَّفِينَ وقدْ
أَلْجَمَ نَسْرًا وأهْلَهُ الغَرَقُ
وَرَدْتَ نارَ الخَلِيلِ مُكْتَتَمًا
فى صُلْبِهِ أنتَ، كيفَ يَحتَرِقُ
تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ إلى رَحِمٍ
إِذَا مَضىٰ عالَمٌ بَدا طَبَقٌ
حتَّى احْتَوَىٰ بَيتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ
خِنْدِفَ عَلْياءَ تَحْتَها النُّطُقُ
وأنتَ لَمَّا وُلِدْتَ أشْرَقَتِ
الْأَرْضُ وضاءَتْ بِنُورِكَ الأُفُقُ
فنحنُ فى ذٰلكَ الضِّياءِ وفى ال نُورِ
وسُبْلَ الرَّشادِ نَخْتَرِقُ

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ ﷺ اپنی ودیعت گاہ (حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ) میں تھے۔ اور جنت کے سائے میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام جنت کے درختوں کے پتے اوپر تلے جوڑ رہے تھے، (حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آنے سے پہلے جب جنت میں تھے، آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے، ودیعت گاہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ ہے جیسا کہ **فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ** کی تفسیر میں مفسرین نے کہا ہے، اور پتے جوڑنا اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوع درخت کا پھل کھالیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے درختوں کے پتے ملا ملا کر اپنا بدن ڈھانپا یعنی اس وقت بھی آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھے) اس کے بعد آپ ﷺ زمین پر تشریف لائے، اس وقت آپ ﷺ نہ بشر تھے اور نہ **مُضْغَةٌ** (گوشت کا لوتھڑا) اور نہ **عَلَقٌ** (جما ہوا خون) کیوں کہ یہ حالتیں ماں کے پیٹ میں بچے کے جسم بننے کے وقت ہوتی ہیں اور زمین پر اترتے

وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی حالت تو تھی نہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ زمین پر اترے، غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بشر تھے نہ علقہ نہ مضغہ (بلکہ (باپ دادوں کی پیٹھ میں) صرف پانی کا ایک مادہ تھے، وہ مادہ (حضرت نوح علیہ السلام کی) کشتی میں بھی سوار تھا۔ اس وقت نسر بُت اور اس کے ماننے والوں (یعنی قوم نوح) کو طوفان نے گردنوں تک اپنے اندر غرق کیا ہوا تھا (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے وہ مادہ کشتی میں سوار تھا) مولانا جامی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زجودش گرنہ گشتے راہ مفتوح
بجودی کے رسیدے کشتی نوح

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے راستہ نہ کھلتا تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ تک کیسے پہنچتی، اور وہ مادہ (اسی طرح واسطہ در واسطہ) ایک صلب سے دوسرے رحم تک منتقل ہوتا رہا، جب ایک عالم گزر جاتا تو دوسرا عالم شروع ہو جاتا تھا (یعنی وہ مادہ باپ داداؤں کے مختلف طبقات میں ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتش نمرودی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیٹھ میں مختفی تھے۔ پھر بھلا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں کیسے جل سکتے تھے! (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرف آگے منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندانی شرافت وفضیلت خندف کی اولاد میں ایک بلند چوٹی (خاندان بنی ہاشم) پر جا کر ٹھہر گئی۔ جس کے نیچے اور چھوٹی چوٹیاں تھیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ زمین پر اترے، غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بشر تھے نہ علقہ نہ مضغہ (بلکہ (باپ دادوں کی پیٹھ میں) صرف پانی کا ایک مادہ تھے، وہ مادہ (حضرت نوح علیہ السلام کی) کشتی میں بھی سوار تھا۔

(یعنی دوسرے خاندان) تھے (خندف آپ کے دور کے دادا مدرکہ بن الیاس کی والدہ کا لقب ہے یعنی ان کی اولاد میں آپ کے خاندان اور دوسرے خاندانوں کا آپس میں ایسا تعلق تھا جیسے پہاڑ میں اوپر کی چوٹی اور نیچے کی چوٹی کے درمیان ہوتا ہے۔ اور چھوٹی چوٹی سے اس طرف اشارہ ہے کہ خندف کی اولاد کے علاوہ باقی خاندان خندف کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسا کہ پہاڑ کی اونچی چوٹی کے مقابلہ میں نیچے چھوٹی چھوٹی چوٹیاں ہوتی ہیں، گویا ہاشمی خاندان پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی اور خندف کی اولاد پہاڑ کی چھوٹی چوٹی ہے اور ان کے علاوہ باقی خاندان پہاڑ کے نیچے کا حصہ ہیں) اور آپ ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ ﷺ کے نور سے تمام جہاں منور ہو گیا، ہم اس روشنی اور نور سے ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔ (۱۱)

مِنَ الْقَصِيْدَة

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ
فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يَظْهَرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِى الظُّلَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام معجزات حضور پر نور ﷺ کی بدولت ملے ہیں۔

۲۔ کیوں کہ آپ ﷺ فضل و کمال کے سورج ہیں اور دیگر انبیاء علیہم السلام اس سورج کے چاند تارے ہیں۔

۳۔ اے اللہ! آپ اپنے حبیب ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام بھیجتے رہیں جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ترین ہستی ہیں۔

دوسری فصل

انبیاء سابقین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کا اظہار

پہلی روایت (۱۲)

حضرت آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

(رواہ الحاکم وصححہ)

فائدہ: اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا اظہار واضح طور پر موجود ہے۔

دوسری روایت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے (اللہ تعالیٰ سے) عرض کیا: اے اللہ! میں آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت کر دیجئے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیسے علم ہوا؟ حالانکہ میں نے تو ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح (مبارک) میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اُٹھا کر دیکھا، عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا تھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ایسے ہی شخص کا نام ملایا ہوگا جو آپ کو تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم سچ کہتے ہو یقیناً وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کا واسطہ دے کر مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ اگر محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

(البیہقی، الحاکم)۔ وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں (الطبرانی)۔

تیسری روایت

حضرت آدم علیہ السلام نے جب حضرت حوا علیہا السلام کے قریب ہونا چاہا تو انہوں نے مہر طلب کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی (اور پوچھا) اے اللہ! میں ان کو (مہر میں) کیا چیز دوں؟ ارشاد ہوا کہ اے آدم! میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس مرتبہ درود بھیجو، (یہی تمہارا مہر ہے) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

چوتھی روایت

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا (کا نتیجہ) ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت (کا مصداق) ہوں۔ (۱۳)

فائدہ: اس حدیث میں دو آیتوں کے مضمون کی طرف اشارہ ہے ایک آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور دوسری آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
الی قوله تعالیٰ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الخ

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام) کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک آپ ہی توبہ قبول کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک رسول بھیج۔۔۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ
مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ

اے بنی اسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جو میرے ساتھ تورات موجود ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور تمہیں خوشخبری دے رہا ہوں کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہو گا۔

پانچویں روایت

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تورات میں آپ ﷺ کی تعریف میں یہ لکھا ہے (کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے فرمایا) اے پیغمبر! ہم نے آپ کو امت کے حال کا گواہ بنا کر بھیجا ہے، آپ (جنت کی) بشارت دینے والے، (جہنم سے) ڈرانے والے اور ان پڑھ لوگوں (اُمّی لوگوں) کے لیے جائے پناہ ہیں، (اس سے مُراد امت محمدیہ (ﷺ) ہے جیسا کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے ہم ایک اُمّی جماعت ہیں) آپ (ﷺ) میرے بندے اور میرے پیغمبر ہیں، میں نے آپ (ﷺ) کا نام متوکل (توکل کرنے والا) رکھا ہے، آپ (ﷺ) نہ بد اخلاق ہیں نہ سخت مزاج، نہ آپ (ﷺ) بازاروں میں شور مچاتے ہیں اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے ہیں۔ میں آپ کو اس وقت تک دنیا سے نہ بلاؤں گا جب تک کہ آپ (ﷺ) کی برکت سے غلط راستے (یعنی کفر) کو درست راستے (یعنی ایمان) سے نہ بدل دوں گا کہ لوگ کلمہ پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں اس کلمہ کی برکت سے نہ دیکھنے والی آنکھوں کو، نہ سننے والے کانوں کو اور بند دلوں کو کھول دوں گا (مطلب یہ ہے کہ جب تک اسلام خوب پھیل نہ جائیگا، اس وقت تک آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف نہ لے جائیں گے)۔

(مشکوٰۃ عن بخاری)

چھٹی روایت

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تورات میں لکھا ہے (کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں): محمد رسول اللہ (ﷺ) میرے پسندیدہ بندے ہیں وہ مکہ میں پیدا ہونگے مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے جو بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے

ہیں اور در گزر فرماتے ہیں، اور ان کی سلطنت کا مرکز ملک شام ہوگا۔

(مشکوٰۃ، دارمی)۔

فائدہ: چنانچہ خلفاء راشدین کے بعد اسلامی سلطنت کا مرکز ملک شام بنا۔ اور وہاں سے اسلام خوب پھیلا۔

ساتویں روایت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات میں آں حضرت ﷺ کی مذکورہ بالا صفات کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔

(مشکوٰۃ عن ترمذی)

فائدہ: آخری تین روایتوں کے راوی پہلی آسمانی کتابوں کے عالم ہیں، بعض آیات بھی ان احادیث کے ہم معنی ہیں۔ چنانچہ دو آیتوں کا مضمون تو اس فصل کی چوتھی روایت کی شرح میں مذکور ہو چکا ہے۔ باقی تین آیتیں مزید ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی آیت

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ

ترجمہ: جو لوگ اُمی رسول اور نبی کی پیروی کرتے ہیں وہ ان کا ذکر توراۃ اور انجیل میں اس طرح لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ ان کو نیک کام بتائیں گے، بری بات سے منع کریں گے، پاک وصاف چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیں گے اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیں گے اور جو احکام ان کے لیے بہت سخت ہیں ان کو ختم کر دیں گے۔

دوسری آیت

سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ
فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛۚ

ترجمہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔ تو جب انہیں دیکھے گا وہ رکوع و سجود میں مشغول ہوں۔ گے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر سجدے کے نشانات ہیں ان کی یہ صفات ہیں تورات وانجیل میں بھی مذکور ہیں“۔

تیسری آیت

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا
مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا
عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ

ترجمہ: ”جب اہل کتاب کے پاس ان کے علوم کی تصدیق کرنے والی کتاب (یعنی قرآن) آئی اور وہ لوگ اس (رسول) کے آنے سے پہلے کفار (ومشرکین) کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے فتح کی دُعا کیا کرتے تھے (یا ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر دیا کرتے تھے) تو جب ان کے پاس جانی پہچانی چیز پہنچی (یعنی قرآن اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچاننے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کے ذریعے فتح کی دعا سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی موجود تھا۔ اسی پہچان کو سورۃ البقرہ کی ایک آیت میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

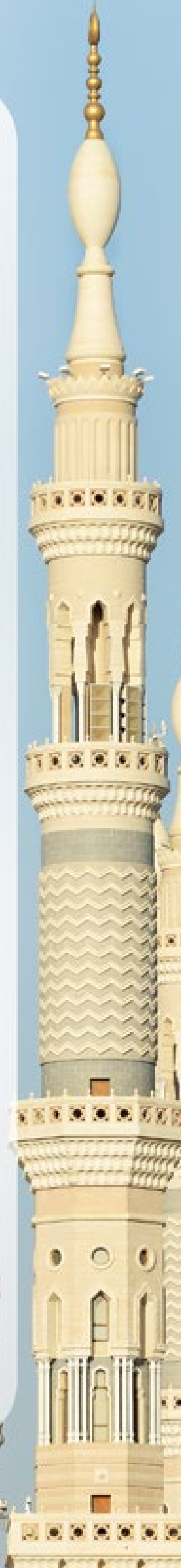

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی تورات وانجیل) دی وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

وَمِنَ الْقَصِیْدَۃِ

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَلَا کَرَمٍ
وَکُلُّھُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْرَ شْفًا مِنَ الدِّیَمِ
وَوَاقِفُوْنَ لَدَیْہِ عِنْدَ حَدِّھِمْ
مِنْ نُقْطَۃِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَکْلَۃِ الْحِکَمِ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن صورت و حسن سیرت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر ہیں اور وہ سب حضرات علم و کرم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری نہیں کر سکتے۔

۲۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریائے معرفت سے ایک چلو کے اور آپ کے علم کی موسلادھار بارش سے ایک قطرے کے طالب ہیں۔

۳۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے علم و حکمت کی حد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و حکمت کے مقابلہ میں اسی طرح ہے جس طرح کتاب کے سامنے ایک نقطے یا ایک زبر، زیر، پیش کی ہوتی ہے کہ پوری کتاب کہاں اور ایک نقطہ یا ایک اعراب کہاں، گویا کوئی نسبت ہی نہیں۔

اے اللہ! آپ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام بھیجتے رہیں جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ترین ہستی ہیں۔

تیسری فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی شرافت

پہلی روایت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عبد اللہ کا بیٹا اور عبد المطلب کا پوتا ہوں، میں محمد ہوں، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ یعنی انسانوں میں پیدا کیا۔ پھر انسانوں میں دو فرقے پیدا کیے عرب اور عجم، مجھے اچھے فرقے یعنی عرب میں پیدا کیا۔ پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے یعنی قریش میں پیدا کیا پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھے سب سے اچھے خاندان یعنی بنی ہاشم میں پیدا کیا، اس لیے میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندانی اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہوں۔

(ترمذی)

دوسری روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں ہوا، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کسی میں جاہلیت کی بدکاری کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے (یعنی زمانہ جاہلیت میں جو بے احتیاطی ہوا کرتی تھی میرے آباؤاجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب اس سے پاک رہے۔ میرے نسب میں کوئی میل نہیں ہے)۔

(طبرانی اوسط، ابو نعیم، ابن عساکر، مواہب)

تیسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے

آباؤاجداد میں سے کبھی کوئی مرد و عورت بدکاری سے نہیں ملے (کبھی بھی بدکاری سے نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس ملاپ کو میرے نسب میں بھی دخل نہیں ہے، یعنی جس میں حمل نہ ٹھہرے، وہ ملاپ بھی بلا نکاح نہیں ہوا۔ یعنی میرے سب باپ دادا مرد و عورت ہمیشہ برے کام سے پاک رہے) اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پیٹھوں سے پاک رحموں میں پاک وصاف طریقے سے منتقل کرتا رہا، جب کبھی دو شعبے ہوئے (جیسے عرب و عجم پھر قریش و غیر قریش وغیرہ وغیرہ) میں ہمیشہ بہترین شعبہ میں رہا۔

(ابو نعیم، مواہب)

چوتھی روایت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تمام مشرق و مغرب میں پھرا، میں نے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل اور کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔

(ابو نعیم فی الائلہ، طبرانی اوسط۔ صحح ابن حجر متنہ)

فائدہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس قول کا اس شعر میں گویا ترجمہ کیا گیا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

”میں اطراف عالم میں گھوماہوں اور بہت محبوب بنائے ہیں۔ میں نے بہت سے حسین دیکھے ہیں لیکن تو چیز ہی کچھ اور ہے۔“

پانچویں روایت

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیااور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔ اور ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب کیا۔

(مسلم، ترمذی)

مِنَ الْرَوْضِ

اَکْرَمُ بِہٖ نَسَبًا طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ
اَصْلًاوَ فَرعًاوَقَدْ سَادَتْ بِہِ الْبَشَرُ
مُطَّہَرٌ مِنْ سِفَاحِ الْجَاھِلِیَّۃِ لَا
یَشُوْبُہٗ قَطُّ لَا نَقْصُ وَلَا کَدَرُ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعَصْرُ

۱۔ آپ ﷺ کانسب کیسا باکرامت ہے کہ اس کی اصل اور فرع (یعنی آباؤ واجداد اور اولاد) سبھی پاکیزہ ہیں آپ ﷺ کی وجہ سے انسانیت کو شرف حاصل ہوا۔

۲۔ وہ نسب جاہلیت کی ہر برائی سے پاک ہے۔ اس میں نقص اور میل کی ملاوٹ نہیں ہوئی۔

۳۔ اے پروردگار! ہمیشہ ہمیشہ اپنے حبیب ﷺ پر درود وسلام بھیجئے جن سے زمانوں کو زینت حاصل ہوئی۔

چوتھی فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد اور جد امجد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کے آثار

پہلی روایت

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک (ہوتے ہوتے) حضرت عبدالمطلب میں منتقل ہوا۔ جب وہ جوان ہوئے تو ایک دن حطیم میں سو رہے تھے۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھ میں سرمہ لگا ہوا ہے، سر میں تیل لگا ہوا ہے اور خوبصورت لباس بدن پر موجود ہے۔ انہیں سخت حیرت ہوئی کہ معلوم نہیں یہ کس نے کیا ہے۔ ان کے والد ان کا ہاتھ پکڑ کر قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو نکاح کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ انہوں نے پہلے قیلہ سے نکاح کیا اور ان کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا۔ وہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ حضرت عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جب قریش میں قحط ہوتا تو وہ عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر کی طرف جاتے اور ان کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے خوب بارش فرماتے تھے۔ الخ۔

(المواہب)

دوسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو نکاح کے لیے لے کر گئے تو ایک یہودی کاہنہ کے پاس سے گزرے جس نے سابقہ کتب پڑھی ہوئی تھیں۔ اس کا نام فاطمہ خثعمیہ تھا۔ اس نے

حضرت عبداللہ کے چہرہ میں نورِ نبوت دیکھ کر حضرت عبداللہ کو اپنی طرف (نکاح کے لیے) بلایا مگر حضرت عبداللہ نے انکار کر دیا۔

(المواہب)

تیسری روایت

اصحابِ فیل کے بادشاہ ابرہہ نے خانہ کعبہ گرانے کے لیے مکہ پر چڑھائی کی تو حضرت عبدالمطلب قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ جبل ثبیر پر چڑھے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چاند کی طرح گول اور خوب روشن نورِ مبارک ظاہر ہوا۔ یہاں تک کہ اس کی شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑیں۔ عبدالمطلب نے یہ دیکھ کر قریش سے کہا: اب چلو، اس نور کا میری پیشانی میں اس طرح چمکنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم لوگ غالب رہیں گے۔

ابرہہ کے لشکر کے لوگ عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ کر لے گئے تھے۔ عبدالمطلب ان کو واپس لینے کے لیے ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ نے ان کی صورت دیکھی تو ابرہہ کے دل میں ان کے چہرے پر موجود نور کی اتنی عظمت اور ہیبت پیدا ہوئی کہ اس نے ان کی خوب تعظیم کی۔ وہ تخت سے اترا اور ان کو اپنے پاس بٹھایا۔ غرض یہ کہ نورِ مبارک کی ایسی عظمت تھی کہ اس کی ہیبت سے بادشاہ بھی ڈر جاتے تھے اور خوب عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔

(تواریخ حبیب الہ)

مِنَ الْرَوْضِ

مَافِيهِ اِلَّا هُمَامٌ قَدْ سَمَّاعَظْمًا
اَو سَيِّدٌ نَحْوَ فِعْلِ الْخَيْرِ مُبْتَدِرٌ
حَتىٰ بَدَا مُشرِقًامِن وَّالِدَيْهِ وَقَدْ
تَجَمَّلت بِجَلَاهُ الشَمْسُ وَالْقَمَرُ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعَصْرُ

ا۔ آپ ﷺ کے سلسلہ نسب میں سب بڑے اور بڑی شان و عظمت والے ہیں۔ اور

ایسے سردار ہیں جو خیر کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں۔

۲۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشن ہو کر اپنے والدین سے دنیا میں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی کے انوار سے سورج چاند بھی روشن ہو گئے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

پانچویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل مبارک کی برکات

پہلی روایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمل میں آئے تو انہیں خواب میں بشارت دی گئی: ”تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو، جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا أُعِيذُهُ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ (میں ہر حسد کرنے والے سے اکیلے (اللہ) کی پناہ مانگتی ہوں) اور ان کا نام محمد رکھنا۔“

(سیرۃ ابن ہشام)

دوسری روایت

حمل کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس میں انہیں شام کے شہر بصرہ کے محل نظر آئے۔

(سیرۃ ابن ہشام)

فائدہ: یہ نور اس نور کے علاوہ ہے جو عین ولادت کے وقت انہیں نظر آیا۔

تیسری روایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے (کسی عورت کا) کوئی حمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تیز اور آسان نہیں دیکھا۔

(سیرۃ ابن ہشام)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ کوئی حمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر تیز اور آسان نہ تھا۔ نہ مشکل تھا اور آسان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی تکلیف، متلی، سستی یا بھوک نہ لگنے کی شکایت وغیرہ تھی۔ (۱۴)

شمامہ میں ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے: حمل کے وقت حضرت آمنہ کو کچھ بوجھ محسوس ہوا جس کی شکایت انہوں نے عورتوں سے کی۔ حافظ ابو نعیم نے کہا ہے کہ یہ بوجھ حمل کی ابتداء میں تھا۔ پھر مکمل آسانی رہی۔ بہر حال یہ حمل عام حالت سے ہٹ کر تھا۔

مِنَ الْرَوْضِ

ہٰذا وقد حَمَلَتْ اُمُّ الْحَبِیْبِ بِہٖ
وَلَیْسَ فِیْ حَمْلِھَا کَرْبٌ وَلَا ضَرَرٌ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

ا۔ یہ تو ہو چکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے حمل میں نہ درد تھا نہ کوئی تکلیف۔

چھٹی فصل

ولادت شریفہ کے وقت پیش آنے والے واقعات

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت) آمنہ بنت وہب فرماتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پیٹ سے جدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں پر سہارا لیا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاک کی مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔

(مواہب)

فائدہ: اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے: ''اس نور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے شام کے محل دیکھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واقعہ کے بارے میں خود ارشاد فرمایا: (۱۵) رؤیا امی التی رأت (یہ میری والدہ کا خواب ہے جو انہوں نے دیکھا تھا) اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے وکذا امھات الانبیاء یرین (انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں)۔

(اخرجہ احمد والبزار والطبرانی والحاکم والبیہقی عن العرباض بن ساریۃ و قال الحافظ ابن حجر صححہٗ ابن حبان والحاکم۔ مواہب)

دوسری روایت

حضرت ام عثمان فاطمہ بنت عبداللہ روایت کرتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریفہ کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے بھر گیا اور میں نے ستاروں کو دیکھا (۱۶) کہ وہ زمین سے اس قدر قریب آ گئے تھے کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ (بیہقی والمواہب)

تیسری روایت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی والدہ شفا سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ (بچوں کے معمول کے مطابق) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نکلی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا: **رحمك اللہ** (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) حضرت شفا کہتی ہیں: (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہوتے ہی) تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہو گئ یہاں تک کہ میں نے روم کے بعض محل دیکھے پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ دیا (اپنا نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا کیوں کہ حضرت شفا کو کسی نے دودھ پلانے والیوں میں ذکر نہیں کیا) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مجھ پر تاریکی، رعب اور لرزہ چھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ اس نے کہا: ان کو کہاں لے گئے تھے؟ جواب دینے والے نے کہا: مشرق کی طرف۔ وہ کہتی ہیں: اس واقعہ کی عظمت مستقل میرے دل میں رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، میں اول اسلام لانے والوں میں سے ہوئی۔

(مواہب)

فائدہ: مشرق کے ذکر سے مغرب کی نفی نہیں ہوئی۔ دوسری روایت میں مغرب کا ذکر بھی ہے۔ (الشمامة)

شاید اس روایت میں مشرق کی فضیلت کی وجہ سے اس کو ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے جیسا کہ سورۃ الصافات کے شروع میں رب المشارق فرمایا گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ مشرقوں کے رب ہیں اور مغارب کو ذکر نہیں کیا گیا)۔

چوتھی روایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے عجیب واقعات میں یہ واقعات بھی روایت کیے گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور بحیرہ طبریہ فوراً خشک ہو گیا۔ اور فارس کا آتش کدہ بجھ گیا جو ایک ہزار سال

سے مستقل روشن تھا اور کبھی نہ بجھتا تھا۔

(رواہ البیہقی وابو نعیم والخرائطی فی الھواتف، وابن عساکر کذا فی المواھب)

فائدہ: ان واقعات میں فارس اور شام کی سلطنت کے زوال کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

پانچویں روایت

فتح الباری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا۔ (مواہب)

اب کچھ روایتیں وہ ذکر کی جاتی ہیں جن میں اہل کتاب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا ذکر موجود ہے۔

چھٹی روایت

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سات آٹھ سال کا تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی نے اچانک چلانا شروع کر دیا: اے یہودیو! سب یہودی جمع ہو گئے۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ لوگوں نے کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: آج رات احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ ستارہ طلوع ہو گیا جس کی ساعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہونا تھا(۱۷)۔

(رواہ البیہقی وابو نعیم والمواھب)

محمد بن اسحاق صاحب السیر کہتے ہیں: میں نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سعید سے پوچھا: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا: ساٹھ سال تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترپن سال کی عمر میں تشریف لائے ہیں تو اس حساب سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سات سال بڑے ہوئے اور انہوں) نے یہودی کی یہ بات سات سال کی عمر میں سنی۔

ساتویں روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی مکہ میں آیا ہوا تھا۔ جس

رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اس نے کہا: اے قریش! کیا آج رات تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں تو معلوم نہیں۔ کہنے لگا: دیکھو! آج کی رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشانی ہے (یعنی مہر نبوت ہے) چنانچہ قریش نے جا کر تحقیق کی تو خبر ملی: عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے پاس آیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا۔ جب اس یہودی نے وہ نشانی دیکھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا: بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہو گئی۔ قریشیو! سن لو! واللہ! تم پر یہ ایسے غالب ہوں گے کہ مشرق اور مغرب میں ان کی شہرت پھیل جائے گی۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

أَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنْ طِيْبِ عُنْصِرِهِ
يا طِيبَ مُبتَدَاٍ منه ومُختَتَمِ
يَوْمٌ تفَرَّسَ فِيْهِ الفُرسُ أَنَّهُمُ
قَد أُنذِرُوا بِحُلُولِ البُؤسِ والنِّقَمِ
وَبَاتَ اَبْوَانُ كِسرَى وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
كَشَملِ أصحابِ كِسْرٰى غيرَ مُلتَئِمِ
وَالنَّارُ خامِدَةُ الْأَنْفاسِ مِنْ أَسَفٍ
عَلَيْهِ والنهرُ ساهى العَيْنِ مِن سَدَمِ
وَسَآءَ ساوَةَ أَنْ غاضَتْ بُحَيرَتُہَا
وَرُدَّ وارِدُہَا بالغَيْظِ حِيْنَ ظَمِى
كأَنَّ بِالنَّارِ مَا بالماءِ مِن بَلَلٍ
حُزْنَاً وَبِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِن ضَرَمِ
والجِنُّ تَہتِفُ والأنوارُ ساطِعَةٌ
والحقُّ يظہَرُ مِن مَعْنىً ومِن كَلِمِ
عَمُوا وصَمُّوا فاِعلانُ البَشَائِرِ لَمْ
تُسمَعْ وبارِقُ الاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

مِن بعدِ ما أخبَرَ الأَقْوَامَ كَاہِنُہُم
بأَنَّ دينَہُمُ المُعوَجَّ لم يَقُمِ
وَبَعْدَ مَا عَايَنُطْ فِى الْأُفُقِ مِنْ شُہُبٍ
مُنقَضَّةٍ وَوَفْقِ مَا فِى الْأَرْضِ مِن صَنَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت نے (بڑی بڑی کرامتوں کی وجہ سے) آپ کی اصل مبارک کی عمدگی و لطافت کو ظاہر کر دیا۔ اے خوشبو! آؤ، آپ کی ابتداء کا حسن اور انتہاء کی خوبی دیکھو۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا دن وہ مبارک دن ہے جس دن اہل فارس نے اپنی فراست سے (کہ اس وقت واضح نشانیاں بکثرت ظاہر ہوئیں) سمجھ لیا کہ ان کی سلطنت کے زوال کا اور ان پر مصائب کا زمانہ قریب آ گیا۔ اور اب انہیں اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

۳۔ اور نوشیرواں کا محل ولادت باسعادت کے وقت گر کر ایسا پاش پاش ہو گیا کہ لشکرِ

کسریٰ کو پھر اکٹھا ہونا نصیب نہ ہوا۔

۴۔ اور مجوس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی افسوس کی وجہ سے بجھ گئی اور نہر فرات ایسی حیران اور بے خود ہوئی کہ اپنا بہاؤ چھوڑ کر ساوہ (جگہ کا نام) کے کھالے میں جا گری۔

۵۔ اور ساوہ کے لوگ اس بات سے غمگین ہوئے کہ ان کے دریا کا پانی خشک ہو گیا اور ان کے دریا پر آنے والے پیاسے ناکام واپس ہوتے ہیں۔

٦: گویا کہ آگ کو غم کی وجہ سے پانی کی تری والی صفت اور پانی کو آگ والی صفت حاصل ہو گئی۔

۷: اور جنات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی آوازیں لگا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار ظاہر ہو رہے ہیں اور باطنی اور ظاہری باتوں سے حق ظاہر ہو رہا ہے۔

۸: وہ بہرے تھے، لہٰذا ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خوشخبریاں نہ سنی گئیں اور ڈرانے والی بجلی ان سے نہ دیکھی گئی۔

۹: (اور حیرت اس بات پر ہے کہ) کاہنوں کے اپنی قوم کو یہ خبر دینے کے بعد کہ ان کا غلط دین اب باقی نہیں رہے گا، وہ لوگ اندھے اور بہرے بنے۔

۱۰: اور یہ دیکھنے کے بعد کہ) آسمان کے اطراف میں آگ کے شعلے جنات کو مارے جاتے ہیں وہ منہ کے بل زمین پر گرتے ہوئے بتوں کی طرح (مثل اوندھے اور بہرے) ہو چکے ہیں اور زمین پر منہ کے بل گر رہے ہیں۔

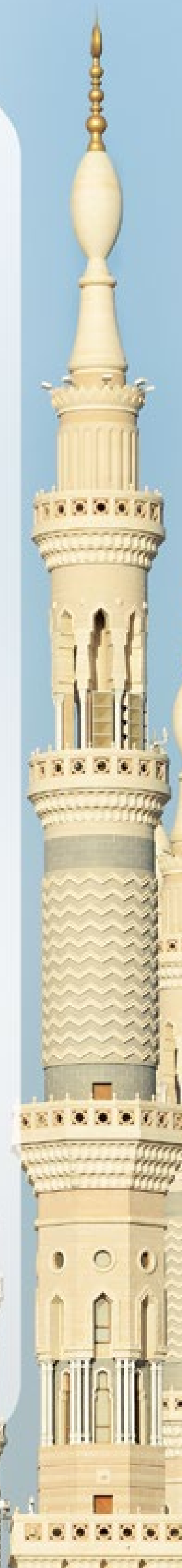

ساتویں فصل
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا وقت اور جگہ

دن و تاریخ

سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے، البتہ تاریخ میں اختلاف ہے کہ آٹھویں تھی یا بارہویں۔

(الشمامۃ)

مہینہ

سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا مہینہ ربیع الاول تھا۔

سال

سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا سال عام الفیل تھا (جس سال اصحاب الفیل ہلاک کیے گئے)۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس قصہ سے پچاس دن (۱۸) بعد جبکہ بعض حضرات کے نزدیک پچپن دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔

(الشمامۃ)

وقت پیدائش

بعض حضرات نے رات کے وقت اور بعض حضرات نے دن کے وقت۔

(الزرکشی)

جبکہ بعض حضرات نے طلوع فجر کے وقت کہا ہے (۱۹)۔ (الشمامہ)

مقام پیدائش

بعض حضرات کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے۔ بعض کے نزدیک شعب (۲۰)

(حضرت ابوطالب کی گھاٹی) میں (یہ گھاٹی مکہ مکرمہ کا حصہ ہے۔ عبدالعظیم)۔ اور بعض کے نزدیک (مکہ کے حصے) ردم میں پیدا ہوئے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک عسفان میں پیدا ہوئے۔

(مواہب)

مِنَ الْرَوْضِ

وَکَانَ مَوْلَدُہٗ اَیْضًا وَنَقْلَتُہٗ
لِیَوْمِ الْاِثْنَیْن ھٰذَا الْاَمْرُ مُعْتَبَرٗ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت مبارکہ اور وفات شریف پیر کے دن ہوئی۔ یہی بات درست ہے۔

آٹھویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے واقعات

پہلی روایت

حضرت ابن شیخ نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھولا فرشتے جھلایا کرتے تھے۔

(مواہب)

دوسری روایت

حضرت حلیمہ کہتی ہیں: میں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ چھوڑتے ہی سب سے پہلے جو بات فرمائی وہ یہ تھی **اللہ اکبر کبیرا والحمد للہِ کثیرا وسبحان اللہِ بکرۃ واصیلا** (اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، وہ بہت بڑے ہیں اور صبح شام اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح ہے)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا بڑے ہوئے تو باہر تشریف لے جاتے اور لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے مگر ان سے علیحدہ رہتے (یعنی کھیل میں شریک نہ ہوتے)۔

(المواہب)

تیسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور نہ جانے دیا کرتی تھیں۔ ایک بار انہیں معلوم نہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رضاعی بہن حضرت شیماء کے ساتھ عین دوپہر کے وقت مویشیوں کی طرف چلے گئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلیں۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہن کے ساتھ ہیں، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا (حضرت شیماء رضی اللہ عنہا سے) کہنے لگیں: اس گرمی میں ان کو یہاں لیے پھر رہی ہو۔ بہن نے کہا: اماں جان! میرے بھائی کو گرمی ہی نہیں لگی، میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جو ان پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ جب یہ ٹھہرتے

تھے وہ بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب یہ چلنے لگتے تھے وہ بھی چلنے لگتا تھا۔ اس جگہ تک ہم اسی طرح پہنچے ہیں (۱)۔

(ابن سعد، ابو نعیم، ابن عساکر)

چوتھی روایت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں (طائف سے) قبیلہ بنو سعد کی عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ آئی۔ (اس قبیلہ کا یہی کام تھا) اس سال سخت قحط تھا، میری گود میں میرا ایک بچہ تھا مگر اتنا دودھ نہ تھا کہ اس اکیلے کو بھی کافی ہوتا۔ رات بھر (وہ بھوک کی وجہ سے) روتا رہتا اور اس کے چلّانے سے ہمیں نیند نہ آتی تھی۔ (اسی طرح) ہماری اونٹنی کا دودھ بھی نہیں تھا۔ میں ایک دراز گوش (گدھے) پر سوار تھی جو انتہائی کمزوری کی وجہ سے قافلے کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا جس کی وجہ سے ہمسفر بھی اس سے تنگ تھے۔ ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عورت دیکھتی اور سنتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم ہیں تو قبول نہیں کرتی تھی (کیوں کہ زیادہ انعام و اکرام کی امید نہ ہوتی۔ ادھر حضرت حلیمہ کو دودھ کی کمی کی وجہ سے کوئی بچہ نہ ملا تو) میں نے اپنے شوہر سے کہا: یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ میں خالی جاؤں! میں تو اس یتیم بچہ ہی کو لے آتی ہوں۔ شوہر نے کہا: بہتر ہے شاید اللہ تعالیٰ برکت عطا فرما دے۔ غرض میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے آئی۔ میں جب اپنی قیام گاہ پر پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لے کر دودھ پلانے بیٹھی تو اس قدر دودھ آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی (میرے بچے) نے خوب آرام سے پیا اور آرام سے سو گئے۔ میرے شوہر نے جب اونٹنی کو جا کے دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ غرض انہوں نے دودھ نکالا اور ہم سب نے خوب سیر ہو کر پیا، اور رات بڑے آرام سے گزری۔ اس سے پہلے ہمارے نصیب میں سونا نہیں تھا، شوہر کہنے لگا: اے حلیمہ تُو تو بڑی برکت والے بچے کو لائی ہے۔ میں نے کہا ہاں، مجھ کو بھی یہی امید ہے۔ پھر ہم مکہ سے روانہ ہوئے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اسی دراز گوش (گدھے کے لیے یہ لفظ ادباً استعمال کیا گیا) پر سوار ہوئی۔ اب تو اس کا یہ حال تھا کہ کوئی سواری اس کی تیز رفتاری کے سبب اس کو پکڑ نہ سکتی تھیں۔ میری ہمسفر

عورتیں تعجب سے کہنے لگیں، حلیمہ: ذرا آہستہ چلو! کیا، یہ وہی دراز گوش ہے جس پر تم آئی تھی؟ میں نے کہا: وہی ہے وہ کہنے لگیں: لگتا ہے کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ پھر ہم اپنے گھر پہنچے، اگرچہ وہاں سخت قحط تھا لیکن میری بکریاں دودھ سے بھری ہوتیں اور دوسروں کو اپنے جانوروں سے ایک قطرہ تک دودھ نہ ملتا تھا۔ میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے: تم بھی وہاں جانور چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کے جانور خالی آتے اور میرے جانور بھرے آتے (کیوں کہ چراگاہ میں کیا رکھا تھا اصل بات تو اور تھی) غرض ہم برابر خیر و برکت حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ دوسال پورے ہوگئے اور میں نے آپ ﷺ کا دودھ چھڑا دیا، آپ ﷺ دوسال کی عمر میں خوب بڑے لگنے لگے، پھر ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی والدہ کے پاس لائے مگر آپ ﷺ کی برکت کی وجہ سے ہمارا جی چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کچھ دن اور ہمارے پاس رہیں، اس لیے آپ ﷺ کی والدہ سے اصرار کرکے اور مکہ میں وباء کے بہانے سے ہم آپ ﷺ کو پھر اپنے گھر لے آئے۔ چند ہی مہینے بعد ایک بار آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ چراگاہ میں پھر رہے تھے کہ یہ بھائی دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے ابو سے کہنے لگا: میرے قریشی بھائی کو دو سفید کپڑوں والے آدمیوں نے پکڑ کر لٹایا اور ان کا پیٹ چاک کر دیا، میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ ہم دونوں گھبرائے ہوئے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ خوف سے اڑا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا: بیٹا کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، انہوں نے مجھے لٹایا اور میرا پیٹ چاک کرکے اس میں کچھ ڈھونڈ کر نکالا، معلوم نہیں کیا نکالا۔ ہم آپ ﷺ کو واپس اپنے گھر لے آئے۔ میرے شوہر نے مجھ سے کہا: حلیمہ! اس لڑکے کو آسیب ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ اثر بڑھے ان کو ان کے گھر پہنچا آؤ، چنانچہ میں آپ ﷺ کو ان کی والدہ کے پاس لے آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگی تم تو اس کو اور رکھنا چاہتی تھی پھر کیوں لے آئی؟ میں نے کہا: اب خدا کے فضل سے یہ ہوشیار ہوگئے ہیں، اور میں اپنی خدمت ادا کر چکی۔ خدا جانے کیا اتفاق ہو جائے۔ اس لیے لے آئی ہوں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ بات نہیں، سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ میں نے سارا قصّہ بیان کیا، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: تمہیں ان پر شیطان کے اثر

کا اندیشہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں، کہنے لگیں: ہر گز نہیں! واللہ ان پر شیطان کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا، میرے بیٹے کی ایک خاص شان ہے۔ پھر انہوں نے حمل اور ولادت کے چند حالات بیان کیے (جو پانچویں فصل میں مذکور ہیں) اور فرمایا: اچھا ان کو چھوڑ دو اور بخیر و عافیت واپس چلی جاؤ۔

فائدہ: حضرت حلیمہ کے اس لڑکے کا نام حضرت عبد اللہ ہے اور یہ حضرت انیسہ اور حضرت جذامہ (جو حضرت شیما کے نام سے مشہور ہیں) کے بھائی ہیں۔ یہ سب حارث بن عبد العزیٰ (حضرت حلیمہ کے شوہر) کی اولاد ہیں۔

(زاد المعاد)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ سب حضرات بعد میں مشرف با اسلام ہوئے۔

پانچویں روایت

حضرت ثور بن یزید فرماتے ہے کہ آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ان دو سفید پوش شخصوں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ان کی اُمّت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو، چنانچہ وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اسی طرح سو کیساتھ پھر ہزار کے ساتھ وزن کیا پھر بھی میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ بس کرو، واللہ! اگر ان کو ان کی تمام اُمت کے ساتھ بھی وزن کروگے تو بھی یہی وزنی نکلیں گے۔

(سیرۃ ابن ہشام)

فائدہ: شق صدر (سینہ چاک کرنا) اور قلب اطہر کا دھلنا چار بار ہوا۔ ایک تو یہی جو مذکور ہوا۔ دوسری بار دس سال کی عمر میں صحرا میں۔ تیسری بار نبوت ملنے کے وقت رمضان کے مہینے میں غار حرا میں۔ چوتھی بار شب معراج میں اور پانچویں بار ثابت نہیں۔

(الشمامۃ)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرّہ نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں اس کے متعلق ایک نکتہ لکھا ہے کہ پہلی مرتبہ سینہ اس لیے چاک کیا گیا کہ لڑکوں کے دلوں میں کھیل کود کی جو فضول محبت ہوتی ہے وہ نکل جائے۔ اور دوسری مرتبہ اس لیے چاک کیا گیا کہ

جوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ایسے کاموں کی رغبت نہ ہو جو جوانی کی وجہ سے گناہ کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور تیسری مرتبہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں وحی برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو سکے۔ اور چوتھی بار اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں فرشتوں کے عالم اور اللہ تعالیٰ کے مراتب کو دیکھنے کی قوت پیدا ہو سکے (۲۱)۔

چھٹی روایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں پستان کا دودھ پیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں بچپن ہی سے ایسا عدل تھا کہ بایاں پستان اپنے رضاعی بھائی یعنی حضرت حلیمہ کے بیٹے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں اتنا انصاف تھا۔ لڑکپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب پاخانہ کبھی اپنے کپڑوں میں نہیں کیا، بلکہ پیشاب پاخانے کا وقت مقرر تھا۔ اس وقت جن لوگوں کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر لے جاتے اور پیشاب کرا کر لے آتے۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ستر برہنہ نہ ہوتا۔ اگر کبھی کپڑا اتفاقاً اٹھ جاتا تو فرشتے فوراً ستر چھپا دیتے۔

(تواریخ حبیب الہ)

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے بچپن کا واقعہ بیان فرمایا: میں ایک بار بچوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لا رہا تھا وہ سب اپنی لنگی اتار کر گردن پر رکھتے اور اس پر پتھر رکھ کر لاتے تھے۔ میں نے بھی ایسا کرنا چاہا (کیوں کہ اتنے بچپن میں انسان مکلّف بھی نہیں ہوتا اور طبعی طور پر بھی اور عرف میں بھی اتنے چھوٹے بچے کا ایسا کرنا حیاء کے خلاف نہیں سمجھا جاتا) کہ اچانک (غیب سے) زوردار دھکا لگا اور یہ آواز آئی: اپنی لنگی باندھو! میں نے فوراً لنگی باندھی اور گردن پر (رکھ کر) پتھر لانے شروع کر دیے۔

(سیرۃ ابن ہشام)

ساتویں روایت

حضرت حلیمہ بن عرفطہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت قحط کے دنوں میں مکہ معظّمہ پہنچا۔ قریش نے حضرت ابوطالب سے کہا: اے ابوطالب! دعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ بارش

برسائے۔ حضرت ابوطالب چلے اور ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا جو اس قدر حسین تھا جیسے بادل میں سے سورج نکلا ہو۔ (یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو اس وقت حضرت ابوطالب کی پرورش میں تھے)۔ حضرت ابوطالب نے ان صاحبزادے (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیٹھ خانہ کعبہ سے لگائی اور صاحبزادے نے انگلی سے اشارہ کیا۔ اس وقت آسمان میں بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ لیکن جب صاحبزادے نے انگلی اٹھائی تو ہر طرف سے بادل آنا شروع ہوئے اور خوب بارش ہوئی۔

(ابن عساکر، المواہب)

یہ واقعہ آپ کی کم سنی میں ہوا۔

(تواریخ حبیب الہ)

آٹھویں روایت

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کے ساتھ بارہ سال کی عمر میں تجارت کی غرض سے شام کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں عیسائیوں کے راہب بحیرا کے پاس قیام ہوا۔ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کی علامتوں سے پہچانا اور پورے قافلہ کی دعوت کی، اور حضرت ابوطالب سے کہا: یہ پیغمبر اور دنیا جہاں کے سردار ہیں۔ اہل کتاب یہودی اور عیسائی ان کے دشمن ہیں ان کو ملک وشام میں نہ لے جاؤ! ایسا نہ ہو کہ یہودی اور عیسائی ان کو (پہچان کر انہیں) کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ سن کر حضرت ابوطالب نے مال تجارت وہیں بیچا اور بہت نفع پایا اور وہیں سے مکہ لوٹ آئے۔

(تواریخ حبیب الہ)

نویں روایت

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کی کفالت وتربیت میں تھے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر والوں کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب کا پیٹ بھر جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا نہ کھاتے تو وہ بھوکے رہ جاتے تھے۔

(الشمامۃ)

مِنَ الْرَوْضِ

وَيَاهَنَا ابْنَةِ س+عْـدٍ فَهِىَ قَدْ سَعَدَتْ
سَـعَـادَةً قَـدْرُهَـا بَيْنَ الْـوَرٰى خَطِرٌ
اِذْ اَرْضَـعَـتْ خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمْ
هَـذٰا هُـوَ الْـفَـوْزُ لَا مَـلِـکٌ وَّلَا وَزَرٌ
رَاَتْ لَـهٗ مُعْجِزَاتٍ فِى الـرِّضَـاعِ بَـدَتْ
وَشَـاهَـدَتْ بَـرَكَـاتٍ لَـيْـسَ تَنْحَصِرٌ
وَحَـدَّثَـتْ قَـوْمَـهٗ اَهْـلُ الْـكِـتٰـبِ بِمَا
يَكُوْنُ مِـنْ شَانِہٖ مُـذْ شَخْصَهٗ نَظَرُوْا
يَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَـدًا
عَلٰى حَبِيْبِکَ مَـنْ زَانَـتْ بِـهِ الْعَصْرُ

۱۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بڑی خوش قسمت ہیں کہ ان کو ایسی سعادت حاصل ہوئی جس کی تمام مخلوق کے ہاں بڑی قدر ہے۔

۲۔ کیوں کہ انہوں نے تمام مخلوق میں سب سے بہترین شخص کو دودھ پلایا۔ یہ ایسی بڑی کامیابی ہے جس کے برابر نہ کوئی بادشاہت ہے نہ وزارت۔

۳۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے معجزات دیکھے ہیں جو دودھ پلانے کے وقت ظاہر ہوئے اور انہوں نے ایسی برکات کا مشاہدہ کیا جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اور جب اہل کتاب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اپنی قوم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان حالات بیان کیے۔

نویں فصل

دودھ پلانے والیوں اور پرورش کرنے والوں کے نام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ حمل ہی میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کی وفات ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل کو صرف دو مہینے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ قریش کے قافلہ کے ساتھ تجارت کے لیے شام گئے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے مدینہ میں اپنے ماموں کے پاس بیمار ہو کر ٹھہر گئے اور وہیں وفات پا گئے۔

(تواریخ حبیب الہ)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ آمنہ آپ کو لے کر اپنے رشتہ داروں سے ملنے مدینہ گئیں وہاں سے مکہ واپس آتے ہوئے مکہ ومدینہ کے درمیان ابواء نامی جگہ میں وفات پا گئیں۔

(سیرت ابن ہشام)

اس وقت حضرت ام ایمن بھی ساتھ تھیں۔ (المواھب) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ سال کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی وفات پا گئے۔

(سیرت ابن ہشام)

حضرت عبدالمطلب نے وفات سے قبل حضرت ابوطالب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وصیت کی تھی کہ میرے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت تم کرنا، چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کی کفالت میں رہے۔ (تواریخ حبیب الہ)

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا ہو گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے والیوں کے نام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات روز تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ (زاد المعاد)

پھر چند دن حضرت ثوبیہ نے دودھ پلایا جو ابو لہب کی آزاد کی ہوئی باندی تھیں۔ ان کے اسلام میں اختلاف ہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو سلمہ اور حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلایا، اس وقت ان کا بیٹا مسروح دودھ پیتا تھا ان کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا اور اس دودھ کے شریک بہن بھائیوں کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حلیمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب کو بھی دودھ پلایا ہے، یہ فتح مکہ کے سال میں مسلمان ہوئے اور بڑے مرتبہ کے صحابہ میں شمار ہونے لگے، اس زمانے میں حضرت حمزہ بھی قبیلہ بنی سعد میں کسی عورت کا دودھ پیتے تھے۔ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے تو اس عورت نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، اس طرح حضرت حمزہ دو عورتوں کے دودھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ ایک ثوبیہ کے دودھ سے دوسرے اس سعدیہ کے دودھ سے۔

جن کی آغوش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضرت ثویبہ، حضرت حلیمہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ایمن حبشیہ جن کا نام برکت تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے والد سے میراث میں ملی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا تھا، جس سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر
آباء ازو مکرم وابناء عزیز تر
صلّوا علیہ ما طلع الشمس والقمر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

”شاباش ہے اس سیپی کو جس نے ایسا موتی پالا جس کے سبب آبا واجداد کو عزت اور اولاد کو محبت ملی، جب تک سورج چاند نکلتے رہیں ان پر درود بھیجتے رہو۔ مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔“

دسویں فصل

جوانی سے نبوت تک کے کچھ حالات

پہلی روایت

جب آپ چودہ پندرہ سال کے ہوئے اور بعض کے بقول بیس سال کے ہوئے تو قریش اور قیس عیلان میں لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں آپ ﷺ نے بھی شرکت کی، اور فرمایا: میں اپنے چچاؤں کو دشمن کے تیروں سے بچاتا تھا۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شروع سے ہی بہادر تھے۔

دوسری روایت

جب آپ ﷺ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہ بنت خویلد نے جو قریش میں ایک مالدار خاتون تھیں اور تاجروں کو اپنا مال اکثر مضاربت کے لیے دیا کرتی تھیں، آپ کی سچائی، امانت داری، حسن معاملہ اور اخلاق کی خبر سن کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرا مال مضاربت پر شام لے جائیں، میرا غلام میسرہ آپ کے ساتھ جائے گا۔ جسے آپ ﷺ نے قبول فرمالیا، چنانچہ آپ ﷺ ان کا مال لے کر شام تشریف لے گئے۔

جب آپ ﷺ شام پہنچے تو کسی جگہ ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا، وہاں ایک راہب کا عبادت خانہ تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میسرہ سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ میسرہ نے کہا: حرم میں رہنے والے ایک قریشی ہیں، راہب نے کہا اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کبھی کسی نے قیام نہیں کیا۔ اس کے علاوہ میسرہ نے یہ بھی دیکھا کہ جب دھوپ تیز ہوتی تھی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ شام سے خوب نفع لے کر واپس ہوئے۔ جب آپ مکہ پہنچے اور حضرت خدیجہ کا مال ان کے حوالہ کیا تو حضرت خدیجہ نے دیکھا کہ دوگنا یا اس کے قریب نفع ہوا، (یہ آپ ﷺ کے صدق وامانت کی واضح دلیل تھی) اس کے علاوہ میسرہ نے حضرت خدیجہ سے راہب کا قول اور فرشتوں کے سایہ

کرنے کا قصہ بیان کیا، حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل سے، جو ان کے چچازاد بھائی اور عیسائی مذہب کے بڑے عالم تھے، ان باتوں کا ذکر کیا۔ ورقہ نے کہا: خدیجہ! اگر یہ بات صحیح ہے تو محمد اس امت کے نبی ہیں۔ اور مجھے (آسمانی کتابوں سے) معلوم ہے کہ اس امت میں ایک نبی آنے والا ہے اور اس کا زمانہ یہی ہے۔

حضرت خدیجہ بڑی عقلمند تھیں، یہ سب سن کر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا اور کہا: میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں کیوں کہ میری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری ہے۔ اور آپ پوری قوم میں عزت دار، امانت دار، اچھی بات کرنے والے اور سچے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچاؤں سے اس بات کا ذکر کیا اور ان کے انتظام سے نکاح ہو گیا۔

(زاد المعاد) اس راہب کا نام نسطورا تھا۔

(سیرت ابن ہشام)

تیسری روایت

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینتیس سال کے ہوئے تو قریش نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، جب حجر اسود کی جگہ تک تعمیر پہنچی تو ہر قبیلہ اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر میں رکھوں۔ قریب تھا کہ ان میں لڑائی جھگڑا ہوتا اور ہتھیار چلنے لگتے، آخر قوم کے عقلمندوں نے مشورہ دیا کہ جو مسجد حرام کے دروازہ سے سب سے پہلے آئے سب اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔ چنانچہ سب سے پہلے تشریف لانے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، یہ دیکھ کر سب کہنے لگے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں امین ہیں، قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے پہلے امین

کے لقب سے یاد کرتے تھے، چنانچہ سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک بڑا کپڑا لاؤ، ایک بڑا کپڑا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود اپنے دست مبارک سے اس کپڑے میں رکھا اور فرمایا: ہر قبیلہ کا آدمی اس چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے اور خانہ کعبہ تک لائے، جب حجر اسود اپنی جگہ تک پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو خود اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اس فیصلہ سے سب راضی ہو گئے اُٹھانے کا شرف بھی سب کو حاصل ہو گیا اور چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سب آدمی مجھے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں اور وکیل کا کام اپنا ہی کام شمار ہوتا ہے، اس طرح گویا سب رکھنے میں بھی شریک ہو گئے۔

مِنَ الرَّوْضِ

وَفِیْ خَدِیْجَتِنِ الْکُبْرٰی وَقِصَّتِهَا
عَجَائِبٌ یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ فَاعْتَبِرُوْا
اِخْتَارَتِ الْمُصْطَفٰی بَعْلًا وَقَدْ نَظَرَتْ
فِی مُعْجِزَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَنْتَشِرُ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعَصْرُ

(۱) اے عقلمندو! سوچو حضرت خدیجہ کا قصہ کتنا عجیب ہے۔

(۲) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر معجزات دیکھ کر انہیں اپنا شوہر منتخب کیا۔

گیارویں فصل

نزول وحی اور کفار کی مخالفت

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی پسند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہاں رہتے۔ نبوت سے چھ مہینے پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اور پھر اچانک ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ کو پیر کے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور سورۃ اقرأ کی شروع کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا ہو گئی۔

اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد سورہ مدثر کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فَاَنْذِرْ (ڈرایئے) کے حکم کے مطابق دعوت اسلام تو شروع کر دی مگر یہ دعوت پوشیدہ دی جاتی رہی، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کو علی الاعلان بیان کر دیجیے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان دعوت دینی شروع کر دی۔

اس دعوت کے شروع ہونے کی دیر تھی کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا شروع کر دی لیکن حضرت ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرتے تھے۔

ایک بار کفار نے جمع ہو کر حضرت ابو طالب سے کہا: تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہمارے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، جس پر کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا چنانچہ حضرت ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ ایک گھاٹی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے چلے گئے۔ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بنی ہاشم و بنی مطلب سے تعلق توڑ لیا اور تاجروں کو بھی منع کر دیا کہ ان لوگوں کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچیں۔ اور ایک کاغذ پر اس تعلق توڑنے کا معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا، تین

سال تک آپ اور بنی ہاشم و بنی مطلب اس گھاٹی میں نہایت تکلیف میں رہے۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی الٰہی سے معلوم ہوا کہ اس معاہدہ کے کاغذ کو کیڑے نے کھالیا اور سوائے اللہ کے نام کے ایک حرف بھی باقی نہیں بچا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات حضرت ابو طالب کو بتائی، انہوں نے گھاٹی سے نکل کر یہ بات قریش کو بتائی اور کہا اس کاغذ کو دیکھو، اگر محمد کا بیان غلط نکلے تو ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے اور اگر صحیح نکلے تو اتنا کرو کہ تم اس قطع رحمی سے باز آجاؤ۔ قریش نے اس کاغذ کو دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ اس وقت قریش اس ظلم سے باز آئے اور عہد نامہ کو پھاڑ ڈالا یوں حضرت ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور بنی ہاشم و بنی مطلب (۲۲) کو لے کر گھاٹی سے نکل آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر پہلے کی طرح دعوت الی اللہ میں مشغول ہو گئے تھے۔

(تواریخ حبیب الہ)

یہ عہد نامہ منصور بن عکرمہ بن ہشام نے لکھا تھا اور یکم محرم کو نبوت کے ساتویں سال بیت اللہ میں لٹکایا گیا تھا، اللہ کے حکم سے اس منصور بن عکرمہ بن ہشام کا ہاتھ سوکھ گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے دسویں سال گھاٹی سے باہر آئے، گھاٹی سے نکلنے کے آٹھ مہینے بعد حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔

(شمامۃ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں دو نکاح ہوئے، ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، پھر مدینہ آنے کے بعد نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر آئیں، اور دوسرا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے، یہ بیوہ تھیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ آئیں اور ہمیشہ زوجہ رہیں۔

(تاریخ حبیب الہ)

دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنی ثقیف کے پاس طائف تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دی اور انہیں اپنی مدد کے لیے تیار کرنا چاہا (کیوں کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد کوئی ذی وجاہت آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامی نہ تھا) لیکن وہاں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ مدد نہ کی، بلکہ آوارہ لوگوں کو بہکا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے پریشان ہو کر مکہ واپس ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطن نخلہ نامی جگہ پر پہنچے جو مکہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو وہاں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران نینویٰ (موصل کے ایک گاؤں) کے سات یا نو جن وہاں پہنچے اور قرآن کی تلاوت سن کر ٹھہر گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو وہ ظاہر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی، وہ سب فوراً مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی سورۂ احقاف کی آیت وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (اور جس وقت ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ کیا) میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے اور مسلسل مخلوق خدا کی ہدایت کے کام میں مصروف ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں کے بازار "عکاظ" و "مجنہ" و "ذی المجاز" میں جاتے اور دعوت دیتے مگر کوئی قبیلہ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ نبوت کے گیارھویں سال موسم حج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے کہ انصار کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے سنا ہوا تھا کہ عنقریب ایک پیغمبر پیدا ہونے والے ہیں۔ یہود انصار سے مغلوب رہتے تھے اور کہتے تھے کہ جب وہ پیغمبر پیدا ہوں گے ہم ان کے ساتھ ہو کر تم کو

ختم کر دیں گے، انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سن کر کہا، یہ وہی پیغمبر معلوم ہوتے ہیں جن کا ذکر یہود کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے پہلے ان سے آملیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی اسلام لے آئے اور اقرار کیا کہ آئندہ سال ہم پھر آئیں گے۔ چنانچہ مدینہ جا کر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا اور ہر گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

نبوت کے آئندہ سال یعنی بارہویں سال بارہ آدمیوں نے مدینہ منورہ سے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی جن میں پانچ پہلے والے اور سات نئے تھے۔ انہوں نے بیعت کی کہ اسلام کے احکام مانیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے، اس کا نام بیعت عقبہ اُولیٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید اور شریعت کی تعلیم کے لیے مدینہ بھیجا۔ حضرت مصعب نے قرآن و شریعت کی تعلیم اور اسلام کی دعوت شروع کی تو انصار کے اکثر آدمی مسلمان ہو گئے۔

پھر اگلے سال نبوت کے تیرھویں سال ستر آدمی انصار کے معزز افراد میں سے آئے اور مشرف باسلام ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائیں گے تو ہم خدمت گذاری میں کوتاہی نہ کریں گے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو ہم اس سے لڑیں گے اور جانثاری میں کمی نہیں کریں گے۔ اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے، عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں، ایک گھاٹی پر یہ دونوں بیعتیں ہوئیں تھیں۔

(تاریخ حبیب الہ، سیرت ابن ہشام)

(اس لیے ان دونوں بیعتوں کو بیعت عقبہ کہا جاتا ہے)

مِنَ الْرَّوْضِ

وَعِنْدَهٗ مَاجَآءَجِبْرَيْلُ وَقَالَ لَهٗ
اِقْرَأْ وَاُنْزِلَتِ الْاٰيَاتُ وَالسُّوْرُ
دَعٰى لِدِيْنِ اِلٰهِ الْعَرْشِ فَابْتَدَرَتْ
لَمَّا دَعٰى زُمَرٌ مِنْ بَعْدِهَا زُمَرُ
وَقَامَ يُنْذِرُ قَوْمًا خَالَفُوْا سَفَهًا

وَكَذَّبُوا حَسَدًا وَالْحَقَّ هُمْ بَطَرُوْا
فَبَرَّأَ اللّٰهُ مِمَّا قَدْ رَمُوْهُ بِہٖ
وَزَوَّرُوْهُ فَاَ قْوَالُ الْعِدٰى هَذَرُ
وَقَايَةُ اللّٰهِ اَغْنَتْ عَنْ مُضَاعَضَةٍ
مِنْ الدُّرُوعِ فَمَا الْاَرْمَاحُ وَالْبُتَرُ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعَصْرُ

۱۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: پڑھیے! تو آیات اور سورتیں نازل ہونا شروع ہو گئیں۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو جماعت در جماعت بہت لوگوں نے قبول کیا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو خدا سے ڈرایا جنہوں نے بے وقوفی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی، حسد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا اور حق کو تکبر کے سبب چھوڑ دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان جھوٹی تہمتوں سے بری کر دیا جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائی تھیں اور مخالفین کی تمام باتیں غلط تھیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زرہوں کے اوپر تلے پہننے کی ضرورت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نیزے اور تلواریں کیا چیز تھیں۔

◆

بارہویں فصل(۲۳)

واقعہ معراج شریف

یہ فصل بڑی شان والی ہے لہٰذا اسے

"تنویر السراج فی لیلۃ المعراج"(۲۴)

کا لقب دیتا ہوں۔ کمالات نبویہ کے عظیم الشان واقعات میں سے ایک واقعہ معراج کا بھی ہے جو امام زہری کے قول کے مطابق مکہ میں سن ۵ نبوی(۲۵) میں ہوا۔

(النووی)

جس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ، حضرت

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو حبر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بہت سے صحابہ کرام ہیں۔

پہلا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا تھا۔ (رواہ البخاری)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعب ابی طالب میں تھے۔

(الواقدی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر میں تھے۔

(الطبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی۔

(البخاری)

فائدہ: ان تمام روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر میں تھے جو شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ ان کے گھر کو اپنا گھر فرمایا وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حطیم میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت نیند کا اثر باقی تھا اس لیے وہاں پہنچ کر بھی لیٹ گئے۔

فائدہ: چھت کھولنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ابتداء ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہے۔

دوسرا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ سوتے اور کچھ جاگتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام

میں سوئے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے، ایک نے کہا وہ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان (حاضرین) میں سے کون ہیں۔ دوسرا بولا وہ جو سب سے اچھے ہیں، تیسرا بولا تو پھر جو سب سے اچھا ہے اسی کو لے لو۔ اگلی رات کو پھر وہ تینوں آئے اور کچھ نہیں بولے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر لے گئے۔

(البخاری)

فائدہ: یہ حالت کہ ”کچھ سوتے اور کچھ جاگتے تھے“ ابتداء میں تھی، اسی کو سونا کہہ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگ اٹھے اور تمام واقعہ میں جاگتے رہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ معراج کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں جاگ اُٹھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس حالت میں افاقہ ہو گیا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث کے آخر میں اس کا اضافہ درست نہیں۔ یہ جو کہا گیا کہ ان حاضرین میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش خانہ کعبہ کے آس پاس سویا کرتے تھے۔

(الطبرانی)

اول حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل آئے اور یہ گفتگو کر کے چلے گئے پھر تین شخص آئے۔

(ایضاً)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک کہنے والے کو سُنا جو کہہ رہا تھا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان تینوں میں سے درمیان والے ہیں۔ (مسلم)

دو شخصوں سے مُراد حضرت حمزہ و حضرت جعفر ہیں کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے۔

(البلقینی)

تیسرا واقعہ

پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اوپر سے نیچے پیٹ تک چاک کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل نکالا گیا اور سونے کے تھال میں زم زم شریف کا پانی لے کر اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل دھویا گیا۔ پھر ایک تھال آیا جو ایمان اور حکمت سے لبریز تھا۔ وہ ایمان و حکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں

بھر دیے گئے اور دل کو اسی جگہ رکھ کر درست کر دیا گیا۔

(مسلم)

فائدہ: ملائکہ نے زمزم شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو دھویا حالانکہ حوض کوثر سے بھی پانی آسکتا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آب زمزم آب کوثر سے افضل ہے۔

(البلقینی)

سونے کے برتن کے منع ہونے کے باوجود سونے کے تھال کے استعمال میں کئی وجوہات ہو سکتی ہیں اول یہ کہ سونے کے حرام ہونے کا حکم بعد میں نازل ہوا، اس وقت سونے کا استعمال حرام نہ تھا۔

(فتح الباری)

دوسرا یہ کہ معراج آخرت کے امور میں سے ہے اور آخرت میں سونے کا استعمال جائز ہے، تیسرا یہ کہ وہ تھال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود استعمال نہیں کیا بلکہ ملائکہ نے استعمال کیا اور ملائکہ اس حکم کے مکلّف نہیں۔

(ابن ابی حمزہ)

سونے کے تھال میں ایمان وحکمت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا جوہر غیبی تھا جس سے ایمان اور حکمت میں ترقی ہو۔ جیسے دنیا میں بعض جواہر کے استعمال سے قوت اور فرحت بڑھتی ہے۔ چوں کہ وہ جوہر حکمت وایمان کا سبب تھا اس لیے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔

(النووی)

چوتھا واقعہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سفید رنگ کا جانور براق لایا گیا، جو گدھے سے ذرا بڑا خچر سے ذرا چھوٹا تھا اور وہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ جہاں تک نظر جاتی وہاں تک اس کا ایک قدم ہوتا تھا، (النووی) اور اس پر زین ولگام بھی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہونے

لگے تو وہ شوخی کرنے لگا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا، تجھ کو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ سے زیادہ عزت والا کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا، بس وہ (شرمندگی سے) پسینہ پسینہ ہو گیا (اور اس کی ساری شوخی ختم ہو گئی) آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے لیے رکاب پکڑی اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔

(شرف المصطفیٰ)

فائدہ: براق کی شوخی غصّہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ خوشی کی وجہ سے تھی۔ پھر جب آپ ﷺ کے مرتبہ کا استحضار ہوا تو اسے تنبیہ ہوئی اور اس نے شرمندہ ہو کر ہلنا بند کر دیا۔ جیسے ایک بار حضور ﷺ پہاڑ پر تشریف فرما تھے اس کو حرکت ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اثبت فانما علیك نبی وصدیق وشهیدان“ ٹھہر جا! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ یہ سنتے ہی پہاڑ ساکن ہو گیا۔

بعض روایات میں جو آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا پر پہنچے (البخاری) اور بعض میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے براق پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ (ابن حبان) ان روایات میں اور روایت بالا میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ اول حضرت جبرئیل بھی اس مصلحت سے براق پر سوار ہوئے ہوں کہ آپ ﷺ کو طبعی خوف نہ ہو اور پھر اتر کر رکاب تھام لی ہو اور ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں حالتوں میں کبھی کبھی ضرورت کے وقت آپ ﷺ کو تھامنے کے لیے آپ ﷺ کے ہاتھ بھی پکڑ لیتے ہوں۔

پانچواں واقعہ

جب آپ ﷺ منزل مقصود پر روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کا گذر ایک ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت بہت زیادہ تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا: اتر کر یہاں نماز (نفل) پڑھ لیجئے، آپ ﷺ نے اتر کر نماز پڑھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ نے یثرب (۲۶) (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے۔ پھر سفر شروع ہوا اور ایک سفید زمین پر آپ ﷺ کا گذر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر کہا (یہاں

بھی) اتر کر نماز پڑھیے، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا، آپ ﷺ نے مدین میں نماز پڑھی۔ پھر سفر شروع ہوا۔ اور آپ ﷺ کا گذر بیت اللحم پر ہوا، آپ ﷺ سے وہاں بھی نماز پڑھوائی گئی، اور کہا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(بزاز، طبرانی، بیہقی)

ایک روایت میں بجائے مدین کے طور سینا ہے۔ آپ ﷺ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ بیہقی، (ابن کثیر)

چھٹا واقعہ

واقعہ معراج کے دوران آپ ﷺ نے برزخ کے عجیب واقعات بھی ملاحظہ فرمائے۔ آپ ﷺ کا گذر ایک بڑھیا پر ہوا جو راستہ میں کھڑی تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا چلیے چلیے، آپ ﷺ چلتے رہے۔ پھر ایک بوڑھا ملا جو راستے کی ایک جانب کھڑا تھا اور آپ ﷺ کو بلا رہا تھا کہ محمد ادھر آیئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا چلیے چلیے، پھر آپ کا گذر ایک جماعت پر ہوا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو ان الفاظ سے سلام کیا (**السلام علیك یا اول السلام علیك یا آخر**)، (**السلام علیك یا حاشر**) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا ان کو جواب دیجیے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: وہ بڑھیا جو آپ ﷺ نے دیکھی وہ دنیا تھی، دنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے جتنی بڑھیا کی عمر رہ جاتی ہے۔ اور جس بوڑھے نے آپ ﷺ کو پکارا تھا وہ ابلیس تھا، اگر آپ ﷺ ابلیس یا دنیا کے پکارنے کا جواب دے دیتے تو آپ ﷺ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ جنھوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔

(البخاری)

طبرانی اور بزاز میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا گذر ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں بو بھی لیتے تھے اور کاٹ بھی لیتے تھے اور جب وہ کاٹ لیتے تھے پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کاٹنے سے پہلے تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل

علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھتی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کا نعم البدل (بہترین بدلہ) عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا، جن کے سر پتھر سے پھوڑے جا رہے تھے، اور جب وہ کچل دیے جاتے پھر دوبارہ صحیح ہو جاتے، اور مسلسل ایسا ہوتا رہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز ادا نہیں کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک قوم پر ہوا جن کی شرمگاہ پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم (جہنم کا درخت) اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت اور ایک ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا تھا۔ وہ سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے تھے اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال پاک بیبیاں تھی مگر وہ ناپاک عورتوں کے پاس آتے اور ساری رات ان کے پاس گذار دیتے تھے۔ اسی طرح یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال پاک شوہر کے پاس سے اٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آتیں اور ساری رات ان کے پاس گذار دیتی تھیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر رکھا تھا اور وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی وہ اس میں اور لکڑیاں لا کر رکھتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کے بہت حقوق اور امانتیں ہیں اور وہ انہیں ادا کرنے پر قادر نہیں، مگر وہ اور زیادہ حقوق اور امانتیں اپنے ذمہ لیتا چلا جاتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے اور کٹنے کے بعد پہلے کی طرح ہو جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا، یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے واعظ ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا تھا پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا تھا لیکن جا نہیں سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ ان لوگوں کا حال ہے جو بڑی بات منہ سے نکالتے ہیں اور شرمندہ ہو کر اس کو واپس لے جانا چاہتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک وادی پر ہوا اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشک کی خوشبو سے معطر ٹھنڈی پاکیزہ ہوا آئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہتی ہے: اے اللہ آپ نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ چیز مجھے دیجئے کیوں کہ میری نعمتیں (بالاخانے، استبرق، ریشم، سندس، عبقری، موتی، مونگے، چاندی، سونا، گلاس، طشتریاں، کوزے، سواریاں، شہد، پانی، دودھ اور شراب وغیرہ) بہت بڑھ گئی ہیں، اب آپ میرے وعدے کی چیز (جنتی لوگ) مجھے دیدیں، (کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں) اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں: میں تجھے ہر وہ مسلمان مرد و عورت دے دوں گا جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے، جنہوں نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جو مجھ سے ڈرے گا وہ امن میں رہے گا، جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا، جو مجھے قرض دے گا، میں اس کو جزا دوں گا، جو مجھ پر توکل کرلے گا میں اس کے لیے کافی ہو جاؤں گا، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا، بے شک مومنوں کے لیے ہی کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ احسن الخالقین بڑی برکتوں والے ہیں۔ یہ سن کر جنت کہتی ہے: میں راضی ہو گئی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک وادی پر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وحشت ناک آواز سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدبو محسوس ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ جہنم کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے: اے ربّ! مجھ سے آپ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے (دوزخیوں کا) مجھ کو عطا فرمائیے، کیوں کہ میرا عذاب (زنجیریں، طوق،

شعلے، گرم پانی، پیپ وغیرہ) بہت بڑھ گیا ہے، میری گہرائی بہت لمبی اور گرمی بہت تیز ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ہر مشرک مرد و عورت اور کافر مرد و عورت اور ہر متکبر اور سرکش کو جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا، تجھ میں داخل کروں گا۔ دوزخ کہتی ہے: میں راضی ہو گئی۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے دائیں طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا: مجھے دیکھیے! میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، پھر ایک اور شخص نے مجھے بائیں طرف سے اسی طرح پکارا میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عورت نظر آئی، وہ ہر طرح کی خوبصورتی سے مزین تھی، اس نے ہاتھ پھیلا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، اے محمد! مجھے دیکھیے! لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ نہیں کی۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا، اگر (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو جواب دیتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت یہودی ہو جاتی۔ اور دوسرا پکارنے والا عیسائیت کا داعی تھا، اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو جواب دیتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت عیسائی ہو جاتی۔ اور وہ عورت دنیا تھی (یعنی اس کی پکار پر جواب دینے کا اثر یہ ہوتا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جو اوپر آچکا ہے۔ ظاہر میں یہ واقعات آسمان پر جانے سے پہلے دیکھے گئے اور بعض روایات میں آسمان پر جانے کے بعد دیکھنے کی صراحت آئی ہے)۔

اسی حدیث بالا میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان دنیا پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا اور دیکھا کہ بہت سے خوان رکھے ہوئے ہیں جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے، مگر اس پر کوئی شخص نہیں۔ اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اس پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے تھے، جب ان میں سے کوئی اٹھنے لگتا فوراً گر پڑتا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یہ سود خور ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایسی قوم پر بھی ہوا جن کے ہونٹ اونٹ جیسے تھے۔ وہ لوگ چنگاریاں نگل رہے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایسی عورتوں پر بھی ہوا جو پستانوں سے بندھی لٹک رہی تھیں، وہ زنا کرنے والیاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایسی قوم پر بھی ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹ کر ان ہی کو کھلایا جاتا تھا۔ وہ لوگ چغل خور اور عیب جو تھے۔

فائدہ: عالم برزخ جگہ کے اعتبار سے کہیں بھی ہو مگر اس کے نظر آنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ دیکھنے والا بھی اسی جگہ ہو، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان صورتوں کے احوال نظر آئے ہوں جو آدم علیہ السلام کے بائیں طرف تھیں جن کا ذکر دسویں واقعہ میں آئے گا اور دیکھی گئی چیزوں کے بارے میں وضاحت نہیں کہ آسمان پر جانے سے پہلے دیکھی گئیں یا بعد میں دیکھی گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر بعض ایسے انبیاء پر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعضے ایسے انبیاء پر جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک بہت بڑے مجمع پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم۔ لیکن اپنا سر اوپر اٹھایئے اور دیکھیے، میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان مجمع ہے جس نے سارے آسمان کو گھیر رکھا ہے۔ مجھے کہا گیا: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

(ترمذی)

ساتواں واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جب میں بیت

المقدس پہنچا تو) میں نے براق اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام (اپنی سواریاں) باندھا کرتے تھے (مسلم)۔ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس میں موجود پتھر میں انگلی سے سوراخ کر کے اس سے براق کو باندھا۔

(بزاز)

فائدہ: دونوں روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ وہ حلقہ تو پرانے زمانے سے ہو لیکن کسی وجہ سے بند ہو گیا ہو، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انگلی سے کھول دیا ہو اور آپ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں نے مل کر سواری کو باندھا ہو۔

اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں کہ وہ تو مسخر کر کے بھیجا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس عالم میں آنے سے اس میں یہاں کے کچھ اثرات پیدا ہو گئے ہوں۔ اور اگر بھاگنے کا اندیشہ نہ بھی ہو، تب بھی اس کی شوخی وغیرہ سے آپ ﷺ کے دل کے پریشان ہونے کا احتمال تھا (لہٰذا اسے باندھ دیا گیا)۔ باقی اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے (اس کی اصل حکمت تو اللہ ہی جانتے ہیں)۔

آٹھواں واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ بیت المقدس میں اس مقام پر پہنچے جس کا نام "باب محمد" ہے تو براق باندھ کر آپ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں مسجد کے صحن میں پہنچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یا محمد! کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو جنت کی حور دکھائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ان عورتوں کے پاس جائیے اور انہیں سلام کیجیے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا (جنت میں) تم کس کی بیویاں بنو گی؟ انہوں نے کہا: ہم نیک اور حسین ہیں، ہم ایسے مردوں کی بیویاں ہیں جو پاک صاف ہیں، جو کبھی میلے نہ ہوں گے، جو ہمیشہ رہیں گے، کبھی جنت سے جدا نہ ہوں گے، اور جو ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہیں مریں گے۔

وہاں سے ہٹ کر تھوڑی سی دیر گذری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پھر ایک مؤذن

نے اذان کہی اور پھر تکبیر کہی گئی۔ ہم صف باندھ کر انتظار کرنے لگے کہ کون امام بنے گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: آپ (ﷺ) کو معلوم ہے کہ آپ (ﷺ) کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: جتنے بھی نبی دنیا میں بھیجے گئے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور جبرئیل علیہ السلام بیت المقدس (کی مسجد) میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔

(بیہقی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی کھڑا ہے، کوئی رکوع میں ہے اور کوئی سجدہ میں ہے، پھر ایک مؤذن نے اذان کہی اور ہم صفیں درست کرکے اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ کون امامت کرائے گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کے آگے کھڑا کر دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ (بیہقی) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کا وقت آگیا اور میں نے امامت کرائی۔

(مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ پہنچے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ (مسلم) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (بیت المقدس میں) داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی (یعنی آپ ﷺ فرشتوں کے بھی امام بنے) (۲۷) جب نماز پوری ہو گئی تو فرشتوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ فرشتوں نے کہا: کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر سلامتی نازل

فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں (یعنی ہمارے بھائی اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی اور ان سب نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تقریر فرمائی: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے خلیل (دوست) بنایا، مجھے ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے لوگوں کا رہنما اور اپنا فرمانبردار بنایا کہ لوگ میری اقتداء کرتے ہیں، مجھے (نمرود کی) آگ سے نجات دی اور اسے میرے حق میں ٹھنڈا اور سلامتی والا بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا اور مجھے اپنا منتخب بنایا، مجھ پر توریت نازل فرمائی، میرے ہاتھ پر فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات ظاہر فرمائی اور میری امت کو ایسی قوم بنایا جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور حق کے ساتھ عدل کرتی ہے۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے مجھے ایک بڑا ملک عطا فرمایا، مجھے زبور کا علم دیا، میرے لیے لوہے کو نرم کیا، میرے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے تھے، مجھے حکمت اور بہترین تقریر (کرنے کا انداز) عنایت فرمایا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثناء کے بعد تقریر فرمائی: ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہوا اور جنات کو مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا (عالیشان عمارات، مجسم تصاویر جو اس شریعت میں جائز تھیں) جنات بنا دیتے تھے۔ مجھے پرندوں کی زبان کا علم دیا، اور اپنے فضل سے مجھے ہر قسم کی چیز عطا فرمائی، میرے لیے انسان جنات اور پرندوں کے لشکر مسخر کیے۔ مجھے ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے بعد کسی کو ایسی سلطنت نہ ملے گی اور میرے لیے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے متعلق مجھ سے کچھ حساب نہ ہوگا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی:

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، مجھے آدم علیہ السلام کے مشابہ بنایا کہ انہیں مٹی سے بنا کر کہا تھا تو زندہ ہو جا اور وہ زندہ ہو گئے تھے (اسی طرح مجھے بغیر باپ کے محض اپنے فرمان سے پیدا کیا)، مجھے لکھنا سکھایا، مجھے حکمت سکھائی مجھے تورات و انجیل کا علم دیا، مجھے ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل کا ڈھانچہ بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تو وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے (زندہ) پرندہ بن جاتا تھا، مجھے ایسا بنایا کہ میں خدا کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو تندرست کر دیتا تھا، مردوں کو زندہ کر دیتا تھا، مجھے پاک صاف رکھا۔ مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی، بس ہم پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: تم سب نے اپنے رب کی تعریف کی، میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں، ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر (جہنم سے ڈرانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا) بنا کر بھیجا، مجھ پر فرقان یعنی قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر (ضروری دینی) بات کا بیان ہے (واضح طور پر ہو یا اشارۃً) میری امت کو بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے نفع (دین) کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور میری امت کو انصاف والی امت بنایا، میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہیں (یعنی مرتبہ میں) اور آخر بھی ہیں (یعنی زمانہ میں) میرے سینہ کو کشادہ بنایا اور میرا بوجھ ہلکا کیا، میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھے سب کی ابتداء اور سب کی انتہاء بنایا۔ (یعنی سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا گیا اور سب سے آخر میں مجھے بھیجا گیا)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر سن کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سب کو مخاطب کر کے) فرمایا: بس انہی کمالات کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے بڑھ گئے ہیں۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالخصوص تین پیغمبروں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز اور ہر ایک کا حلیہ بیان فرمایا، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے کسی نے کہا: اے محمد! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں، ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے سلام کیا (مسلم) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شبِ معراج

میں میں نے دجال اور داروغہ جہنم کو دیکھا۔

(مسلم)

نواں واقعہ

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے دو برتن لائے۔ ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے دودھ کو اختیار کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ ﷺ نے فطرت (دین) کو اختیار فرمایا، پھر آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دودھ کا اور ایک شہد کا برتن آیا (مسند احمد)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تین برتن آئے۔ دودھ کا، شراب کا اور پانی کا (بزاز) اور حضرت شداد بن اوس کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے بعد مجھے پیاس لگی، اس وقت یہ برتن حاضر کیے گئے اور جب میں نے دودھ کو اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے، جبرئیل سے کہا: تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ: براق کے باندھنے کے بعد جو واقعات مذکور ہیں، ان میں ترتیب اس طرح سمجھ آتی ہے۔

پہلے آپ ﷺ مسجد کے صحن میں پہنچ کر حوروں سے ملے اور بات کی۔ پھر آپ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی، غالبًا یہ تحیۃ المسجد تھی۔ اس وقت غالبًا چند دوسرے انبیاء علیہم السلام پہلے سے جمع تھے، جن کو آپ ﷺ نے مختلف حالتوں میں دیکھا۔ کسی کو رکوع کی حالت میں، اور کسی کو سجدہ کی حالت میں یہ سب تحیۃ المسجد پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کو پہچانا بھی اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی تمام حضرات اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر اسی تحیۃ المسجد میں بھی آپ ﷺ کے مقتدی ہو گئے ہوں گے۔

پھر بقیہ انبیاء علیہم السلام جمع ہوئے۔ پھر اذان و تکبیر ہوئی اور جماعت ہوئی، جس میں آپ امام تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام اور چند فرشتے آپ ﷺ کے مقتدی تھے۔ ان میں سے بعض کو آپ پہچانتے نہ تھے، اسی لیے جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ تمام انبیاء جو مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

یہ کون سی نماز تھی اس کی تحقیق تیئیسویں واقعہ کے ذیل میں آئے گی۔ اذان واقامت یا توایسی ہی ہوگی جس طرح اب ہے، اگرچہ اس کا عام حکم مدینہ پہنچنے کے بعد ہوا ہو، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اذان اور طرح کی ہوگی۔

پھر فرشتوں سے تعارف ہوا، شاید داروغہ جہنم سے ملاقات بھی اسی ضمن میں ہوئی ہو، جس میں انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سن کر فرشتوں کا یہ پوچھنا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا تھا؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسا ہونے والا ہے۔ اس میں مزید دو احتمال ہیں یا تو ابھی تک نبوت کے ملنے کا علم نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ فرشتوں کے کام مختلف ہیں۔ انہیں دوسرے کاموں کا علم ہر وقت نہیں ہوتا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں نبوت کا علم پہلے سے ہو اور پوچھنے کا مقصد یہ ہو کہ معراج کے لیے ان کے پاس پیغام پہنچ چکا ہے یا نہیں۔ اور اسی طرح آگے جو آسمانوں میں سوال میں ہے وہاں بھی یہی بات ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر سب حضرات نے تقاریر کیں۔ پھر پیالے پیش ہوئے۔ جن کی روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار تھے، دودھ، شہد، شراب اور پانی کے۔ کسی نے دو کہے اور کسی نے تین کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تین ہوں۔ ایک پیالے میں پانی ہو جو مٹھاس میں شہد جیسا ہو اس لیے کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو۔ کبھی پانی کہہ دیا ہو۔ شراب اس وقت تک حرام نہ تھی کیوں کہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے شراب چوں کہ سامان فرحت ہے اسی لیے اسے اکثر لذت کے لیے پیا جاتا ہے، غذا کے لیے نہیں پیا جاتا، اس میں دنیاوی لذت کی طرف اشارہ ہے۔ اور پانی بھی غذا کے لیے مددگار ہے بطورِ غذا استعمال نہیں ہو سکتا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی اور شہد کو اختیار نہیں کیا۔ اور چوں کہ دین غذائے روحانی ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی ہے۔ اور غذائیں اگرچہ اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح اس لیے ہے کہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کو اختیار کیا۔ اسی طرح ان برتنوں کو سدرۃ المنتہیٰ کے بعد دوبارہ پیش کیا گیا۔ اور دودھ پلانے کا مقصد طاقت کا حصول بھی ہو سکتا ہے۔

پھر اس سب کے بعد آسمان کا سفر ہوا اور شاید مسجد اقصیٰ میں انبیاء اور فرشتوں کا جمع ہونا

نبی کے استقبال کے لیے ہو۔ واللہ اعلم۔

دسواں واقعہ

اس کے بعد آپ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ براق پر تشریف لے گئے۔ بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”دل دھونے اور اس میں ایمان و حکمت بھرنے کے بعد مجھے براق پر سوار کیا گیا۔ جس کا ایک قدم وہاں پر پڑتا تھا جہاں نگاہ کی انتہا ہوتی تھی، مجھے جبرئیل علیہ السلام لے چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آسمان پر بھی براق ہی پر تشریف لے گئے۔ گو درمیان میں بیت المقدس بھی اترے۔ بیہقی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”پھر (بیت المقدس میں اعمال سے فارغ ہونے کے بعد) میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا جس پر انسانوں کی ارواح (موت کے بعد) چڑھتی ہیں۔ اس زینہ سے زیادہ خوبصورت مخلوق میری نظر سے نہیں گذری۔ تم نے (بعض) مرنے والوں کو آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ اس زینہ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔“

آپ ﷺ کے اعزاز میں یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا، اس زینہ کو دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے فرشتے گھیرے ہوئے تھے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے لیے ایک چاندی کا اور ایک سونے کا زینہ لایا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پر چڑھے، ابن اسحاق سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب میں بیت المقدس سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا، اور میرے رفیق سفر (جبرئیل) نے مجھے اس پر بٹھایا یہاں تک کہ میں آسمان کے دروازے تک پہنچا۔“

فائدہ: گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر براق پر ہوا، اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینہ کے ذریعے آسمان پر گئے، تو اس کا جواب ہے کہ تھوڑا سفر براق پر کیا ہو اور تھوڑا سفر زینے پر۔ جس طرح مکرم مہمان کے سامنے کئی سواریاں پیش کی جاتی ہیں اور اس کو اختیار ہوتا ہے جس پر چاہے سفر کرے خواہ تھوڑی تھوڑی مسافت سب پر سوار ہو کر ہی کیوں نہ طے کرلے۔ اگرچہ براق بہت تیز رفتار تھا، تاہم اس کی رفتار سوار

کے اختیار میں تھی۔ مختلف مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اترنے سے یہ واضح ہے کہ براق تیز رفتار ہونے کے باوجود مناسب رفتار سے چلتا رہا۔

گیارہواں واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان دنیا پر پہنچے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا، دربان فرشتوں کی طرف سے پوچھا گیا: کون؟، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیام الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا ہے؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔

(ابن کثیر)

بیہقی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے۔ اس کا نام باب الحفظہ ہے۔ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے، اس کا نام اسماعیل ہے اس کی ماتحتی میں بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آسمان والوں کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین پر کیا کرنا چاہ رہے ہیں جب تک کہ ان کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہ دے دی جائے۔ جیسے یہاں فرشتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبانی معلوم ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تھا کہ کیا ان کے پاس کلام الٰہی پہنچا ہے۔ اس پوچھنے میں جو دو احتمال ذکر کیے گئے ہیں اس کی تفصیل گذر چکی۔ وہاں پوچھنے کی عقلی وجہ بھی لکھ دی گئی ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے اس عقلی توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری میں ہے کہ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا مبارک ہے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید، ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا پر ایک شخص کو بیٹھے دیکھا، جو اپنے دائیں بائیں کچھ شکلیں دیکھ رہے تھے۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں

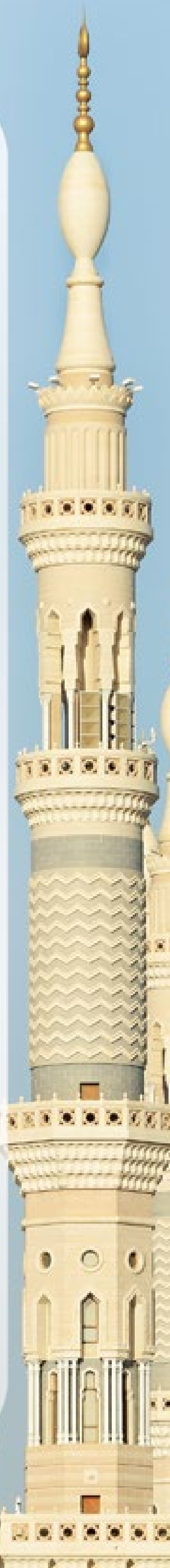

طرف دیکھتے تھے تو روتے تھے، میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں والے جنتی اور بائیں والے جہنمی ہیں، اس لیے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

.بزاز کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے خوشبودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے اس میں سے بدبودار ہوا آتی ہے۔ جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔ حضرت شریک کی روایت بالا میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان دنیا میں نیل وفرات کو دیکھا اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی آسمان دنیا پر میں نے ایک اور نہر بھی دیکھی جس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے ہوئے ہیں اور وہ نہر کوثر ہے۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ پہلے بھی مل چکے تھے۔ اسی طرح باقی آسمانوں پر جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیکھا تو یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انبیاء کرام کے ساتھ بیت المقدس میں بھی ملے اور آسمانوں پر بھی ملے اور سب کو اپنی اپنی قبروں میں بھی دیکھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام قبر میں تو اصلی جسم کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر جسم مثالی کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور یہ جسم مثالی کئی بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ہو۔ لیکن یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے ہو سکتا ہے اور ظاہراً یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا۔ اسی لیے باوجود بیت المقدس میں ملاقات ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آسمان پر نہیں پہچانا، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ آسمان پر جسم حقیقی کے ساتھ ہیں، اس لیے ان کو وہاں دیکھنا جسم حقیقی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں بیت المقدس میں جسم حقیقی کے ساتھ نہیں بلکہ جسم مثالی کے ساتھ دیکھا تھا اور روح کا جسم مثالی کے ساتھ تعلق موت سے پہلے بھی خلاف عادت ممکن ہے۔ اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت

المقدس میں جسم حقیقی کے ساتھ ہوں کہ آسمان سے وہاں آ گئے ہوں یا دونوں جگہ جسم حقیقی کے ساتھ ہوں کہ پہلے آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں، بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ بھی ارواح کی صورتِ مثالیہ تھیں، اور بزاز کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمانوں پر موجود نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے ٹھکانہ پر تھیں۔ اور اس ٹھکانے اور حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ کے درمیان دروازہ تھا اس دروازے سے ان کی صورتوں کا عکس حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ پر پڑتا ہوگا یا وہ ہوا جو ان روحوں کی جگہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ تک آتی تھی وہ بھی جسم ہے۔ اس میں ان صورتوں کا عکس پیدا کرنے کی خاصیت ہوگی۔ جیسے ہوا شعاعوں کی وجہ سے دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس روایت میں ہے کہ درمیان میں دروازہ موجود تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دروازہ ان صورتوں کے اثر کے یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔ واللہ اعلم۔

اس ساری تقریر پر یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے قرآن کریم میں مذکور ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے بارے میں تکبر سے کام لیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح آسمان پر نہیں جا سکتیں۔ تو پھر آسمان دنیا پر کافروں کی روحیں جو بائیں طرف تھیں، کیسے پائی گئیں؟ (یعنی وہ روحیں نہیں بلکہ ان کا عکس تھا۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نیل اور فرات کو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں دیکھا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیل اور فرات تو زمین پر ہیں، انہیں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں دیا جائے گا۔ یہاں صرف روایات کو جمع کرنے کی وجہ سمجھ لی جائے وہ یہ ہے کہ نیل و فرات کا اصل سرچشمہ تو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ ہے اور وہاں سے پانی نکل کر آسمان دنیا پر جمع ہوتا ہے اور پھر وہاں سے زمین پر آتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے حوض کوثر کا جنت میں ہونا

مذکور ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوثر جب جنت میں ہے تو اسے آسمان پر کیسے دیکھا؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اصل حوض کوثر کا سرچشمہ جنت میں ہے اور اس کی ایک شاخ آسمان پر ہے جیسا کہ ایک شاخ قیامت کے دن میدانِ قیامت میں ہو گی۔

بارھواں واقعہ

بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر مجھے جبرائیل علیہ السلام لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ جبرئیل نے کہا: جبریل۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں: پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ حضرت جبرئیل نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید، آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں موجود تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحیٰی و عیسیٰ ہیں ان کو سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ ان دونوں نے جواب دیا۔ کہا: بھائی اور نبی کو خوش آمدید۔

فائدہ: حضرت یحیٰی کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں تو حضرت عیسیٰ ان کی خالہ کے نواسے ہیں۔ چوں کہ نانی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرمایا، اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہوتیں تو حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی ہوتے لیکن چوں کہ ایسا نہیں ہے لہٰذا مجازاً ان کو خالہ زاد فرما دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحیٰی علیہ السلام کی خالہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اگرچہ ان کے بیٹے نہیں مگر ان کے نواسے ہیں۔ اور ان دونوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھائی اس لیے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا میں سے نہیں ہیں۔

تیرھواں واقعہ

بخاری میں ہے کہ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا! جبرائیل: پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا

گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید، آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ یوسف علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجیے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ (المشکوٰۃ عن المسلم)

ایک روایت میں یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے اور حسن میں لوگوں پر ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسے چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔ (طبرانی)

فائدہ: ان روایات سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین تھے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب: حضرت یوسف علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ مذکورہ روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز بنا کر بھیجا۔ لیکن تمہارے نبی سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (ترمذی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام صرف ایک چیز یعنی حسن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ہوں لیکن باقی تمام چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بڑھے ہوئے ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ حسن کی مختلف قسمیں ہوں۔ ایک قسم میں حضرت یوسف علیہ السلام زیادہ حسین ہوں اور ایک قسم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حسین ہوں۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ظاہری طور پر بہت زیادہ ہو اور ایک حد تک ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن معنوی طور پر بہت لطیف اور نازک ہو اور بے انتہا ہو۔ پہلی قسم کا نام حسن صباحت (یعنی صاف رنگ کی خوبصورتی) اور دوسری قسم کا نام حسن ملاحت (یعنی چہرے کی کشش کی خوبصورتی) ہے۔

يَزِيدُكَ وَجْهُهُ حَسَنًا اِذَا مَا زِدْتَهُ نَظَرًا

(جتنا تم انہیں دیکھو گے اتنا ہی تمہیں ان کا حسن زیادہ محسوس ہوگا)۔

حقیقت کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو ہے، یہ ادب کا مقام ہے۔

چودھواں واقعہ

بخاری میں ہے کہ پھر مجھے جبریل آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبریل: پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید، آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجیے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید ہو۔

فائدہ: حضرت ادریس اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤاجداد میں سے ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے فرمایا کہ اچھے بھائی کو خوش آمدید۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ہر نبی دوسرے نبی کا بھائی ہوتا ہے۔ باقی بیٹے کی نسبت بھائی کہنے میں چوں کہ زیادہ ادب ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے بیٹے کے بجائے بھائی فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھے بیٹے کو خوش آمدید۔ (ابن کثیر) جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ادریس حضرت الیاس علیہ السلام کا لقب ہے اور حضرت الیاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤاجداد میں سے نہیں ہیں۔

پندرھواں واقعہ

بخاری میں ہے کہ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر آگے چلے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: خوش آمدید، آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام ہیں اور انہیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید۔

سولہواں واقعہ

سولہویں واقعہ میں ہے کہ پھر مجھے جبریل علیہ السلام آگے لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ خوش آمدید۔ جب میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا: اچھے بھائی اور اچھے نبی کو خوش آمدید۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ رونے لگے۔ میں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد بھیجے گئے جن کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت کے جنت میں داخل ہونے والے سے بہت زیادہ ہوں گے۔ مجھے اپنی امت پر حسرت ہو رہی ہے کہ انہوں نے میری ایسی اطاعت نہ کی جس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت آپ کی اتباع کرے گی اس لیے مجھے اپنی امت کے حال پر رونا آ رہا ہے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوجوان اس لیے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑھاپے تک پہنچنے سے پہلے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے تھوڑی ہی مدت میں اتنے زیادہ ہو گئے کہ اور انبیاء کے بڑھاپے تک بھی اتنے ماننے والے نہیں ہوئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل عمر ۶۳ سال ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سو سال ہوئی۔ (قصص الانبیاء)

سترہواں واقعہ

بخاری میں ہے کہ پھر مجھے جبریل آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چلے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا: آپ نے بہت اچھا کیا جو تشریف لائے۔ خوش آمدید۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور فرمایا: اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو خوش آمدید۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے بیٹھے تھے۔ اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ یعنی اگلے روز اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں۔

(مشکوٰۃ عن المسلم)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مجھے ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ وہ بہت حسین تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ موجود تھے اور میری امت بھی وہاں موجود تھی۔ میری امت کے کچھ لوگوں نے سفید کپڑے اور کچھ لوگوں نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑے والے بھی میرے ساتھ داخل ہوگئے اور میلے کپڑے والوں کو روک دیا گیا۔ میں نے اور میرے ساتھ اندر جانے والوں نے وہاں نماز پڑھی۔ (بیہقی)

فائدہ: بعض روایات میں آسمانوں پر انبیاء کرام کی ترتیب دوسرے طرح بھی مذکور ہے مگر صحیح ترین یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

بیت المعمور سے متعلق مزید تفصیلات سدرۃ المنتہیٰ کے بعد آگے آرہی ہیں۔

اٹھارہواں واقعہ

بخاری میں ہے کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ اس کے بیر اتنے بڑے

بڑے تھے جیسے ہجر (ایک جگہ کا نام ہے) کے مٹکے اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں تھیں۔ دو اندر جارہی تھیں اور دو باہر آرہی تھیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے نہروں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: جو نہریں اندر جارہی ہیں یہ جنت کی دو نہریں ہیں اور جو باہر جارہی ہیں یہ نیل اور فرات ہیں۔

پھر میرے پاس ایک شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا برتن لایا گیا۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ فطرت (یعنی دین) ہے۔ جس پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت قائم رہے گی۔

بخاری کی ایک روایت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں یہ چار نہریں ہیں۔ اور مسلم میں ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں۔ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے۔ یہاں تک کہ میں ایک نہر پر پہنچا جس پر یاقوت، موتیوں اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور اس پر سبز رنگ کے خوبصورت پرندے بھی تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ کوثر ہے۔ جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دی ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کے برتن رکھے ہوئے ہیں اور وہ یاقوت اور زمرد کے پتھروں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ میں نے ایک برتن لے کر اس میں سے تھوڑا پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

امام بیہقی کی حدیث میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام سلسبیل تھا، اس سے دو نہریں نکلتی تھیں۔ ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ پہلے اسی پر اترتے ہیں اور وہاں سے نیچے (عالم دنیا میں) لائے جاتے ہیں۔ (اسی لیے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے)۔

بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ایسی رنگتوں نے چھپالیا ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا ہیں اور مسلم میں ہے کہ وہ سونے کے پروانے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ سونے کی ٹڈیاں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتوں نے چھپایا ہوا تھا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب خدا کے حکم سے اس کو ایک عجیب چیز نے چھپالیا تو اس کی صورت بدل گئی، کوئی بھی مخلوق اس کی صفت بیان نہیں کر سکتی۔ ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنے اور برتنوں کے پیش کیے جانے کے درمیان میں یہ بھی ہے کہ پھر میرے سامنے بیت المعمور بلند کیا گیا۔ ایک روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی ہے کہ پھر میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی (المشکوٰۃ عن الشیخین)

فائدہ: دیگر احادیث سے پتا چلتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے جب کہ ان روایات میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان سے شروع ہو کر ساتویں آسمان تک جاتی ہو۔ اور جو چار نہریں اس کی جڑ سے نکلتی ہیں وہ جڑ کے اس حصہ سے نکلتی ہیں جو ساتویں آسمان پر ہے۔

وہ نہریں جو اندر کو جارہی تھیں وہ نہر کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ حصہ جہاں سے کوثر اور نہر رحمت نکلتی ہوں سدرۃ المنتہیٰ کی دوسری جڑ میں ہوں۔ اور ابن ابی حاتم کی روایت بالا سے کوثر کا بظاہر میں جنت سے باہر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً جنت سے باہر وہ حصہ ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں ہے۔ باقی اس کا زیادہ حصہ جنت میں ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں اس کا جنت میں ہونا مذکور ہے۔

نیل وفرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ ان کا پانی آسمان سے آتا ہو۔ کیوں کہ بارش ہونے کے بعد بارش کا پانی پتھر میں جذب ہو جاتا ہے، پھر پتھر سے جاری ہوتا ہے تو نیل وفرات کا چلنا بھی ایسا ہی ہوتا ہے، کیوں کہ بارش تو آسمان سے ہوتی ہے تو جو نیل وفرات کا پانی ہے وہ بارش کے ذریعے آسمان سے آتا ہے اس طرح نیل وفرات کی اصل آسمان میں ہوئی۔

سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرنے والے فرشتوں کو رنگ اور ٹڈیاں کہنا تشبیہ کے لیے ہے۔ ورنہ در حقیقت وہ فرشتے تھے۔ باقی یہ فرمانا کہ معلوم نہیں وہ کیا تھے؟ اس لیے کہ پہلے معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا تھے؟ یا پھر تعجب کے لیے فرمایا کہ وہ اتنے حسین تھے کہ معلوم نہیں کہ ان کے حسن کو کس طرح بیان کیا جائے۔

مسلم کی روایت جو بیت المعمور کے متعلق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المعمور سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اس جگہ سے اوپر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ سب سے اوپر بیت المعمور، اس سے نیچے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ سب سے نیچے ہے تو ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگا کر کیسے بیٹھے ہوئے تھے جیسا کہ واقعہ نمبر ۱۷ میں مذکور ہے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ بیت المعمور کی بنیاد تو ساتویں آسمان پر ہو اور اس کی اونچائی سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اونچی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے نچلے حصے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں۔ تو اب ترتیب یوں ہوئی کہ سب سے اونچا بیت المعمور، اس سے نیچے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے نچلے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اس طرح تمام صورتوں میں تطبیق ہو گئی۔

واقعہ نمبر ۱۷ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ آپ ﷺ نے بیت المعمور میں نماز پڑھی جو ساتویں آسمان سے اونچا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساتویں آسمان پر نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں الگ الگ جگہ تھے تو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ نماز کس طرح پڑھی؟ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ نماز بیت المعمور کے نچلے حصے میں پڑھی ہو جو ساتویں آسمان پر ہے، جس طرح اکثر مساجد میں نماز مسجد کے نچلے حصے میں ہوتی ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آسمان پر خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ایک مسجد بیت المعمور ہے کہ اگر بالفرض وہ گرے تو بالکل کعبہ کے اوپر گرے گی۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ اور

اوپر جو یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں داخل ہوئے عین ممکن ہے کہ بیت المعمور دیکھنے کے بعد جنت میں داخل ہوئے ہوں۔ قرآن کریم سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے اور دونوں ہی احتمال ہیں کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ سے بلند ہو یا سدرۃ المنتہیٰ جنت سے بلند ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیہقی میں روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کے بعد جنت میں گئے اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد مجھے اوپر جنت میں لے جایا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر ہے۔

بیہقی کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جنت کی سیر کے بعد دوزخ کو میرے سامنے لایا گیا تو اس میں اللہ کا غضب و عذاب اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو وہ اس کو بھی کھالے۔ پھر جہنم کو بند کر دیا گیا۔ اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ تو اپنی جگہ پر رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ رہے۔ درمیان سے حجاب اٹھا کر دوزخ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا گیا۔

انیسواں واقعہ

بخاری میں بیت المعمور کے ذکر اور دودھ وغیرہ کے برتن پیش کیے جانے کے بعد روایت میں ہے کہ پھر مجھ پر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملنے کے بعد ہے کہ مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں میں نے قلموں (کے لکھنے) کی آواز سنی۔ اور مجھ پر اللہ نے پچاس نمازیں فرض کیں۔

(مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

فائدہ: پہلی روایت میں بیت المعمور کی سیر کے کچھ دیر بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے، اور دوسری روایت سے میدان میں پہنچنے کے فوراً بعد نماز کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دونوں روایتوں میں یہ ترتیب سمجھ میں آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المعمور کی سیر کے بعد میدان میں پہنچے ہوں گے اور پھر اس میدان میں پہنچنے کے بعد نمازیں فرض

ہوئی ہوں گی۔ نیز ایک اور بات سے بھی لوح و قلم کا سدرۃ المنتہٰی اور بیت المعمور سے بلند ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ سولہویں واقعہ کے تحت گذرا ہے کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں، اول سدرۃ المنتہٰی کے مقام پر اترتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا سدرۃ المنتہٰی لوح و قلم سے نیچے ہے، اسی طرح بیت المعمور کی اصل ساتویں آسمان میں ہے اور وہاں فرشتے عبادات میں مشغول ہیں تو قرآن کریم میں جو مذکور ہے کہ تمام احکام آسمان سے نازل ہوتے ہیں تو اس سے مراد بیت المعمور ہے۔ واللہ اعلم۔

بیسواں واقعہ

امام بزاز نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معراج کے متعلق ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق پر تشریف فرما تھے۔ یہاں تک کہ مقامِ حجاب تک پہنچے اور اس میں یہ ہے کہ ایک فرشتہ حجاب میں سے نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دین دے کر بھیجا ہے ! جب سے میں پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو نہیں دیکھا، حالانکہ اللہ کے ہاں میرا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے جدا ہو گئے۔ اور مجھے تمام آوازیں آنی بند ہو گئیں۔

(النووی علیٰ مسلم)

شفاء الصدور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور سفر معراج میں میرے ساتھ رہے یہاں تک کہ ایک مقام تک پہنچ کر رک گئے۔ میں نے کہا: جبرئیل ! کیا ایسے مقام پر کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر میں اس مقام سے آگے بڑھا تو نور سے جل جاؤں گا۔

فائدہ: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے

بدو گفت سالارِ بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا: اے وحی لانے والے آگے چل، جب تم نے مجھے دوستی میں مخلص پایا، تو پھر میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: میری طاقت اس سے زیادہ نہیں، میں اوپر جانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر میں ایک بال کے برابر بھی اوپر چڑھا تو تجلی کی شعائیں میرے پروں کو جلا دیں گی۔“

اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر مجھے ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے اور ان میں سے ہر حجاب دوسرے سے مختلف تھا۔ حتیٰ کہ مجھے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ آنی بند ہو گئی۔ اس وقت مجھے وحشت ہوئی لیکن اسی وقت ایک پکارنے والے نے مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا: رک جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دو باتوں پر تعجب ہوا۔ ایک تو اس بات پر کہ ابوبکر مجھ سے آگے کیسے پہنچ گئے؟ اور دوسرا اس بات پر کہ میرا رب تو صلوٰۃ سے بے نیاز ہے (تو پھر یہ کہنے کا کیا مطلب ہوا کہ تیرا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: اے محمد! یہ آیت پڑھو۔ هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰٓـئِكَتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ‌ؕ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا۔

”وہ ذات اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور وہ مؤمنین پر رحیم ہے۔“

یعنی صلوٰۃ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور آپ کی اُمت کے لیے ”رحمت“ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صورت کا ایک فرشتہ پیدا کیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لہجے میں پکارا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحشت دور ہو۔ اور آپ ایسے خوف زدہ نہ ہوں کہ اصل بات ہی نہ سمجھ سکیں۔

اور شفاء الصدور کی ایک روایت میں ہے کہ حجابات کے طے کرنے کے بعد میرے لیے ایک رفرف (سبز مسند) اتاری گئی اور مجھے اس پر بٹھایا گیا، پھر مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا۔ وہاں میں نے ایسی خاص بات دیکھی کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔

فائدہ: بزاز کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں پر چڑھنا بھی براق پر ہی ہوا۔ واللہ اعلم

آپ ﷺ کو جو رحمت الٰہیہ کے حصول کے لیے ٹھہرنے کا حکم ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ آگے بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ کامل طریقہ سے رحمت نہیں کر سکیں گے۔ جس طرح مخلوق جب ایک کام میں مشغول ہو تو عین اسی وقت دوسرا کام نہیں کر سکتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خاص رحمت فرما رہے ہیں اس لیے آپ چلنے سے رک جایئے اور آپ (ﷺ) اس کے حصول میں مشغول ہو جایئے کیوں کہ چلنے میں مشغول ہونے سے آپ ﷺ مکمل یکسوئی سے یہ رحمت حاصل نہیں کر سکیں گے۔ واللہ اعلم

اکیسواں واقعہ

حق تعالیٰ کو دیکھنا اور بات کرنا:

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور امام عبد الرزاق نے بھی اسی طرح سے روایت کیا ہے۔ نیز حضرت ابن خزیمہ نے بھی حضرت عروہ بن زبیر سے دیکھنے کو ثابت کیا ہے حضرت کعب الاحبار اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور امام معمر رحمۃ اللہ علیہ سب کا یہی قول ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ اللہ کی دوستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ اور زیارت حضرت محمد ﷺ کو۔ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ نگاہ سے اور ایک مرتبہ دل سے۔ (طبرانی فی الاوسط بسند ثقات)

امام مرزوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا: لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو شخص یہ سمجھے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ بولا۔ تو کس دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے فرمایا: خود نبی ﷺ کے قول "رأیت ربی" (میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے) سے۔ (تو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے ثابت ہو کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔)

صحیح احادیث میں تفصیل موجود ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کی اللہ تعالیٰ سے مندرجہ ذیل باتیں ہوئیں۔

(۱) پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

(۲) سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں عنایت ہوئیں۔

(۳) یہ عنایت ہوئی کہ آپ ﷺ کا جو امتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرے گا اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(مسلم)

(۴) یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا صرف ارادہ کرے اور نیکی نہ کرے تو بھی اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر نیکی کرے تو کم از کم دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر گناہ نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر گناہ کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔

(کذا رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے باری تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو خاص دوستی اور ملک عظیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی، حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کی نرمی اور پہاڑوں کی تسخیر، حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے مثال عظیم سلطنت

اور انس و جن اور ہوا کی تسخیر، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل و تورات اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھ کی بیماری والوں کو شفاء دینے کا علم اور ان کی والدہ کو شیطان سے پناہ عطاء فرمائی (آپ مجھے کیا عطاء فرمائیں گے؟) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں (اپنا) حبیب بنایا۔ ساری کائنات کا رسول بنایا۔ تمہیں شرح صدر عطاء فرمایا۔ تمہاری پریشانیوں کو ختم کیا، تمہارے ذکر کو بلند کیا۔ جب بھی میرا ذکر ہوگا تمہارا ذکر بھی ہوگا اور تمہاری اُمت کو بہترین اُمت اور معتدل اُمت بنایا، اول بھی بنایا اور آخر بھی بنایا، ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ تم میرے بندے ہو اور رسول ہونے کو گواہی نہ دیں، اور تمہاری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے جو قرآن کے حافظ ہوں گے۔ میں نے تمہیں سب سے پہلے پیدا کیا لیکن سب سے آخر میں نبی بنایا۔ قیامت میں سب سے پہلے تم شفاعت کروگے۔ اور میں نے دوسرے انبیاء کو شریک کیے بغیر تمہیں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا کیں۔ اور تمہیں کوثر، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر عطا کیے اور تمہیں کو فاتح اور خاتم النبیین بنایا۔

(سنن ابو جعفر قال ابن کثیر انہ ضعیف فی الحفظ)

یہاں چند فوائد قابل ذکر ہیں:

فائدہ: بعض صحابہ کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ وہ کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" (آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں)۔ لیکن جب احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ دیکھنے والا اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل کر سکے اور اس کا احاطہ کر سکے ایسا ممکن نہیں ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ میں نے نور دیکھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نور دیکھا جو دیدار سے مانع نہیں تھا۔ تاہم آخرت میں نورِ خداوندی کی اس طرح زیارت ہوگی کہ اس سے زیادہ زیارت کسی انسان کی استطاعت سے باہر ہوگی۔

فائدہ: سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں اور معراج مکہ میں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج میں ان آیات کے نزول کا وعدہ کیا گیا ہوگا اور مدینہ میں یہ وعدہ پورا کر دیا گیا ہے۔

فائدہ: پانچ نمازیں ملنے کا مطلب یہ ہے کہ آخر میں پانچ رہ گئیں۔ ظاہراً یہ ساری گفتگو اللہ تعالیٰ کی زیارت کے وقت ہوئی۔ جیسا کہ انیسویں واقعہ سے ثابت ہے کہ نمازیں مقام صریف الاقلام کے بعد فرض ہوئیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ نمازیں مقام صریف الاقلام پر فرض ہوئی ہوں۔ فرضیت نماز کے ساتھ ساتھ باقی مکالمات بھی اس وقت ہوئے ہوں گے کیوں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مکالمات ایک ہی وقت ہوئے ہیں۔

فائدہ: حدیث میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار اور حضرت موسی علیہ السلام کو اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا فرمایا۔ جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار کا شرف عطا فرمایا۔ لیکن اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بار بار گفتگو فرمائی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف ایک مرتبہ گفتگو فرمائی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ خلت (خاص دوستی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے یہ مطلب نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خلت نہیں ہے۔

فائدہ: حدیث مبارکہ میں جو یہ مذکور ہے کہ نیکی کے ارادے سے نیکی لکھی جاتی ہے اور گناہ کے ارادے سے گناہ نہیں لکھا جاتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گناہ کا پختہ ارادہ نہ ہو بلکہ محض تمنا کے درجہ میں ہو تو گناہ نہیں لکھا جاتا۔ ہاں اگر گناہ کا پختہ ارادہ کر لیں تو گناہ لکھا جائے گا کیوں کہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی ایک برا عمل ہے اور برے عمل پر گناہ لکھا جاتا ہے۔ یعنی اگر نیکی کی تمنا کو ختم کرنے کا ارادہ نہ ہو تو نیکی لکھی جاتی ہے اور گناہ کی تمنا کو ختم کرنے کا ارادہ نہ ہو تو گناہ نہیں لکھا جاتا۔

بائیسواں واقعہ

”اوپر کے آسمانوں سے نیچے کے آسمانوں کی طرف واپسی“

بخاری میں بیت المعمور کی سیر اور شراب، دودھ اور شہد کے برتن پیش ہونے کے بعد مذکور ہے۔ پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں واپس لوٹا۔ واپسی کے دوران میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا: دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ انہوں نے فرمایا: آپ کی اُمت سے دن رات میں پچاس نمازیں بالکل بھی نہیں پڑھی جائیں گی۔ واللہ! میں آپ سے پہلے بنی اسرائیل پر اس بات کا تجربہ کر چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور اپنی امت کے لیے آسانی کی درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں پھر لوٹا تو دس اور کم کر دی گئیں۔ میں پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں پھر لوٹا تو دس نمازیں اور کم کر دی گئیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں پھر لوٹا۔ پھر دس اور کم کر دی گئیں میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر اس طرح کہا۔ میں پھر لوٹا، اب دن رات میں مجھے پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی امت (یعنی ساری امت) روزانہ پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکے گی اور میں آپ سے پہلے لوگوں پر اس بات کا تجربہ کر چکا ہوں۔ آپ اپنے رب کے پاس جایئے اور اپنے لیے اور آسانی مانگیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی، اب مجھے شرم آتی ہے (اگرچہ پھر بھی عرض کرنا ممکن تھا) لیکن اب میں انہی پانچ نمازوں پر راضی ہوں اور انہیں قبول کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک پکارنے والے نے (حق تعالیٰ کی جانب سے) پکارا: میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لیے آسانی کر دی۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ پانچ پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! رات دن میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس کے برابر ہے۔ اس طرح

یہ پانچ نمازیں گویا پچاس ہی ہیں (یعنی ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا)

اور نسائی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میں نے جس دن آسمان زمین پیدا کیا (اسی دن) آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ پس آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت اس کی پابندی کرے۔ اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے ”بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر ان سے (وہ بھی) نہ ہو سکیں“ اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت اس کی پابندی کریں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکی بات ہے۔ میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر جائیے اور نمازیں کم کرائیے، مگر میں نہیں گیا۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد یہ ہوا: یہ پانچ ہیں لیکن ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا۔ اس میں تبدیلی اور کمی نہیں ہوئی البتہ تعداد کم ہو کر پانچ رہ گئی۔
(کذا فی المشکوٰۃ)

نمازوں کی فرضیت کے بعد واپس آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کی واپسی فوراً ہوئی بلکہ درمیان میں زیارت اور مکالمہ وغیرہ ہوا پھر واپسی ہوئی۔ اور دس دس کم ہونے کا مطلب ہے کہ دو دو بار دس کی کمی ہوئی، یہ مطلب نہیں کہ ہر بار دس کی کمی ہوئی۔ اس طرح اس حدیث مبارک کا پانچ پانچ والی حدیث مبارک سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارک سے آپ ﷺ کے شرما جانے اور مزید کمی کی درخواست نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد مبارک ”یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن پچاس کے برابر ہیں۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی“ سے یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ کی رضا یہی ہے۔ ورنہ اگر نمازیں اور بھی کم ہو جائیں تو ثواب پھر بھی کم نہ ہوتا بلکہ پچاس کے برابر ہی رہتا۔ باقی پانچ نمازوں کو پچاس کے برابر فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ پانچ سے کم نمازیں پچاس کے برابر نہیں بن سکتیں بلکہ مطلب صرف یہ تھا کہ پانچ کا عدد پچاس سے کم فضیلت نہیں رکھتا۔

تیئسواں واقعہ

"آسمانوں سے زمین کی طرف واپسی"

حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر معراج ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے، ہم بھی سو گئے۔ جب فجر سے پہلے کا وقت ہوا تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُمِّ ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا، پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز پڑھی۔ پھر اب صبح کی نماز میں نے تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر جانے کے لیے اٹھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کا پلو پکڑ لیا اور عرض کیا! یا رسول اللہ! آپ لوگوں سے یہ قصہ نہ بیان کریں وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور تکلیف دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واللہ! میں ان سے یہ قصہ ضرور بیان کروں گا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصرار سن کر) میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے جائے اور آ کر مجھے بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کیا کہا اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا کہا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو قصہ سنایا۔ انہوں نے تعجب کیا اور کہا: محمد! اس کی کوئی نشانی بھی ہے (جس سے ہمیں یقین آئے) کیوں کہ ہم نے آج تک ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ جب میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا، اس اونٹ کے بارے میں میں نے انہیں بتایا۔ اس وقت میں شام کی طرف جا رہا تھا۔ (یعنی سفر معراج کا آغاز تھا) پھر میں واپس آیا اور جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ لوگ سو رہے تھے۔ ان کے ایک برتن میں پانی تھا۔ انہوں نے اس کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے ڈھکن اتار کر پانی پیا پھر اسی طرح برتن ڈھانپ دیا۔ اس کی نشانی یہ بھی ہے کہ وہ قافلہ اب بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کی طرف آ رہا ہے، سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہے اس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں ایک

کالااور دوسرا دھاری دار۔ لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف دوڑے تو سب سے آگے وہی اونٹ تھا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ اور جب دوسرے قافلہ والوں نے ان کے مکہ آنے کے بعد پوچھا (جن کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا اونٹ بھاگ گیا ہے تو انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) نے واقعی صحیح فرمایا۔ اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا۔ ہم نے ایک شخص کی آواز سنی جو ہمیں اونٹ کے بارے میں بتا رہا تھا یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔

(سیرۃ ابن ہشام)

بیہقی کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ ﷺ سے نشانی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کو بدھ کے دن قافلہ آنے کی خبر دی۔ جب بدھ کا دن آیا تو قافلہ نہ پہنچا یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو سورج غروب نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ قافلہ پہنچ گیا۔

فائدہ: ان روایات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ عشاء اور فجر کے درمیان معراج کا مکمل سفر ختم ہو گیا۔ اور عشاء کی نماز گو اس وقت فرض نہ تھی، مگر آپ ﷺ پڑھا کرتے ہوں گے۔ اور دوسرے مسلمان بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ لیتے ہوں گے۔ فجر کی یہ نماز اگرچہ معراج کے بعد تھی مگر احادیث سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پہلی امامت ظہر کی نماز کے وقت ثابت ہوتی ہے تو غالباً نماز کی فرضیت کی ابتداء ظہر کے وقت سے ہوگی۔ بیت المقدس میں جو نماز پڑھی اس کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے حانت الصلوٰۃ اس سے عشاء کی نماز مراد لینا مشکل ہے۔ کیوں کہ نمازِ عشاء آپ ﷺ پڑھ چکے تھے تو غالباً یہ تہجد کی نماز ہوگی۔ جو آپ ﷺ پر ایک زمانہ تک فرائض کی طرح ضروری رہی۔ اور اذان اسی تہجد کے لیے دی گئی ہوگی جیسا کہ رمضان المبارک میں تہجد کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان ثابت ہے۔

۲۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معراج جسمانی تھی ورنہ لوگ اسے نہ جھٹلاتے۔ اس طرح اگر معراج روحانی ہوتی تو آپ ﷺ فرما دیتے کہ یہ معراج جسمانی نہیں ہے بلکہ روحانی اور نیند کی حالت میں ہے کہ نیند کی حالت میں اس طرح کا خواب دیکھنا کوئی خلافِ عقل نہیں۔

۳۔ سیرۃ ابن ہشام میں جن قافلوں کا ذکر ہے بہ ظاہر وہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اور بیہقی کی روایت میں جس قافلہ کا ذکر ہے کہ وہ آیا نہ تھا، یہ الگ قافلہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں سے ایک قافلہ مکہ پہنچ گیا تھا، اور دوسرا تنعیم کے مقام پر ملا، اور تیسرے کے متعلق یہ ہے کہ وہ شام تک نہ آیا تھا اور اس کے آنے تک سورج رُک گیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان دونوں کے علاوہ تیسرا قافلہ تھا۔ مواہب میں بغیر سند کے دونوں قصے (یعنی اونٹ کے بھاگنے اور خاکی اونٹ کے آگے چلنے کے) ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب ہیں تو غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قافلے ایک ہی قافلہ کے تین ٹکڑے ہیں۔ یہ دونوں قصے دو جماعتوں کے ساتھ ہوئے۔ اور وقت پر نہ آنے اور سورج کے رُک جانے کا واقعہ تیسری جماعت کے ساتھ ہوا۔ کیوں کہ یہ سب ایک ہی قافلہ کے مختلف ٹکڑے ہیں۔ اس لیے دونوں کو ایک قافلے کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ سورج رُک جانے میں کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور سورج رُک جانے کا عام چرچا اس لیے نہیں ہوا کہ سورج تھوڑی دیر کے لیے رُکا ہوگا اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوگی۔

اور یہ بات مجھے تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی کہ آپ ﷺ کی واپسی براق پر ہوئی تھی یا کسی اور طرح ہوئی تھی؟ اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس جگہ حاشیہ کا نشان بنا کر اس میں اضافہ کر دے۔

چوبیواں واقعہ

”معراج کا قصہ سننے والوں پر اس کا اثر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ راتوں رات مسجد اقصیٰ گئے تو صبح آں حضرت ﷺ نے لوگوں سے اس کا تذکرہ فرمایا۔ یہ سن کر بعض مسلمان مرتد ہو گئے اور بعض مشرکین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور کہنے لگے: اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے؟ کہتے ہیں کہ مجھے راتوں رات بیت المقدس لے جایا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وہ ایسا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے فرمایا: اگر وہ کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ کہنے لگے: کیا تم اس بات

کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے واپس بھی چلے آئے؟ (حالانکہ بیت المقدس کس قدر دور ہے) انہوں نے فرمایا: ہاں! میں تو اس سے زیادہ دور کی بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں؟ یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو ان کے پاس صبح، شام آتی ہے (جو اس سے بھی کم وقت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتی ہے) اسی لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام ”صدیق“ رکھا گیا۔

(رواہ الحاکم وابن اسحاق)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوئی۔ ورنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعویٰ فرماتے کہ نیند کی حالت میں ایسا ہوا تو بعض لوگ مرتد نہ ہوتے۔

پچیسواں واقعہ

”واقعہ معراج کے بارے میں کفار کے سوالات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حطیم میں تھا کہ قریش نے مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں، جنہیں میں نے (ضرورت نہ سمجھنے کی وجہ سے) ذہن میں نہیں رکھا تھا تو مجھے اس قدر افسوس ہوا کہ اتنا افسوس کبھی نہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا۔ جو بات وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں بیت المقدس کو دیکھ کر بتا دیتا تھا۔

(مشکوٰۃ عن المسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس کو میرے سامنے لایا گیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ بیت المقدس کو عقیل کے گھر کے پاس لا کر رکھ دیا گیا۔ اور میں نے اسے دیکھ کر ساری بات بیان کی۔

(رواہ احمد وبزاز)

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ بیت المقدس تصویر کی شکل میں میرے سامنے آگیا۔

اور میں لوگوں کو اس کی بہت سی نشانیاں بتلا رہا تھا۔ اور حضرت اُم ہانی کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کو (غیر ضروری ہونے کی وجہ سے) گنا نہ تھا۔ بس میں نے بیت المقدس کو دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کرکے انہیں بتادیا۔ (ابن سعد) یہ پوچھنے والے جبیر بن مطعم کے والد مطعم بن عدی تھے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر بیداری کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوا تھا۔ ورنہ یہ اعتراض ہی نہ ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا کہ آپ بیان فرمایئے کیوں کہ میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرماتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! تم صدیق ہو۔

(سیرۃ ابن ہشام)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے میں کوئی حرج نہیں تھا کیوں کہ ان کا پوچھنا شک کی بناء یا امتحان کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے تھا کہ کفار سن لیں (اور انہیں یقین آجائے کہ سرکارِ دوعالم غلط نہیں کہہ رہے) اور کفار کو حضرت ابوبکر پر اعتماد تھا کیوں کہ حضرت ابوبکر نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا۔ اور یہ بھی اطمینان تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غلط بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کفار کے سوالات ہوسکتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں ہوں کہ کفار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہہ رہے ہوں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ رہے ہوں یا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کفار سے کہہ رہے ہوں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ رہے ہوں۔

اور بیت المقدس کا اپنی جگہ پر رہ کر نظر آنا یا دار عقیل کے پاس آکر رکھا جانا یا اس کی تصویر کا سامنے آجانا۔ ان روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی تصویر کو سامنے کردیا اور تصویر دار عقیل کے پاس نظر آئی۔ کیوں کہ بیت المقدس کی تصویر بالکل بیت المقدس ہی جیسی تھی اس لیے بعض روایات میں فرمایا کہ بیت المقدس

کو رکھا۔ اب یہ اشکال بھی ختم ہو گیا کہ اگر بیت المقدس یہاں آتا تو اپنی جگہ سے اتنی دیر غائب ہوتا اور ایسی عجیب بات تاریخ میں ضرور منقول ہوتی (۲۸)۔

واقعہ معراج سے متعلق بعض فوائد

چوں کہ یہ نہایت عظیم الشان واقعہ (۲۹) ہے اس لیے دوسری فصلوں کے برخلاف (کہ ان کے فوائد کو حواشی میں لکھا گیا ہے جیسا کہ رسالہ کے مقدمہ میں مذکور ہے) اس واقعہ کے بعض فوائد کو بھی متن میں مختصر طور پر تحریر کیا جا رہا ہے یہ فوائد دو قسم کے ہیں ایک فوائد حُکمیہ، دوسرے فوائد حِکمیہ۔

قسم اول فوائد حُکمیہ

۱۔ احادیث معراج میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو مرد کے سینہ کی طرف دیکھنا درست ہے۔ گو فرشتے مرد اور عورت ہونے سے پاک ہیں مگر ان کا ذکر شریعت میں مذکر کے صیغہ سے آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استدلال درست ہے۔

۲۔ براق کو وہاں پہنچ کر حلقہ سے باندھ دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امور میں احتیاط کرنا اور اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ جب کہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی ہو، اسباب پر نہ ہو۔

۳۔ جب حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے آسمان کے دروازے پر پوچھا گیا کہ کون ہے؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتایا کہ جبرئیل ہوں۔ یوں نہیں کہا کہ ”میں ہوں“ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح پوچھنے والے کے جواب میں بہتر یہی ہے کہ نام لے۔ کیوں کہ صرف ”میں“ کہنا اکثر اوقات پہچاننے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منع بھی فرمایا ہے۔

۴۔ اور اس بات سے اجازت طلب کرنے کا مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کے گھر میں خواہ وہ مردانہ حصہ ہو بلا اجازت داخل نہ ہونا چاہیے۔

۵۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا

ہے کہ قبلہ سے ٹیک لگانا اور قبلہ کی طرف پشت پھیر کر بیٹھنا جائز ہے۔ اگرچہ ہمارے لیے ادب یہی ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کریں۔

۶۔ حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے تھے۔ اس سے اولاد پر والد کی شفقت ثابت ہوتی ہے کہ والد اولاد کی خوش حالی پر خوش اور بدحالی پر غمگین ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر روئے کہ ان کی امت کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت کے لوگوں سے کم جنت میں جائیں گے۔ چوں کہ یہ رونا اپنی امت پر حسرت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت پر غبطہ (رشک) کے طور پر تھا۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آخرت کے امور میں غبطہ جائز بلکہ قابل تحسین ہے۔ غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کی جائے کہ اے کاش میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی۔ لیکن دوسرے کے پاس سے نعمت چلے جانے کی تمنا نہ کرے ورنہ یہ حسد ہے جو کہ حرام ہے۔

(یہ فوائد امام نووی شارح مسلم نے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور فوائد بھی میرے ذہن میں آئے ہیں وہ بھی لکھے جاتے ہیں۔)

۸۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کی رکاب پکڑی اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ سوار اگر کسی مصلحت کی خاطر اپنے خدام سے ایسا کام لے یا کوئی محبت کرنے والا صرف اکرام و محبت سے یہ کام کرے تو اس کا قبول کرلینا جائز ہے۔ البتہ یہ بات تکبر کے لیے نہ ہو۔

۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعض برکت کی جگہوں پر نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابرکت جگہوں پر نماز پڑھنا موجب برکت ہے، بشرطیکہ اس مقام سے کسی مخلوق کی تعظیم مقصود نہ ہو۔ خوب سمجھ لو! نازک بات ہے۔

۱۰۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، جیساکہ آٹھویں باب میں گزرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سوار گزرتے ہوئے کسی بیٹھنے اور چلنے والے کو نہ دیکھنے کی وجہ سے سلام نہ

کر سکے تو بیٹھے ہوئے اور پیدل چلنے والے کے لیے افضل ہے کہ سوار کو سلام کرے۔

۱۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اعمال پر لوگوں کو ثواب ملتے ہوئے اور بعض کو سزا ملتے ہوئے دیکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اچھے اعمال کو اختیار کرنا چاہیے اور ان برے اعمال سے بچنا چاہیے۔

۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس میں داخل ہو کر نماز پڑھی اس سے تحیۃ المسجد کا مسنون ہونا ثابت ہوا۔

۱۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں امام بنائے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوم میں بہتر آدمی کی امامت افضل ہے۔

۱۴۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس میں اپنے فضائل کا خطبہ پڑھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو شکر ادا کرنے اور نعمت بیان کرنے کے لیے ذکر کرے تو پسندیدہ ہے۔

۱۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیاس لگی تو کئی قسم کے مشروبات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر کیے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مہمان کے لیے کھانے پینے میں وسعت کرنا جائز ہے۔

۱۶۔ اگر ان مشروبات کے پیش کرنے کا مقصد امتحان تھا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں امتحان لینا جائز ہے۔

۱۷۔ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں طرف گھیرے ہوئے تھے جیسا کہ دسویں واقعہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اکرام کے لیے خادم دونوں طرف گھیرے ہوں تو جائز ہے۔

۱۸۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان پر پہنچے تو فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرحبا کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کے آنے پر اس کا اکرام اور خوشی کا اظہار ہونا چاہیے۔

۱۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں میں خود انبیا علیہم السلام کو سلام کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ اگرچہ آنے والا افضل ہو۔

۲۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے فضائل ذکر کر کے اپنے لیے دُعا فرمائی۔

اس سے مقام قرب میں پہنچ کر بھی دُعا کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۲۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ نماز کی تعداد میں کمی کی درخواست کیجیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک مشورہ دینا چاہیے اور خیر خواہی کرنی چاہیے، گو جس کو مشورہ دیا جائے وہ اپنے سے رتبہ میں بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کمی کی درخواست کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفید مشورہ قبول کر لینا اچھی بات ہے۔

۲۳۔ حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس قصہ کو لوگوں سے بیان نہ فرمائیں۔ جیسا کہ واقعہ ۲۳ میں مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے اظہار سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہو، اس کو ظاہر نہ کیا جائے۔

۲۴۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب سے معلوم ہوا کہ جو کام دین میں ضروری نہ ہو اس کو تو ظاہر نہ کیا جائے اور ضروری کام میں فتنہ کی پروا نہ کی جائے۔

۲۵۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس کے حالات پوچھے۔ جس سے غرض یہ تھی کہ میری تصدیق کرنے سے کفار اعتبار کر لیں گے جیسا کہ واقعہ ۲۵ میں مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق و اہل باطل کے درمیان بات چیت کے وقت اس انداز سے حق کی تائید میں گفتگو کرنا، جس سے بہ ظاہر مخالف ہونے کا شبہ ہو، جائز ہے۔ یہ کل پچیس فوائد ہیں۔

قسم ثانی فوائد حِکمیہ

یہ بھی پچیس فوائد ہیں۔ ان فوائد کو ہم نے ”تفسیر سورۃ الاسراء“ کا نام دیا ہے۔ یہ تفسیر ہم بیان القرآن سے نقل کر رہے ہیں۔

تفسیر آیۃ الاسراء

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک (عجیب طرح) لے گئی۔ جس کے آس پاس (ملک شام) کو ہم نے (دینی اور دنیوی لحاظ سے) بابرکت بنایا ہے۔ (دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بہت زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام مدفون ہیں۔ اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہاں درخت، نہریں اور پھل پھول بہت زیادہ ہیں)۔ تاکہ ہم اس بندے کو اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں۔ (جن عجائبات میں سے کچھ تو یہ ہیں کہ اتنی تھوڑی سی دیر میں اتنا لمبا فاصلہ طے کرایا گیا، تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی اور ان سے گفتگو کی۔ اور کچھ عجائبات کا مسجد اقصیٰ کے بعد کے سفر سے تعلق ہے جیسے آسمان پر جانا اور وہاں کے بہت عجیب حالات دیکھنا وغیرہ)۔

بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے اور بڑے دیکھنے والے ہیں۔ (کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو بھی سنتے اور ان کے حالات کو دیکھتے ہیں۔ اس لیے انہیں ایسی عزّت و مرتبہ اور مقام عطا فرمایا۔)

فائدہ: یہاں چند باتیں ذہن نشین کرنی چاہئیں۔

۱۔ سبحان کا لفظ ہر قسم کی برائی اور کمی سے پاک ہونے اور تعجب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح لے جانا بہت

عجیب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار تھا، اس لیے اس بات کو سبحان سے شروع کرنا مناسب ہوا۔ اسی لیے احقر نے ترجمے میں لفظ ''عجیب طور پر'' کا اضافہ کر دیا۔ صحاح میں ہے کہ یہ جانا براق پر ہوا تھا جس کی برق رفتاری بھی عجیب تھی۔

۲۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانے کو اسراء اور آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔ کبھی دونوں لفظ اسراء اور معراج مکمل سفر کے لیے بھی بولے جاتے ہیں۔

۳۔ آیت میں **بعبدہ** (اپنے بندے کو) کہنے کے دو فائدے ہیں (۱) یہ کہ آپ ﷺ کی قربت خداوندی اور عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ (۲) اس عجیب معجزہ کی وجہ سے کوئی آپ کو خدا نہ سمجھ بیٹھے۔

۴۔ اگرچہ اسریٰ کا معنی ہوتا ہے رات کو لے جانا۔ لیکن اس کے بعد لیلًا (رات) کو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رات کے ایک حصہ میں سارا عمل ہوا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور زیادہ اظہار ہو۔ صاحب روح المعانی نے علامہ عبدالقاہر، امام سیبویہ اور امام ابن مالک سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۵۔ مسجد حرام مکہ کو بھی کہتے ہیں اور مسجد حرام کو بھی۔ یہاں دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے۔ (تو اس وقت مراد مسجد حرام ہوئی) اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ حضرت اُمّ ہانی کے گھر میں تھے (تو اس وقت مراد مکہ ہوا۔) دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آں حضرت ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر ہوں۔ وہاں سے پہلے حطیم آئے ہوں اور پھر آگے سفر پر تشریف لے گئے ہوں۔

۶۔ مسجد اقصیٰ کا نام مسجد اقصیٰ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اقصیٰ کے معنی عربی میں ''بہت دور'' ہیں کیوں کہ مسجد اقصیٰ مکہ سے بہت دور ہے۔ اس لیے اس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا۔

۷۔ اگرچہ آپ ﷺ کو لے جائے بغیر یہ تمام عجائبات آپ ﷺ کو دکھائے جا سکتے تھے لیکن آپ ﷺ کو لے جانے اور سفر کرانے میں زیادہ اکرام اور اظہار شان ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کو سفر کرایا گیا۔

۸۔ رات کو لے جانے میں یہ حکمت ہے کہ رات کا وقت خاص تنہائی کا وقت ہے۔ رات کے وقت بلانا زیادہ خصوصیت کی نشانی ہے۔

۹۔ مسجد اقصی سے مراد صرف اقصی کی زمین ہے۔ کیوں کہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے درمیانی زمانہ میں مسجد کی عمارت منہدم کر دی گئی تھی۔ جیسا کہ بعد والی آیات وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ کی تفسیر (بیان القرآن) میں مذکور ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ جب مسجد نہیں تھی تو وہاں لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد تو اصل زمین ہی ہوتی ہے مسجد کی عمارت تو تبعًا مسجد ہوتی ہے۔ اس مسجد سے مسجد کی زمین ہی مراد لی گئی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار نے جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے مسجد کے بارے میں سوالات کیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوابات دیے تو جب مسجد نہیں تھی تو ان سوالات و جوابات کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گری ہوئی عمارت ہی کی ہیئت و صورت کے بارے میں سوال کیا ہوگا۔ یا مسجد اقصی کی زمین کے آس پاس لوگوں نے مسجد اقصیٰ کے نام سے عمارتیں بنالی ہوں۔ ممکن ہے ان عمارتوں کے بارے میں سوال کیا ہو۔

۱۰۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جملہ اَلَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (ہم نے اس کے آس پاس کو بابرکت بنایا ہے) مسجد اقصی کی تعریف میں بڑھایا ہے۔ جب آس پاس کا علاقہ باوجود مسجد نہ ہونے کے بابرکت تھا تو مسجد کتنی زیادہ بابرکت ہوگی۔ مسجد اقصیٰ کے آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں (۱) دینی (۲) دنیوی۔ دینی برکت دنیاوی برکت سے زیادہ ہے۔ اور دینی برکت یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء کرام کی عبادت کا مرکز بیت المقدس رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ مسجد اقصی میں انبیاء کرام نے عبادت کی ہے تو اس سے بھی وہاں دینی برکت خوب ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہاں بہت سے انبیائے کرام مدفون ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جس جگہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کا جسد مبارک زمین سے لگا ہوا ہے زمین کا وہ حصہ عرش سے افضل ہے۔ یہ فضیلت جزوی ہے۔

۱۱۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (تاکہ ہم اس کے بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں) کسی چیز کو نشانی کہنا یہ اس کے بڑے ہونے اور عظیم الشان ہونے کی علامت ہے۔ خاص طور پر آسمان

میں جو نشانیاں دیکھیں اور انبیا کرام علیہم السلام سے جو ملاقات ہوئی، یہ نشانیاں زمین کی نشانیوں سے افضل ہیں۔ اسی لیے صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ **لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا** کا مطلب ہے کہ ہم انہیں آسمانوں پر لے جائیں اور اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد اقصیٰ سے آگے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ آسمان پر لے جانے کو صاف طور پر بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت عجیب بات ہے کہیں کوئی شخص انکار سے کافر نہ ہو جائے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر شفقت کی علامت ہے۔

۱۲۔ **مِنْ اٰيٰتِنَا** یعنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ تمام نشانیاں نہیں دکھائیں۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے قلم چلنے کی آوازیں سنیں۔ یعنی قلم کو دیکھا نہیں۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی** (وہ پاک ذات جو لے گئی)۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں لے گیا۔ تاکہ اور زیادہ عظمت کا اظہار ہو۔

۱۴۔ **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ** اللہ تعالیٰ بہت سننے اور بڑے دیکھنے والے ہیں۔ اس سے معراج کے جھٹلانے والوں کو ڈرانا مقصود ہے۔ اس لیے خیال رکھنا اگر تم جھٹلاؤ گے تو ہم تمھیں خوب سزا دیں گے۔

۱۵۔ **لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا** کے بعد **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ** فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ یہ چیزیں دیکھ لی ہیں لیکن وہ ہم سے علم میں برابر نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ تمام نشانیاں ہم ہی نے انہیں دکھائی ہیں۔ ویسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نشانیاں دیکھیں اور ہم تو ہر چیز کو دیکھنے والے اور سننے والے ہیں۔

۱۶۔ ان آیات میں صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ تک گئے۔ البتہ مسجد اقصیٰ کے اندر جانے کا ذکر احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کے اندر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔

۱۷۔ اس آیت میں مسجد سے آگے آسمانوں پر جانے کا واضح ذکر نہیں ہے اگرچہ اشارہ موجود ہے۔ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ والنجم کی آیت **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی**

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى میں آسمانوں پر جانے کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ والنجم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک گئے تھے۔ اور احادیث مبارکہ میں اتنی واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ انسان اس کا انکار کر ہی نہیں سکتا۔

۱۸۔ جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری کی حالت میں روح و جسم دونوں کے ساتھ معراج کرایا گیا جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جتنے اہتمام سے معراج کا قصہ بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک انتہائی عجیب قسم کا واقعہ ہے۔ اگر یہ واقعہ نیند کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتا تو کوئی عجیب بات نہ تھی (نیند میں تو ایسے واقعات عام انسانوں کے ساتھ بھی پیش آ سکتے ہیں)۔

(۲) آیت میں بِعَبْدِهٖ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بندہ کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو لے گئے۔ اس کے معنی ایسے ہی ہیں جیسے کہا جاتا ہے فلاں کا غلام آیا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ غلام جاگنے کی حالت میں آیا۔ اور روح اور جسم دونوں کے ساتھ آیا۔ ہاں اگر اس کے خلاف تصریح ہو تو دوسرا معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر یہ واقعہ خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتا تو جب کفار نے معراج کو جھٹلایا تھا یا بیت المقدس اور اپنے قافلوں کے حالات پوچھے تھے (جیسا کہ احادیث میں آیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بہت آسانی سے جواب دے دیتے کہ میں کب کہہ رہا ہوں کہ یہ واقعہ بیداری کی حالت میں ہوا ہے۔ جو تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا جواب نہیں دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنے کی فکر میں پڑ گئے تھے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ اور اس فکر پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا۔

(مسلم)

اشکال: بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ قرآن کریم میں ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا یعنی معراج خواب ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ غزوہ بدر یا صلح حدیبیہ کے بارے میں ہے معراج کے بارے میں نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ رؤیا کے معنی جیسے ''خواب'' کے ہیں اسی طرح اس کے معنی بیداری کی حالت رات کو دیکھنے کے بھی ہیں۔ اگر اس آیت کا تعلق معراج کے ساتھ قائم کیا جائے تو یہاں رؤیا رات کو دیکھنے کے معنی میں ہے۔

(روح المعانی)

اشکال: بعض حضرات کو حضرت شریک رضی اللہ عنہ (راوی حدیث) کی حدیث سے شبہ ہو سکتا ہے کہ معراج نیند کی حالت میں ہوا۔ کیوں کہ اس حدیث کے آخر میں ہے **ثم استیقظت** پھر میں بیدار ہو گیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شریک کو کسی بھی محدث نے حافظ حدیث شمار نہیں کیا تو ان کا یہ اضافہ چوں کہ محدثین سے ثابت نہیں لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔

(روح المعانی)

اشکال: بعض حضرات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقوال سے شبہ ہو سکتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک نکاح میں نہیں آئی تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لہٰذا معلوم نہیں کہ ان حضرات نے یہ قول کسی سے سن کر اختیار کیا یا ان کا اجتہاد تھا۔ یا انہوں نے یہ قول کسی اور واقعہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔ جب یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تو ان کے اقوال سے معراج کو نیند کی حالت میں کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ویسے بھی علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کئی مرتبہ ہوا۔ پہلے خواب میں اور پھر بیداری کی حالت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے نیند کی حالت میں معراج کرایا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیداری میں معراج کا باآسانی تحمل کر سکیں۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت المقدس تک جانے کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور

اگر آگے آسمانوں پر جانے کا انکار کرے تو بدعتی ہے۔ اگرچہ سورۃ والنجم میں تقریباً صراحتاً مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے لیکن چوں کہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے لہٰذا اس کا منکر بدعتی ہے، کافر نہیں۔

۲۰۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو شبِ معراج میں دیکھا تھا یا نہیں۔ دیکھنے اور نہ دیکھنے والی دونوں روایتوں میں تاویل ہو سکتی ہے۔ جن روایات میں دیکھنا آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے دل سے دیکھا ہو۔ اور جن روایات میں یہ ہے کہ نہیں دیکھا اس کا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے کہ خاص دیکھنے کی نفی ہو جس طرح قیامت کے دن جنت میں دیکھیں گے اس طرح نہیں دیکھا۔ جس طرح چشمے کے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے لیکن چشمے کے ساتھ زیادہ واضح دیکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں خاموش رہنا چاہیے۔

اشکال: بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انہیں زمین و آسمان کی نشانیاں دکھائیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی جو نشانیاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی گئیں وہ اللہ تعالیٰ کی ساری نشانیاں تو نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان کے علاوہ اور بھی نشانیاں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ نشانیاں دکھائی ہیں عین ممکن ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی جانے والی نشانیوں سے زیادہ ہوں۔

اشکال: بعض حضرات کہہ سکتے ہیں کہ آسمان سے گزرنا ممکن نہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے اس کی کوئی دلیل ہے تو ذکر کریں۔

اشکال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اتنی جلدی اور تیزی کے ساتھ اتنی دور جانا اور آنا کیسے ممکن ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ستارے بہت بڑے ہیں لیکن انتہائی تیز ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت تیز حرکت ممکن ہے۔

اشکال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان کے نیچے ہوا بھی نہیں ہے اور گرمی بھی بہت زیادہ ہے۔ انسانی جسم وہاں سلامت نہیں رہ سکتا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ناممکن نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اور جو چیز ممکن ہو اسے قبول کر لینا چاہیے جیسے آگ میں سے ہاتھ تیزی سے گزر جاتا ہے۔

اشکال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان ہے ہی نہیں۔

جواب: اس بات کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

من القصيدة

اَسَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلاً إِلٰى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِىْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ
وَبِتَّ تَرْقٰى إِلٰى أَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ
وقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ
وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِىْ مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ
حَتَّى إذَا لَمْ تَدَعْ شَأْوًا لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقَاً لِمُسْتَلِمٍ
خَفَضْتَ كلَّ مَقامٍ بِالإضَافَةِ إذْ
نُوْدِيتَ بَالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ
كَيْمَا تَفُوزُ بِوَصْلٍ أىَّ مُسْتَتَرٍ
عَنِ الْعُيُونِ وسِرٍّ أىَّ مُكْتَتَمِ

۱۔ آپ ﷺ ایک ہی رات میں ایک حرم شریف (مکہ) سے دوسرے حرم محترم (مسجد اقصیٰ) تک ایسے تشریف لے گئے جیسے چاند تاریکی کے پردہ میں چلتا ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربِ خداوندی میں ترقی کرتے ہوئے قاب قوسین تک جا پہنچے جہاں تک نہ کوئی پہنچا اور نہ ہی کسی نے بھی اس تک پہنچنے کا ارادہ کیا۔

۳۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں تمام انبیاء اور رسولوں کے امام و پیشوا بنے جس طرح مخدوم خادموں کا امام و پیشوا ہوتا ہے۔

۴۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پرواز کرتے ہوئے) یکے بعد دیگرے سات آسمانوں کو فرشتوں کے ایسے لشکر کے ساتھ طے کرتے جاتے تھے جس سے سردار اور جھنڈا اٹھانے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے۔

۵۔ یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام تک پہنچے تو اوروں کے لیے وہاں تک پہنچنے کی صورت اور اتنے بلند مرتبے کے حصول کا موقع نہیں رہا۔

۶۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مقام والے کے مقام سے آگے بڑھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یکتا اور نامور شخص کی طرح ندا دی گئی۔

۷۔ (اور یہ ندا اس لیے) تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ درجہ حاصل ہو جائے جو ابھی تک آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی تھی) اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ راز معلوم ہو سکے جو ابھی تک پوشیدہ تھا۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
وَلَنَخْتِمِ الْكَلَامِ عَلٰى وَقْعَةِ الْاَسْرَاءِ
بِالصَّلٰوةِ عَلٰى سَيِّدِ اَهْلِ الْاِصْطِفَاءِ
وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَهْلِ الْاِجْتِبَاءِ
وَمَا دَامَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ

* * *

تیرہویں فصل

ہجرتِ حبشہ

حبشہ کی ہجرت نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ کفار مسلمانوں کو مکہ میں بہت زیادہ تکلیف دیتے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے کچھ مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی۔ جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جس پر قریش کے کافروں کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو تحفے اور ہدایا دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے پاس نہ رکھے اور انہیں حبشہ سے نکال دے۔ ان لوگوں نے آکر جب اپنی غرض بیان کی تو نجاشی نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے سامنے دربار میں بلا کر ان سے گفتگو کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم لوگ گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا اور اپنا کلام نازل فرمایا تو ہم راہ راست پر آئے۔ وہ ہمیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ نجاشی نے کہا: جو کلام ان پر نازل ہوا ہے کچھ پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی تلاوت شروع کی تو نجاشی بہت متاثر ہوا۔ اس نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ تمہیں حبشہ سے نہیں نکالا جائے گا اور قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں کو واپس کر دیا۔ (تواریخ حبیب الہ)

احادیث میں ہے کہ یہ بادشاہ مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ان لوگوں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہجرت فرمانے کی خبر پہنچی تو ۳۳ آدمی حبشہ سے لوٹ آئے۔ جن میں سے سات کو تو مکہ میں روک لیا گیا اور باقی حضرات مدینہ پہنچ گئے اور جو حضرات حبشہ رہ گئے تھے انہوں نے غزوہ خیبر کے سال کشتی کے ذریعے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان لوگوں کو دو ہجرتوں کی وجہ سے اصحاب الہجرتین کہتے ہیں۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

وَلَن تَرىٰ مِنْ وَلِیٍّ غَيْرَ مُنْتَصِرٍ
بِہٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرَ مُنْعَجِمِ
أَحَلَّ أُمَّتَہٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِہٖ
كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْأَشْبَالِ فِی أَجَمِ
كَمْ جَدَّلَتْ كَلِمَاتُ اللّٰہِ مِن جَدَلٍ
فِيْہِ وَكَمْ خَصَمَ الْبُرْہَانُ مِن خَصِمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱) اے مخاطب تو ہر گز نہ دیکھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے مدد نہ پہنچی ہو۔ اور نہ تو دیکھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی دشمن کو شکست فاش نہ ہوئی ہو۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے دین کے مضبوط و مستحکم قلعے میں اتارا کہ ان پر کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ شیر اپنے بچوں کو لے کر کچھار میں رہتا ہے (کہ کوئی اس کے بچوں کو وہاں تکلیف نہیں پہنچا سکتا)۔

(۳) جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ تو قرآن نے کئی مرتبہ اسے ذلیل کیا۔ اور جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تو کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیلیں اس پر غالب آئیں (اور وہ مغلوب ہو کر رسوا ہوا۔ جیسے اس موقع پر صحابہ کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور قرآن پاک نے نجاشی پر اثر کیا)۔

چودھویں فصل

نبوت کے بعد مکہ کے اہم واقعات (۳۰)

پہلا واقعہ

جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے بارے میں بتایا۔ وہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو ورقہ (راہب) کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ پر وحی نازل ہونے کی تصدیق کی۔ یوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دولت ایمان سے مشرف ہوئیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آزاد جوانوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آزاد شدہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ ان کے بعد حضرت عثمان، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ایمان لائے اور لوگ روز بروز اسلام میں داخل ہونے لگے۔

دوسرا واقعہ

جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں) تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر سب لوگوں کو جمع کیا اور شرک کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ اس وقت ابولہب نے آپ کی شان میں سخت الفاظ کہے۔ سورۃ تبت اسی واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی، جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اس کی بیوی بھی آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے بہت دشمنی رکھتی تھی۔

عتبہ اور عتیبہ ابولہب کے دو بیٹے تھے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما ان دونوں کے نکاح میں تھیں۔ (اس وقت مذہب جدا ہونے کے

باوجود نکاح جائز تھا)۔ ابولہب نے بیٹوں سے کہا: اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دوگے تو میں تم سے قطع تعلق کرلوں گا۔ بیٹوں نے باپ کے کہنے پر عمل کیا۔ عتبہ نے تو ایسی گستاخی کی کہ آپ ﷺ کے سامنے جا کر طلاق دی۔ اس گستاخی پر آپ ﷺ نے بددعا فرمائی: **اللّٰهم سلط عليه كلبا من كلابك** (یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کردیجیے) چناں چہ عتبہ ایک مرتبہ تجارت کے لیے شام جارہا تھا۔ اس کا راستے میں ایک جگہ ٹھہرنا ہوا۔ وہاں شیر کے حملے کا خطرہ تھا۔ ابولہب نے بیٹے کی حفاظت کے لیے سامان کا ایک ٹیلہ بنا کر عتبہ کو اس پر سلایا، اور سب کو اس کے آس پاس سلایا۔ رات کو شیر آیا اور عتبہ کو مار کر چلا گیا۔ کافر اس طرح کے واقعات دیکھتے رہے، مگر ان کے دلوں میں ایسی سختی تھی کہ پھر بھی ایمان نہ لاتے تھے۔ یہ سب ابتدائے نبوت کے واقعات ہیں۔

تیسرا واقعہ

جب ہجرت حبشہ ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل کر ”برک الغماد“ تک پہنچے کہ ”قارہ“ قوم کا سردار مالک بن دغنہ ملا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں مکہ واپس لے آیا۔ اور کفار قریش سے کہا کہ یہ میری امان میں ہیں۔ کفار نے کہا: ہمیں اس شرط پر منظور ہے کہ یہ گھر میں اور گھر سے باہر اونچی آواز میں قرآن نہیں پڑھیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کچھ دن ایسا ہی کیا، پھر برداشت نہ ہوسکا اور اونچی آواز سے قرآن پاک پڑھنا شروع کردیا جسے محلّہ کی عورتیں جمع ہوکر سننے لگیں۔ کفار نے مالک بن دغنہ سے اس بات کا ذکر کیا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ وعدہ خلافی کریں گے تو میری پناہ نہ رہے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے خدا کے سوا کسی کی امان اور پناہ نہیں چاہیے۔ یہ سن کر ابن دغنہ اپنی پناہ توڑ کر چلا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ رہے۔

چوتھا واقعہ

جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان اکثر چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ اس وقت تک اہل اسلام کی تعداد انتالیس تک پہنچ چکی تھی۔ (ایک روز) آپ ﷺ

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل بن ہشام قریش کے دو بڑے سردار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: یا اللہ! دین اسلام کو عمر بن الخطاب یا ابو جہل بن ہشام کے اسلام کے ذریعے عزت عطا فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ یہ سن ۶ نبوی میں ہوا۔

(تواریخ حبیب الہ)

پانچواں واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے تو کسی کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور امان طلب کی۔ مطعم نے امان دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر مطعم کا شکریہ ادا کیا کرتے تھے (۳۱)۔

(الشمامۃ عن اسد الغابۃ)

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

لا تَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَاحَ يُنكِرُہَا
تَجَاہُلاً وَہُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَہِمِ
قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ
وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِن سَقَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱) اگر کوئی عقل منداور سمجھدار حاسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (نبوت) کی نشانیوں کا جان بوجھ کر انکار کرے تو ہرگز تعجب نہ کرو۔

(۲) کیوں کہ کبھی آنکھ کو درد کی وجہ سے روشنی اچھی نہیں لگتی اور کبھی منہ کو بیماری کی وجہ سے میٹھا پانی بھی کڑوا لگتا ہے۔

پندرہویں فصل

ہجرت مدینہ

جب نبوت کے تیرھویں سال دوسری بیعت عقبہ ہوئی تو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔ چناں چہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے چھپ کر مدینہ روانہ ہونا شروع کر دیا۔ ایک دن کفار قریش کے سردار ابو جہل وغیرہ خانہ کعبہ کے قریب ایک مکان دار الندوۃ (جس میں کفار جمع ہو کر مشورہ کیا کرتے تھے) میں جمع ہوئے۔ بہت دیر گفتگو کے بعد سب نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اور اس کی ترکیب یہ سوچی کہ قریش کے ہر قبیلہ سے ایک آدمی لیا جائے اور سب جمع ہو کر رات کو معاذ اللہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو قتل کر دیں۔ چوں کہ بنی ہاشم (آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے قبیلہ کے لوگ جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے حامی تھے) قریش کے سارے قبائل سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے وہ خون بہا (دیت) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم آسانی سے خون بہا دے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو اس بات کی خبر دے دی اور حکم ہوا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مدینہ ہجرت کر جائیں۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رات کو اپنے گھر میں تھے، کفار دروازہ مبارک پر آکھڑے ہوئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمائیں اور گھر سے باہر نکل آئے۔ اور (اگرچہ کفار دروازے پر موجود تھے۔ لیکن آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) اللہ تعالیٰ کی شان قدرت سے کسی کو نظر نہ آئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ گھر سے نکلے اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حضرت ابو بکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں اپنے ساتھ لے کر نہایت احتیاط کے ساتھ غار ثور جا چھپے۔ ادھر جب کفار نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے گھر میں داخل ہو کر دیکھا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نہیں ہیں تو انہوں نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی تلاش شروع کر دی اور تلاش کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچ گئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے غار میں داخل ہونے کے بعد مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بن دیا تھا اور کبوتر کے جوڑے نے غار میں انڈے دے کر سینے شروع کر دیے تھے۔ کفار نے جب یہ دیکھا تو کہنے

لگے اگر اس میں کوئی آدمی جاتا تو یہ مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا اور کبوتر جو جنگلی اور وحشی پرندہ ہے وہ اس غار میں نہ ٹھہرتا۔ یہ کہہ کر کفار واپس چلے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے مکڑی کے جالے اور کبوتر کے انڈے سے وہ کام لے لیا جو ایک لاکھ زرہ پوش جنگجو جوانوں اور مضبوط قلعوں سے بھی نہ ہو سکتا تھا۔ قصیدہ بردہ کے اشعار میں اس طرف اشارہ ہے۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّمِنْ كَرَمِ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِىْ
فَالصِّدْقُ فِى الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِمَا
وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا بِالْغَارِ مِن أَرِمِ
ظَنُّوْا الْحَمَامَةَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰى
خَيْرِ الْبَرِّيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمِ
وِقَايَةُ اللّٰهِ أَغْنَتْ عَنْ مُّضَاعَفَةٍ
مِنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِنَ الأُطَمِ

(۱) میں اس خیر و کرم کی قسم کھاتا ہوں جو غار ثور میں جمع تھی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کی آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو دیکھنے سے اندھی تھیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سراپا صدق ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ غار ہی میں تھے اور کفار کہتے تھے کہ غار میں کوئی بھی نہیں۔

(۳) انہوں نے سمجھا کہ کبوتر انسان کے پاس انڈے نہیں دے سکتا، اور مکڑی انسان پر جالا نہیں بنا سکتی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حمایت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دہری زرہ پہننے اور بلند قلعوں میں پناہ لینے سے بے پرواہ کر دیا۔

مدینہ منورہ کی طرف روانگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک غار ثور میں رہے۔ حضرت عامر بن فہیرہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، غار کے قریب ہی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بکریوں کا دودھ پلاجاتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے بیٹے حضرت عبداللہ مکہ میں قریش کے پاس جا کران کی باتیں سنتے اور رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر بیان کردیتے تھے۔ ایک مشرک عبداللہ بن اریقط کو پہلے ہی رہبری کے لیے نوکر رکھا جا چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اونٹنیاں بھی اسی کے حوالہ تھیں۔ تین دن بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے آنے کو کہا تو وہ اونٹنیاں لے کر غار کے پاس آگیا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر ساحل کے راستہ سے مدینہ روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے عجیب وغریب واقعات پیش آئے جنہیں سیرت کی کتابوں (تواریخ حبیب الہ وغیرہ) میں دیکھ لیا جائے۔

ادھر مدینہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے خیال سے ہر روز استقبال کے لیے مکہ کے راستے پر آتے اور دوپہر کے قریب واپس لوٹ جاتے جس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے اس روز بھی مدینہ کے لوگ (دوپہر تک) انتظار کرکے لوٹ چکے تھے کہ اچانک ایک ٹیلے کے اوپر سے ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری دیکھی اور چلا کر کہا **یا معاشر العرب هذا جدكم** اے عرب! تمہاری خوش نصیبی کا سامان آگیا۔ یہ سنتے ہی مدینہ منورہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے واپس لوٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ اس دن اہل مدینہ کی خوشی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں شوق میں یہ نظم پڑھتی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٖ

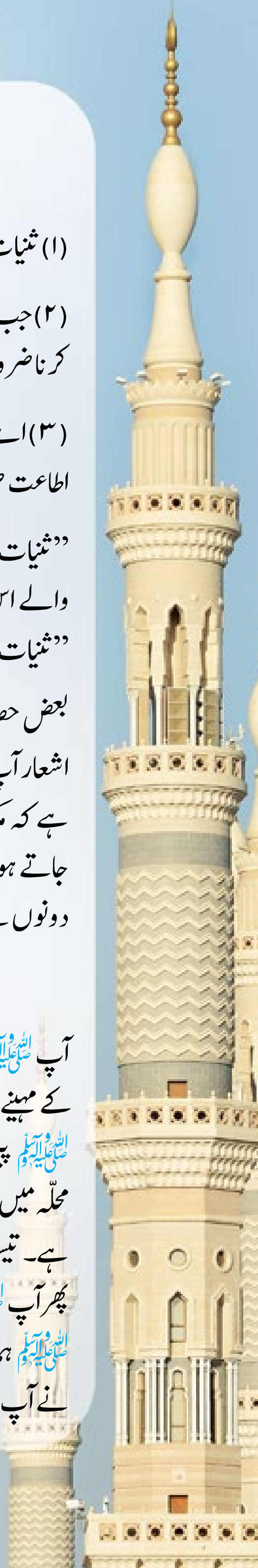

اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

(۱) ثنیات وداع کی گھاٹی سے چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔

(۲) جب تک اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرنے والا باقی رہے گا، ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا ضروری ہے۔

(۳) اے ہماری طرف بھیجے گئے نبی ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے۔

’’ثنیات الوداع‘‘ کے معنی ہیں ’’رخصت کی گھاٹی‘‘ جو مسافر مکہ کی طرف جاتا تھا تو مدینہ والے اس کو رخصت کرنے کے لیے ان گھاٹیوں تک جایا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں ’’ثنیات الوداع‘‘ کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ ثنیات الوداع مکہ کی طرف نہیں بلکہ شام کی طرف ہے اور یہ اشعار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے وقت پڑھے گئے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ مکہ اور شام دونوں طرف ایسی گھاٹیاں ہوں اور دونوں پر لوگ رخصت کرنے جاتے ہوں۔ جس کی وجہ سے دونوں کا نام ’’ثنیات الوداع‘‘ پڑ گیا ہو۔ اور مکہ اور تبوک دونوں سے آتے وقت یہ اشعار پڑھے گئے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے میں اور بعض حضرات کے بقول صفر کے مہینے میں روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ترپن سال تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر ہی کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ’’قبا‘‘ محلّہ میں چودہ دن قیام فرمایا۔ یہ محلّہ شہر کے کنارہ سے کچھ دور بنو عمرو بن عوف کی جگہ پر ہے۔ تیسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امانتیں ادا کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شہر میں قیام فرمانے کا ارادہ فرمایا تو ہر ایک کی آرزو تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے محلّہ میں قیام فرمائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے تو ہر قبیلہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ہاں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری

اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کی پابند ہے، یہ جہاں بیٹھ جائے گی وہاں قیام کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے اور اونٹنی چلتے چلتے اس جگہ بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی کا منبر ہے۔ اس جگہ کے قریب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اتارا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر قیام فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زمین جہاں اونٹنی بیٹھی تھی خریدی اور وہاں مسجد نبوی کی تعمیر شروع فرمادی۔

(تواریخ حبیب الہ وزادالمعاد وغیرہما)

مِنَ الْرَوْضِ

وَلْیَهْنِہٖ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ مَنْقَبَۃٌ
شَرِیْفَۃٌمَاحَوَاهَاقَبْلَہٗ بَشَرُ
وَهَاجَرَا مِنْہُ لَمَّاحَاوَلَاسَفْراً
لطَیْبَۃٍ وَتَنَاهیٰ عِنْدَهَاالسَّفَرُ
فِسَلْ سُرَاقَۃَمِنْہُ اِنْ تُرِدْخَبْراً
وَاُمُّ مَعْبَدَ یَجْلُوْا مِنْهُمَا الْخَبَرُ
طَابَتْ بِہٖ طَیْبَۃٌ لَمَّااَقَامَ بِهَا
وَفَاحَ حِیْنَ اَتَاهَا نَشْرُهَا الْعِطرُ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمْ

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کو ایسی عظیم فضیلت مبارک ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی بشر کو حاصل نہیں ہوئی۔

(۲) دونوں نے اس غار سے نکل کر مدینہ کے سفر کے ارادے سے ہجرت کی۔ اور یہ سفر مدینہ منورہ پہنچ کر ختم ہوا۔

(۳) اگر کچھ معلوم کرنا ہو تو سراقہ اور ام معبد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھو۔ انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پتہ چلے گا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے مدینہ پاکیزگی کا شہر بن گیا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو پورے مدینے میں پھیل گئی۔

سولہویں فصل

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کے واقعات

پہلا واقعہ

مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہود کے ایک بڑے عالم تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سوالات کے جوابات پوچھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صحیح جوابات عطا فرمائے تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (تواریخ حبیب الہ)

دوسرا واقعہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو پہلے ایران کے مجوسی تھے۔ بعد میں انہوں نے مجوسی مذہب چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ان کی عمر بہت زیادہ تھی۔ وہ یہودی اور عیسائی علماء سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کی بشارت سن چکے تھے۔ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائیں گے تو حضرت سلمان فارسی نے مدینہ منورہ آنے کا ارادہ کیا اور اس نیت سے مدینہ کی طرف چل نکلے۔

راستے میں انہیں قید کرلیا گیا اور کئی جگہ بکتے بکاتے بالآخر یہ مدینہ منورہ کے ایک یہودی کے غلام بنے اور مدینہ میں رہنے لگے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علامات نبوت دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی آزادی کی تدبیر کرو۔ چناں چہ انہوں نے اپنے آقا سے ذکر کیا تو اس نے آزادی کے عوض چالیس اوقیہ سونا طلب کیا اور کہا کہ کھجور کے تین سو درخت لگاؤ، جب وہ پھل دینے لگیں گے تو تم آزاد ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی آزادی کے لیے اپنے دست مبارک سے

کھجور کے درخت لگائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ درخت اسی سال پھل بھی دینے لگے۔ ادھر مال غنیمت میں مرغی کے انڈے کے برابر کچھ سونا آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بھی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ یہ اپنے مالک کو دے کر آزاد ہو جائیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری آزادی کے لیے تو چالیس اوقیہ سونا چاہیے، یہ تو کم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اس میں برکت کی دعا کی۔

حضرت سلمان فرماتے ہیں: جب میں نے وہ سونا تولا تو پورے چالیس اوقیہ تھا ذرا برابر بھی کم زیادہ نہ تھا۔ چناں چہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ وہ سونا اپنے مالک کو دے کر آزاد ہو گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ (توریخ حبیب الہ)

تیسرا واقعہ

مدینہ طیبہ میں ایک کنواں تھا جس کا نام تھا ”بیر روما“، اس کا پانی میٹھا تھا، جبکہ باقی کنوؤں کا پانی کھارا تھا۔ بیر روما کا مالک ایک یہودی تھا جو پانی بیچا کرتا تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت تھی۔ یہ دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بیر روما خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا، اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو اپنے مال سے خریدا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (تواریخ حبیب الہ)

مِنَ الْقَصِيْدَة

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِى الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً
فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِى الْيُتُمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱) اے مخاطب تیرے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معجزہ کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہالت کے زمانے میں امی ہونے کے باوجود بڑے علم والے تھے اور یتیم ہونے کے باوجود باادب تھے۔

سترھویں فصل

غزوات اور مشہور واقعات کی سالانہ ترتیب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات تک مدینہ منورہ میں دس سال اور دو مہینے موجود رہے۔ جب جہاد فرض ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے ساتھ جہاد شروع کیا اور سپاہ بھیجیں۔

جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لے گئے اس کو ''غزوہ'' کہتے ہیں اور جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر بھیجا ہو اور خود تشریف نہ لے گئے ہوں اس کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔ تمام غزوات اور سریوں کی تفصیل لکھنا مشکل ہے اس لیے مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے۔ اور بعض وہ واقعات بھی لکھے جا رہے ہیں جو ان غزوات کے ضمن میں پیش آئے۔

ہجرت کا پہلا سال

اس سال آٹھ اہم واقعات پیش آئے

(۱) فرضیت جہاد۔

(۲) لشکر حمزہ رضی اللہ عنہ کی روانگی۔ رمضان کے مہینے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کے ساتھ قریش کا قافلہ روکنے کے لیے بھیجا۔

(۳) لشکر عبیدہ کی روانگی۔ شوال کے مہینے میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ ''بطن رابغ'' کی طرف بھیجا۔

(۴) لشکر سعد رضی اللہ عنہ کی روانگی۔ ذیقعدہ کے مہینے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو قریش کا قافلہ روکنے کے لیے بیس مہاجرین کے ساتھ ''خرار'' کی طرف بھیجا جو ''جحفہ'' کے قریب ایک جگہ ہے۔ یہ سب سرایا تھے۔

(۵) غزوہ ابواء۔ اس سال صفر کے مہینہ میں ''غزوہ ابواء'' ہوا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لے گئے۔ ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں ہے اس کو ''غزوہ دوان''

بھی کہتے ہیں۔

(۶) ابتداء اذان۔

(۷) حضرت عائشہ کی رخصتی۔

(۸) اخوت مدینہ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سال مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا۔

ہجرت کا دوسرا سال

اس سال سولہ اہم واقعات ہوئے

(۱) غزوہ بواط: ربیع الاول کے مہینہ میں قریش کا قافلہ روکنے کے لیے ”رضوی“ کے اطراف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے لیکن وہ قافلہ نہیں ملا۔

(۲) غزوہ عشیرہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا قافلہ مکہ سے شام جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے روکنے کے لیے جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ میں ”ینبع“ کے قریب قبیلہ ”مدلج“ کی زمین میں پہنچے لیکن وہ قافلہ نہیں ملا۔ اس قافلہ کی واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ تشریف لے گئے لیکن وہ قافلہ پھر نہیں ملا، اور غزوہ بدر کا سبب بن گیا۔ اسی لیے اس کو غزوہ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

(۳) لشکر عبداللہ بن جحش کی روانگی: اسی سال رجب کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو ”بطن نخلہ“ کی طرف بھیجا۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ۔

(۴) غزوہ بدر: اسی سال غزوہ بدر کا عظیم الشان معرکہ ہوا جس کو غزوہ بدر کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر سنی کہ قریش کا قافلہ شام سے مکہ واپس آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کو لے کر اسے روکنے کے لیے نکلے۔ یہ خبر مکہ پہنچی تو کفار قریش ایک ہزار مسلح آدمی لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی نیت سے مکہ سے نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم بدر میں جا کر پڑاؤ کریں گے اور جشن منائیں گے

تاکہ تمام عرب پر ہماری ہیبت طاری ہو جائے۔ انہیں یہ وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ تین سو تیرہ آدمی اور وہ بھی بے سروسامان ان کے مقابلے پر آجائیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی منشاء تھی کہ اسلام کو عزت ملے اور کفار کے مقدر میں ذلت رکھ دی جائے۔ چناں چہ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اور کچھ کفار قتل ہوئے، اور کچھ قید ہوئے یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار کو ذلیل ورسوا کیا۔ سورہ انفال میں یہ قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تمام قصہ سے شوال میں فارغ ہوئے۔

(۵) غزوہ بنو سلیم: غزوہ بدر کے سات دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ بنو سلیم کے لیے تشریف لے گئے، مگر لڑائی نہیں ہوئی۔

(۶) غزوہ سویق: ذوالحجہ کے مہینے میں غزوہ بدر کے دو مہینے بعد ”غزوہ سویق“ ہوا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ جب کفار بدر میں شکست کھا کر مکہ پہنچے تو ابو سفیان اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے دو سو سوار لے کر مدینہ کو نکلے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو مسلمانوں کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود مسلمانوں کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلے اور کفار ڈر کر بھاگ گئے اور بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنے پاس موجود ستو پھینک کر فرار ہو گئے۔ اس لیے اس غزوہ کو غزوہ سویق (بمعنی ستو) کہتے ہیں۔

(۷) غزوہ غطفان: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحجہ کے باقی مہینے میں مدینہ میں قیام کیا، اور اس کے بعد نجد کی طرف ”قبیلہ غطفان“ کے ساتھ جنگ کی نیت سے نکلے۔ اور ماہ صفر کے ختم تک وہاں قیام کیا۔ مگر لڑائی نہیں ہوئی۔

(۸) تبدیلی قبلہ: اسی سال شعبان کے درمیان میں قبلہ کی تبدیلی ہوئی۔

(۹) فرضیت زکوۃ: روزہ فرض ہونے سے پہلے زکوۃ فرض ہوئی۔

(۱۰) فرضیت روزہ: شعبان کے آخر میں روزہ فرض ہوا۔

(۱۱) وجوب صدقہ فطر: رمضان کے آخر میں صدقہ فطر واجب ہوا۔

(۱۲) ابتداء عیدین۔

(۱۳) ابتداء جمعہ۔

(۱۴) وجوب قربانی۔

(۱۵) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات: اسی سال بدر واپسی سے ایک دن پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

(۱۶) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح: حضرت بی بی رقیہ کی وفات کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے ذوالنورین کا لقب ملا۔

(۱۷) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح۔ اسی سال غزوہ بدر کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

ہجرت کا تیسرا سال

اس سال بارہ اہم واقعات ہوئے۔

(۱) قریش کا تعاقب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کے بعد قریش کے تعاقب میں نجران تشریف لے گئے، ربیع الثانی اور جمادی الاولی میں وہاں رہے مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

(۲) غزوہ بنو قینقاع: بنو قینقاع مدینہ کے یہودی تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑا، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ دن ان کا محاصرہ فرمایا۔ پھر عبداللہ بن ابی کی سفارش پر انہیں چھوڑ دیا۔ بنو قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کا قبیلہ ہے۔

(۳) کعب بن اشرف یہودی کا قتل۔ یہی معاہدہ توڑنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا حکم دیا چنانچہ اسے قتل کیا گیا۔

(۴) غزوہ احد: اسی سال شوال کی ابتداء میں غزوہ احد ہوا۔ جس کا ذکر چوتھے پارہ کے

دوسرے پاؤ سے شروع ہو کر نصف کے بعد تک تفصیل سے مذکور ہے۔

(۵) غزوہ حمراء الاسد: حمراء الاسد مکہ سے تیس میل دور ہے، جب کفار احد سے واپس مکہ کو چلے تو راستے ہی میں ان کا ارادہ مدینہ لوٹنے کا بنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر سن کر بذات خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب کفار نے یہ سنا تو ڈر کر واپس مکہ چلے گئے۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمراء الاسد تک پہنچ چکے تھے، اس لیے اس غزوہ کا نام حمراء الاسد پڑ گیا۔

اس سال شوال وذیقعدہ وذی الحجہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

(۶) لشکر ابو سلمی رضی اللہ عنہ کی روانگی: جب محرم کا چاند نظر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ طلحہ بن خویلد اور سلمی بن خویلد لڑائی کے لیے مدینہ آرہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو سلمی کو ڈیڑھ سو مہاجرین وانصار کے ساتھ مقابلے کے لیے بھیجا، لیکن لڑائی نہیں ہوئی۔ اور مال غنیمت میں مویشی ہاتھ آئے۔

(۷) لشکر عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روانگی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچ محرم کو اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان لڑائی کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا، انہوں نے خالد بن سفیان کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لے آئے۔ ان کی واپسی اٹھارہ دن بعد تیئیس محرم کو ہوئی۔

(۸) سریہ رجیع: صفر کے مہینے میں سریہ رجیع ہوا، قبیلہ عضل و قارہ کے کچھ لوگ کفار کے کہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینے کے لیے بظاہر مسلمان بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ کچھ لوگ ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمیں دین کے احکام سکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس آدمی ساتھ بھیجے۔ جب یہ لوگ قبیلہ ”ھذیل“ کے ”رجیع“ نامی تالاب پر پہنچے تو انہوں نے پورے قبیلے کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا اور ان دس صحابہ کے ساتھ لڑائی کی۔ بعض صحابہ حضرات حضرت عاصم رضی اللہ عنہم وغیرہ اسی وقت شہید ہو گئے اور بعض حضرات صحابہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس وقت پکڑے گئے اور بعد میں انہیں شہید کر دیا گیا۔

(۹) سریہ بئر معونہ: اسی سال صفر کے مہینے میں بئر معونہ کا واقعہ ہوا۔ یہ مکہ اور عسفان کے

درمیان قبیلہ ہذیل کی سرزمین کا نام ہے۔ بنی عامر کا ایک شخص عامر بن مالک جو نجد کا رہنے والا تھا آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں مسلمان ہو جاتا لیکن مجھے اپنی قوم سے ڈر لگتا ہے۔ آپ میری قوم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کچھ لوگ میرے ساتھ بھیج دیں تاکہ میں بھی اسلام قبول کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے نجد والوں کا ڈر ہے۔ وہ کہنے لگا: ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کے ساتھیوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا۔

آپ ﷺ نے ستر قراء صحابہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جب یہ حضرات بئرِ معونہ پہنچے تو بخاری کی روایت کے مطابق رعل، ذکوان اور عصبہ کے کفار نے تقریباً سب کو شہید کر ڈالا۔ ان شہید ہونے والوں میں بخاری کی روایت کے مطابق حضرت حرام بن ملحان بھی شامل تھے۔ اس سازش کا بانی عامر بن طفیل تھا جو عامر بن مالک کا بھتیجا تھا۔ عامر بن مالک کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ اس کے بھتیجے نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی پناہ میں لے کر شہید کرایا ہے تو اسے بہت دکھ ہوا اور وہ انہی دنوں وفات پا گیا۔

اسی عامر بن طفیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا تھا کہ یا تو ہم آپس میں ملک تقسیم کر لیں یا آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ بنا دیں ورنہ میں بڑا لشکر لے کر آپ کے ساتھ جنگ کے لیے آرہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے بددعا کی **اللّٰھم اکفنی عامرا** (اے اللہ تو میری طرف سے عامر کو کافی ہو جا) چناں چہ عامر طاعون سے مر گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینے تک ان قراء کے قاتلوں کے لیے قنوت نازلہ میں بددعا فرمائی۔ پھر جب وہ مسلمان ہو گئے تو بددعا ترک فرمادی۔

(۱۰) غزوہ بنو نضیر: بئر معونہ کے واقعہ کے ضمن میں غزوہ بنو نضیر ہوا، بنو نضیر مدینہ کے یہودی تھے، بئر معونہ کے واقعہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری بھی قید ہوئے تھے۔ عامر بن مالک کی والدہ نے ایک غلام آزاد کرنا تھا اس لیے عامر بن طفیل نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ کو ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹے تو راستے میں بنی عامر کے دو مشرک ملے۔ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور سوچا کہ یہ عامر بن طفیل سے ایک طرح کا انتقام ہے۔ وہ دونوں مشرک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امان میں تھے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ کو اس بات کا علم نہ تھا۔ کیوں کہ یہ قتل غلطی سے ہوا تھا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دیت مقرر فرمائی۔ لیکن چوں کہ بنو عامر اور بنو نضیر کا آپس میں معاہدہ تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ ان کے مشورے سے دیت مقرر کی جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے تو مدینہ منورہ کے یہودیوں بنو قریظہ اور بنو نضیر سے جو مدینہ کے باہر الگ الگ محلے میں رہتے تھے معاہدہ کیا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کام نہ کریں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن کی مدد نہ کریں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دیت کے معاملہ میں بنو نضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا اور آپس میں مشورہ کیا کہ دیوار سے ایک پتھر گرا کر معاذاللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مطلع فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے گئے اور کہلا بھیجا کہ تم نے معاہدہ توڑ دیا، یا تو دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ ورنہ لڑائی

کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف لشکر کشی کی اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ آخر وہ تنگ آ کر مدینہ چھوڑنے پر راضی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام ہتھیار چھوڑ جاؤ! اور جتنا مال و اسباب لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ چناں چہ مدینہ سے نکل کر ان میں سے بعض لوگ خیبر میں جا بسے بعض شام میں اور بعض دوسری جگہوں پر۔ سورہ حشر میں یہ قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔

(۱۱) حرمت شراب: اس سال یا اس سے اگلے سال شراب حرام ہوئی۔

(۱۲) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش۔

ہجرت کا چوتھا سال

اس سال دو اہم واقعے ہوئے

(۱) غزوہ بدر صغریٰ: ابو سفیان احد سے واپس جاتے ہوئے یہ کہہ کر گئے تھے کہ آئندہ سال پھر بدر میں لڑائی ہو گی۔ جب وہ وقت قریب آیا تو ابو سفیان کو بدر جانے کی ہمت نہ ہوئی، اس نے سوچا کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بدر نہ جائیں تاکہ ہمیں شرمندگی نہ ہو۔

اس نے نعیم بن مسعود کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو ڈرائے کہ ابو سفیان نے ایک بڑا لشکر جمع کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں نے یہ سن کر کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اللہ تعالیٰ ہی ہمارے لیے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو لے کر بدر تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرمایا مگر مقابلے کے لیے کوئی نہ آیا۔ صحابہ نے وہاں تجارت کی اور خوب نفع حاصل کیا۔ اس غزوہ کو "بدر ثانی"، "بدر صغریٰ" اور "بدر موعد" بھی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ شعبان میں اور بعض حضرات کے بقول ذیقعدہ میں ہوا۔

(۲) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش

ہجرت کا پانچواں سال

اس سال گیارہ اہم واقعات ہوئے

(۱) غزوہ دومۃ الجندل: اس سال ربیع الاول میں غزوہ دومۃ الجندل ہوا۔ یہ جگہ دمشق سے پانچ منزل کے فاصلے پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تھی کہ کفار کا لشکر مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے وہاں جمع ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر سن کر تتر بتر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند روز وہاں قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

(۲) غزوہ مریسیع: اسی سال شعبان میں ”غزوہ مریسیع“ ہوا۔ اس کو ”غزوہ بنی مصطلق“ بھی کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ مسلمانوں سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے لیکن وہ لوگ مقابلے کے لیے سامنے نہ آئے۔ تاہم مال غنیمت میں ان کے مال اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

(۳) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اسی غزوہ میں قید ہو کر آئیں اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو ملیں، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس نے ان سے کہا کہ آپ اتنی قیمت ادا کر دیں تو آپ آزاد ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ قیمت ادا کر کے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔

(۴) حضرت عائشہ پر تہمت: اسی غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا دردناک واقعہ پیش آیا۔

(۵) غزوہ خندق: اسی سال شوال میں غزوہ خندق پیش آیا جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔

غزوہ خندق کا سبب یہ ہوا کہ جب بنو نضیر جلاوطن کیے گئے تو حیی بن اخطب بھی خیبر کے لیے روانہ ہوا۔ یہ بڑا فسادی تھا۔ اس نے چند اور فسادیوں کو ساتھ لیا اور مکہ پہنچ کر قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار کیا۔ اور ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ چناں چہ مختلف قبائل کے دس ہزار آدمی اکٹھے

ہو کر مدینہ کی طرف چل نکلے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے سلع پہاڑ کی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا۔ جب کہ مدینہ کی دوسری طرف شہر پناہ اور عمارتوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ وہاں قیام کیا اور لڑائی کی تیاری کی۔ جب کفار کا لشکر آیا اور انھوں نے خندق کو دیکھا تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ اس لیے کہ عرب میں جنگ سے بچنے کے لیے خندق کھودے جانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ چناں چہ کفار نے بھی دوسری طرف اپنے خیمے لگائے اور پتھروں اور تیروں سے لڑائی شروع کردی۔ دونوں طرف سے پتھر اور تیر برسائے جا رہے تھے۔ حیی بن اخطب نے مدینہ کے یہودیوں (بنی قریظہ) کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ قبیلہ غطفان کے ایک شخص حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان ہوئے تھے اور کفار کو ان کے اسلام کی اطلاع نہیں تھی، انھوں نے عرض کیا: میں قریش اور بنی قریظہ کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے ایک چال چل سکتا ہوں۔ چوں کہ ان کو میرے اسلام لانے کی اطلاع نہیں اس لیے وہ مجھ پر بھروسہ کرلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی کیوں کہ الحرب خدعہ (جنگ میں دھوکہ ہوتا ہی ہے)

حضرت نعیم بن مسعود بنو قریظہ میں گئے اور ان سے کہا: تم نے قریش اور غطفان کے ساتھ دوستی کرکے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کرکے اچھا نہیں کیا۔ اگر یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم کیے بغیر چلے گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر چڑھائی کردیں گے تم اکیلے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہود نے کہا: اب ہم کیا کریں؟ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کفار کو کہو کہ وہ اپنے سردار یا سرداروں کی اولاد تمہارے پاس بطور رہن رکھ دیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر فوج کشی کریں تو وہ اپنے سرداروں کی حفاظت کی وجہ سے ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو سمجھ لینا کہ وہ دل سے تمہارے ساتھ ہیں ورنہ نہیں۔ انھوں نے کہا ہم ابھی پیغام بھیجتے ہیں۔ وہاں سے حضرت نعیم قریش کے پاس آئے اور خود کو ان

کا خیر خواہ ظاہر کرکے کہنے لگے: ہم نے سنا ہے کہ بنو قریظہ درپردہ مسلمانوں سے مل گئے ہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے کہا ہے کہ ہمارا دل تم سے تب صاف ہوگا اگر تم قریش کے کچھ سردار ہمیں گرفتار کرادو۔ بنو قریظہ نے ان سے اس کا وعدہ کرلیا ہے۔ اگر وہ تم سے تمہارے سردار مانگیں تو تم ہرگز نہ دینا۔ اور پھر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی اسی طرح کہا۔ ادھر بنو قریظہ نے قریش کو پیغام بھیجا تو قریش نے انکار کردیا اور دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح بدگمان ہوگئے اور ایک دوسرے پر شک کرنے لگے۔ جب کفار کو وہاں ٹھہرے ہوئے کافی دن گزر گئے اور بنو قریظہ کی طرف سے بدگمانی بھی پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت سخت ہوا بھیجی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور ان کی سواریاں گھوڑے گدھے بھاگنے لگے، ابوسفیان نے کہا: اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ چناں چہ اسی رات کفار کا یہ لشکر مدینہ سے واپس چلا گیا۔ سورہ احزاب میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

(۶) غزوہ بنو قریظہ: غزوہ خندق کے ساتھ ہی غزوہ بنو قریظہ ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احزاب کی فتح کے بعد اپنے گھر تشریف لائے اور نہانے لگے تو حضرت جبریل تشریف لائے اور کہا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ پر چڑھائی کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت لشکر لے کر روانہ ہوئے اور بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ انہوں نے گھبرا کر درخواست کی کہ ہم اس شرط پر ہتھیار ڈالتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، ہمیں منظور ہوگا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے فرد تھے جو بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ بنو قریظہ نے سوچا کہ یہ حلیف ہونے کی وجہ سے ہماری رعایت کریں گے لیکن انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کرے جائیں، عورتیں باندیاں بنالی جائیں اور لڑکے غلام بنالیے جائیں اور مال وجائیداد سب ضبط کرلیا جائے۔ چناں چہ اسی طرح کیا گیا۔

(۷) ابورافع کا قتل: اسی سال ابورافع یہودی کو قتل کیا گیا۔ یہ بڑا مال دار تاجر تھا اور خیبر کے قریب ایک حویلی میں رہتا تھا۔ یہ غزوہ احزاب کے لیے کفار کا لشکر تیار کرنے کی سازش میں شریک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو چند انصاریوں

کا امیر بنا کر اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے رات کو اسے قتل کر دیا۔

(۸) غزوہ عسفان: غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ کے بعد غزوہ عسفان ہوا۔

(۹) صلاۃ الخوف: اسی غزوہ عسفان میں صلاۃ الخوف کا حکم نازل ہوا۔

(۱۰) سریہ خبط: غزوہ عسفان کے بعد ”غزوہ خبط“ ہوا، ”خبط“ کا معنی ہے جھڑے ہوئے پتے۔ اس سریہ میں صحابۂ کرام کو بھوک کی شدت کی وجہ سے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پڑے اس لیے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر ساحل سمندر کے قریب ایک قبیلہ ہے جس کا نام جہینہ ہے، اسی قبیلہ سے مقابلہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدۃ رضی اللہ عنہ کو تین سو مہاجرین کے ساتھ بھیجا، اسی سفر میں سمندر کی موج سے ایک بہت بڑی مچھلی کنارے پر آ گئی تھی جس کی وجہ سے اس غزوہ کو ”غزوہ سیف البحر“ بھی کہتے ہیں، بعض روایات میں ہے کہ یہ لشکر قریش کا قافلہ روکنے کے لیے بھیجا گیا۔

(۱۱) پردے کا حکم: اسی سال یا بعض حضرات کے مطابق اس سے گزشتہ سال پردے کا حکم نازل ہوا۔

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال بتیس اہم واقعات ہوئے

(۱) غزوہ بنی لحیان: غزوہ بنی قریظہ کے چھ مہینے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کے ارادے سے ”بنی لحیان“ کی طرف نکلے، وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر سن کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں دو دن قیام فرمایا اور چاروں طرف فوج کے دستے روانہ کیے۔ اور چودہ دن وہاں قیام فرمانے کے بعد واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

(۲) سریہ نجد: اس کے بعد ”سریہ نجد“ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا جو بنی حلیفہ کے سردار ”ثمامہ بن اثال“ کو پکڑ لایا، ثمامہ بن اثال نے اسلام کی دعوت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

(۳) صلح حدیبیہ: اسی سال ذیقعدہ میں صلح حدیبیہ کا قصہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے یہ خواب بیان کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو مکہ کے شوق میں پہلے ہی بے قرار تھے۔ چناں چہ انھوں نے یہ خواب سن کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ روکا اور کہا: ہم آپ کو ہرگز مکہ نہ آنے دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے لوٹ کر حدیبیہ نامی کنویں کے پاس میدان میں آگئے اور وہاں قیام فرمایا۔ تفصیلی واقعہ بخاری میں مذکور ہے۔ آخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگلے سال آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں گے۔ اور فریقین میں دس سال تک صلح رہے گی آپس میں کوئی لڑائی نہیں ہو گی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے حلیفوں سے لڑیں گے اور نہ ہی قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیفوں سے لڑیں گے۔

آپس میں معاہدہ کرنے والوں کو حلیف کہتے ہیں، وہاں دو قبیلے تھے۔ بنی بکر اور بنی خزاعہ۔ قبیلہ خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جبکہ بنی بکر قریش کے حلیف تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے۔

(۴) لشکر عکاشہ کی روانگی: امام واقدی نے اسی سال حدیبیہ سے پہلے چند سرایا ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ربیع الاول یا ربیع الثانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عکاشہ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ”غمر“ کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ یہ خبر سن کر بھاگ گئے، ان کے دو سو اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ آئے جنہیں لے کر وہ مدینہ آگئے۔

(۵) لشکر ابو عبیدہ کی روانگی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو ”ذی القصہ“ کی طرف بھیجا، وہ لوگ بھی بھاگ گئے ایک شخص ہاتھ آیا جو مسلمان ہو گیا۔

(۶) لشکر محمد بن مسلمہ کی روانگی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو دس آدمی دے کر بھیجا۔ دشمن چھپ کر بیٹھ گئے جب مسلمان سو گئے تو انہوں نے اچانک حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہ بچے جو زخمی ہو کر واپس لوٹے۔

(۷) سریہ جموم: اسی سال حضرت زید بن حارثہ کو سریہ جموم کی طرف روانہ کیا گیا۔ جہاں

سے کچھ قیدی اور مویشی ہاتھ آئے۔

اس کے بعد جمادی الاولیٰ میں حضرت زید بن حارثہ کو دوبارہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ ''طرف'' نامی جگہ کی جانب بھیجا گیا۔ جہاں مال غنیمت میں بیس اونٹ ہاتھ آئے۔ اور پھر اسی مہینے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ''عیص'' کی طرف بھیجا گیا۔

(۸) حضرت ابوالعاص کا قبول اسلام: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع شام سے مال تجارت لے کر آرہے تھے، وہ تمام مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حضرت ابوالعاص نے مدینہ آکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ لی اور درخواست کی کہ یہ مال مجھے واپس کراؤ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے اجازت لے کر وہ مال واپس کرادیا۔ انہوں نے مکہ آکر سب کی امانتیں ادا کیں اور مسلمان ہوگئے۔ مگر زادالمعاد میں ہے کہ یہ قصہ حدیبیہ کے بعد ہوا اور حضرت ابوالعاص کا مال حضرت ابوبصیر نے لے لیا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر واپس کردیا تھا۔

(۹) سریہ دومۃ الجندل: اسی سال شعبان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل کی طرف بھیجا جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

(۱۰) اہل عرینہ کا واقعہ: اسی سال شعبان میں حضرت کرز بن خالد رضی اللہ عنہ کو بیس آدمیوں کا لشکر دے کر اہل عرینہ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ لوگ پکڑے گئے اور انہیں قتل کردیا گیا۔

ان سب واقعات کے بعد صلح حدیبیہ ہوئی۔

(۱۱) غزوہ غابہ: حدیبیہ کے بعد غزوہ غابہ ہوا جس کا نام ''غزوہ ذی قرد'' بھی ہے۔

''ذی قرد'' ایک تالاب کا نام ہے۔ مدینہ کے قریب غابہ نامی ایک جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ اونٹ چر رہے تھے۔ جن پر عبدالرحمٰن فزاری نے حملہ کیا اور چرواہے کو قتل کرکے اونٹ لے کر فرار ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کا پیچھا کیا۔ حضرت

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس دن بہت کام کیا، انہوں نے ان لوگوں کو "ذی قرد" تک بھگایا اور سارے اونٹ چھڑا کر واپس لے آئے۔

(۱۲) غزوہ خیبر: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس آکر تقریباً بیس روز مدینہ میں ٹھہرے اور پھر لشکر لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت خیبر پہنچے۔ وہ لوگ صبح زراعت کا ساز و سامان لے کر نکلے ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر قلعے میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔

خیبر میں سات قلعے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باری باری تمام قلعوں کو فتح کیا اور فتح کے بعد خیبر کے یہودیوں کو خیبر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ان کے اموال باغات اور زمینیں سب ضبط کر لی گئیں۔ یہود نے عرض کیا: آپ کو یہاں کھیتی کے لیے مزدوروں کی ضرورت ہوگی اگر آپ ہمیں جلا وطن نہ کریں تو یہ کام ہم کر دیں گے۔ آپ نے یہ بات قبول فرمائی اور یہ فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں یہاں رکھیں گے اور جب چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھیتی کے لیے ان کو رکھا اور آدھی پیداوار بطور مزدوری دینے کا وعدہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جزیرہ عرب کو کفار سے خالی کرنا چاہا تو خیبر کے یہودیوں کو بھی نکال دیا۔ چناں چہ وہ خیبر سے نکل کر شام چلے گئے۔

(۱۳) اہل فدک سے صلح: خیبر کے قریب ہی فدک نامی ایک جگہ تھی وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر صلح کی کہ فدک کی آدھی زمین آپ کو دے دیں گے اور آدھی اپنے پاس رکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا۔

(۱۴) حضرت صفیہ سے نکاح: حضرت صفیہ خیبر کے مال غنیمت میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لے کر آزاد کر دیا اور ان سے نکاح فرما لیا۔

(۱۵) مہاجرین حبشہ کی مدینہ آمد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر ہی میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب دوسرے مہاجرین حبشہ کے ساتھ وہیں تشریف لے آئے۔

(۱۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری کی آمد: مہاجرین حبشہ کے ساتھ ہی کشتی پر حضرت ابو موسیٰ

اشعری اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(۱۷) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا جانا: خیبر ہی میں ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دستی کے گوشت میں زہر ملا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لقمہ منہ میں رکھا اور فرمایا: اس گوشت نے مجھے بتایا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

(۱۸) گدھے کے گوشت کی حرمت: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی غزوہ میں گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا۔

(۱۹) متعہ کی حرمت: اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کو حرام قرار دیا۔ متعہ غزوہ اوطاس میں دوبارہ مباح ہوا اور پھر حرام قرادے دیا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: متعہ قیامت تک کے لیے حرام ہے (صحیح مسلم)

(۲۰) وادی القریٰ کی فتح: وادی القریٰ میں کچھ یہودی اور کچھ عرب مقیم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے بعد وادی القریٰ کی طرف نکلے اور جنگ کے بعد اسے فتح کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی القریٰ میں چار دن قیام فرمایا۔ جب تیماء یہودیوں کو یہ خبر ملی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی، چناں چہ ان کا مال دولت سب انہی کے قبضے میں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو نکالا تھا۔ تیماء اور وادی القریٰ کے یہودیوں کو نہیں نکالا تھا کیوں کہ یہ دونوں علاقے ملک شام کے اندر ہیں۔ خیبر سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شوال سات ہجری تک کہیں تشریف نہیں لے گئے۔ اس مدت میں مختلف سرایا روانہ فرمائے۔

(۲۱) سریہ ابی بکر۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر بنی فزارہ کے مقابلے کے لیے نجد بھیجا گیا۔

(۲۲) سریہ عمر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر ہوازن کی طرف بھیجا۔

(۲۳) سریہ عبداللہ بن رواحہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو لشکر دے کر بشیر بن دارام یہودی کی طرف بھیجا گیا۔

(۲۴) سریہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد کو لشکر دے کر بنی مرہ کی طرف بھیجا گیا۔

(۲۵) سریہ حرقات: ایک لشکر جہینہ کے قبیلے حرقات کی طرف بھیجا گیا۔

(۲۶) سریہ غالب بن عبداللہ: حضرت غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کلبی کو بنی الملوح کی طرف بھیجا گیا۔

(۲۷) سریہ بشیر بن سعد: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد کو لشکر دے کر یمن کی ایک جماعت عیینہ، غطفان اور حیان کی طرف بھیجا گیا۔

(۲۸) سریہ ابی حدرد اسلمی۔

(۲۹) سریہ اضم: ایک لشکر مقام اضم کی طرف بھیجا گیا۔

(۳۰) سریہ عبداللہ بن حذافہ۔

(۳۱) غزوہ ذات الرقاع: یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ اس میں ”غطفان“ سے مقابلہ ہوا۔ اس غزوہ کو ”غزوہ نجد“ اور ”غزوہ بنی انمار“ بھی کہتے ہیں۔

(۳۲) قحط سالی: اسی سال قحط پڑا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے رمضان میں بارش ہوئی۔

ہجرت کا ساتواں سال

اس سال دو اہم واقعات ہوئے

اگرچہ مندرجہ بالا بعض سرایا بھی اسی سال ہوئے لیکن تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب کو خیبر کے بعد ذکر کر دیا۔

(۱) عمرۃ القضاء: اس سال ذیقعدہ میں عمرۃ القضاء ہوا۔ کیوں کہ صلح حدیبیہ میں یہی طے ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگلے سال صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ تشریف لائیں گے اور عمرہ ادا فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کے لیے روانگی سے پہلے حکم دیا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھے وہ ضرور ساتھ چلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین

دن مکہ مکرمہ قیام کیا اور شرط کے مطابق تین دن بعد وہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

(۲) حضرت میمونہ سے نکاح: مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا۔ مکہ سے روانگی کے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتی ہوئی آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کی خالہ کے سپرد کر دیا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

ہجرت کا آٹھواں سال

اس سال دس اہم واقعات ہوئے

(۱) غزوہ موتہ: اس سال جمادی الاولیٰ میں غزوہ موتہ ہوا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط مبارک بصرہ کے حاکم کے پاس لے جا رہے تھے کہ راستے میں شام کے شہر ''موتہ'' کے حاکم ''شرجیل بن عمرو غسانی'' نے انہیں شہید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرجیل بن عمرو کے مقابلے کے لیے تین ہزار کا لشکر بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا اور فرمایا: اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب امیر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو کسی بھی مسلمان کو اپنا امیر بنا لینا۔

چناں چہ یہ تینوں حضرات اسی ترتیب سے شہید ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید کو امیر بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔

(۲) غزوہ ذات السلاسل: اسی سال جمادی الاخریٰ میں غزوہ ذات السلاسل ہوا۔ ذات السلاسل وادی القریٰ سے آگے اور مدینہ منورہ سے دس دن کی مسافت پر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ قبیلہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ کی طرف حملے کے لیے آ رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو مزید دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا جن میں

حضرت ابو بکر اور عمر بھی شامل تھے۔ انہیں راستے میں دشمنوں کے لشکر ملے، انہوں نے ان پر حملہ کرکے سب کو بھگا دیا۔ مسلمانوں کے لشکر نے پانی کے قریب جس جگہ پڑاؤ کیا، اس جگہ کا نام سلاسل تھا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ''ذات السلاسل'' ہو گیا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ سلاسل صحراؤں کے سلسلے کو کہتے ہیں۔ اس زمین کی مناسبت سے اس کا نام ذات السلاسل رکھ دیا گیا۔

(۳) غزوہ ذی الخلصہ: بخاری میں ہے کہ غزوہ ذات السلاسل سے پہلے غزوہ ذی الخلصہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کو قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار دے کر ایک مکان گرانے کے لیے بھیجا جو یمن کے قبیلہ خثعم نے خانہ کعبہ کے نام سے بنایا تھا۔

(۴) فتح مکہ: اسی سال رمضان میں مکہ فتح ہوا۔

یہ ایک عظیم فتح تھی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو عزت نصیب فرمائی اور اس فتح نے اسلام کے پھیلنے میں عظیم کردار ادا کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ میں قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا اور بنی بکر والوں نے قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں لڑائی ہوئی بنی بکر نے زیادتی کرتے ہوئے خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کر دیا اور قریش نے بھی خفیہ طور پر ان کی مدد کی (اس طرح قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ قریش نے معاہدہ توڑ ڈالا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار اور عرب کے دوسرے قبائل کو ساتھ ملایا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تیار ہو گیا۔ جب یہ مبارک لشکر مکہ میں داخل ہوا تو کفار کے ساتھ لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کچھ کفار قتل بھی ہوئے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار شہر چھوڑ کر بھاگ گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو معاف کر دیا گیا۔ اس دن تھوڑی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرم میں لڑائی کی اجازت دی گئی تھی۔ فتح مکہ کا تفصیلی واقعہ ''تواریخ حبیب الٰہ'' میں مذکور ہے۔ یہاں مختصراً ذکر کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے بتوں کو خود ختم کیا۔ اور بعض بت جو مکہ کے اطراف میں تھے انہیں ختم کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ کیے۔ چناں چہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو قریش و کنانہ کے بت عزیٰ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ”ھذیل“ کے بت ”سواع“ اور حضرت سعد بن زید اشہلی کو ”مشلل“ میں ”قدید“ کے قریب ”اوس خزرج“ کے بت ”مناۃ“ کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ سب حضرات اپنا اپنا کام کر کے واپس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دوران حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بنی خزیمہ کی طرف بھیجا۔

(۵) غزوہ حنین: فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا۔ اس کو غزوہ اوطاس بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں جگہیں (حنین اور اوطاس) مکہ اور طائف کے درمیان ہیں۔ اس غزوہ کو غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں کیوں کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑنے کے لیے آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر ان پر حملے کے لیے نکلے۔ لڑائی شروع ہوئی، ابتداء میں مسلمانوں کو کچھ پریشانی ہوئی لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ یہ واقعہ حنین نامی جگہ میں ہوا پھر کفار حنین سے بھاگ کر اوطاس میں جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے پھر وہاں حملہ کیا اور کفار کو وہاں بھی شکست ہوئی۔

(۶) محاصرہ طائف: شوال کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ وہاں قبیلہ بنی ثقیف کے لوگ رہتے تھے۔ یہ لوگ اوطاس سے بھاگ کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے تھے، لیکن چوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے طائف فتح کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ اٹھایا اور واپس تشریف لے آئے۔ ان کے قریب ایک لات نامی بت تھا جسے توڑ دیا گیا۔ البتہ غزوہ تبوک کے بعد بنو ثقیف کے لوگ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

(۷) سریہ بنو تمیم: محرم کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سوار دے کر بنی تمیم کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ بغیر لڑے ہی بھاگ گئے۔ کچھ مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں جنہیں مدینہ پہنچا دیا گیا۔ پھر ان کے چند سردار ”اقرع بن حابس“ وغیرہ مدینہ منورہ آئے۔ انہوں نے نظم اور نثر میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور (شکست کھا کر)

مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں خوب انعام عطا فرمایا۔

(۸) سریہ خشعم: آپ ﷺ نے صفر کے مہینہ میں قطبہ بن عامر کو خشعم کی طرف بھیجا۔ وہاں لڑائی ہوئی اور حضرت قطبہ بن عامر مال غنیمت لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔

(۹) حضرت ابراہیم کی پیدائش: اس سال آں حضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

(۱۰) حضرت زینب کی وفات: آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسی سال فوت ہوئیں۔

ہجرت کا نواں سال

اس سال نو اہم واقعات ہوئے

(۱) لشکر ضحاک کی روانگی: اسی سال ربیع الاول میں آپ ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان کو ایک لشکر دے کر بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ وہاں لڑائی ہوئی اور کفار کو شکست ہوئی۔

(۲) لشکر علقمہ رضی اللہ عنہ کی روانگی: اسی سال ربیع الثانی میں آپ ﷺ نے حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی کو لشکر دے کر حبشہ کی طرف بھیجا۔ کفار وہاں سے فرار ہو گئے۔

(۳) لشکر عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی روانگی: اسی سال آپ ﷺ نے حضرت عبید اللہ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا۔

(۴) لشکر علی رضی اللہ عنہ کی روانگی: اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک بت خانہ گرانے کے لیے قبیلہ طے میں بھیجا گیا۔ حاتم طائی اسی قبیلہ کا تھا۔ چناں چہ وہ بت خانہ گرا دیا گیا اور کچھ قیدی بھی گرفتار ہوئے۔ حاتم کے بیٹے عدی بھاگ گئے اور ان کی بہن گرفتار ہوئیں۔ آپ ﷺ نے عدی کی درخواست پر ان کی بہن کو آزاد کر دیا اور انہیں سواری بھی عنایت فرمائی۔ اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت عدی کی بہن نے حضرت عدی کے سامنے آپ ﷺ کی خوب تعریف کی۔ چناں چہ حضرت عدی آئے اور مسلمان ہو گئے۔

(۵) غزوہ تبوک: اسی سال رجب میں غزوہ تبوک ہوا۔ تبوک شام کے علاقے کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ چوں کہ اس غزوہ کی تیاری تنگی کے دنوں میں ہوئی اس لیے اس کو غزوہ عسرت (بمعنی تنگی) بھی کہتے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اطلاع پہنچی کہ روم کا بادشاہ ہرقل مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے لشکر لے کر آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اسے وہیں روکا جائے چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل عرب کو اس لڑائی کے لیے کہلا بھیجا۔ اس طرح تقریباً تیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کے ساتھ تبوک پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے۔ ہرقل نے جب یہ سنا تو وہ ڈر گیا اور لڑائی کے لیے سامنے نہ آیا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں قیام فرما کر آس پاس کے علاقوں میں لشکر بھیجے۔

(۶) لشکر خالد کی روانگی: اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا، اور وہ اسے گرفتار کر لائے۔ بعض نے لکھا ہے کہ "اکیدر" نے کچھ نذرانہ مقرر کر لیا چناں چہ اسے چھوڑ دیا گیا جبکہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں ٹھہرے دو مہینے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے مشورہ سے مدینہ لوٹ آئے۔

(۷) مسجد ضرار گرانے کا واقعہ: اسی سال مسجد ضرار گرانے کا واقعہ ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قبیلہ خزرج میں ابو عامر نامی ایک مفسد راہب تھا جو کتابیں پڑھ کر عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خبریں دیا کرتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ ایمان نہ لایا بلکہ مسلمانوں کا دشمن بن گیا اور غزوہ بدر کے بعد مدینہ سے بھاگ کر قریش کے ساتھ جا ملا۔ اور پھر غزوہ احد میں کفار کی طرف سے شریک ہوا اور پھر روم چلا گیا تاکہ روم کے بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے آمادہ کر سکے۔ جب اس کی یہ ترکیب ناکام ہو گئی تو اس نے مدینہ میں منافقین کو کہلا بھیجا کہ ایک مسجد بنا لو! ہم اس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف مشورے

کیا کریں گے۔ چناں چہ منافقین نے تبوک کے سفر سے پہلے مسجد قبا کے ساتھ مسجد بنائی اور آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس میں چل کر نماز پڑھیں۔ مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کے نماز پڑھنے سے یہ مسجد آباد ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس وقت جہاد کے لیے جارہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔

آپ ﷺ کے واپس تشریف لانے کے بعد انہوں نے پھر درخواست کی چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے دھوکہ کے بارے میں خبر دی۔ اور یہ آیتیں نازل فرمائیں: **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا** چنانچہ آپ ﷺ نے اس مسجد کو گرا کر جلا ڈالا۔

(۸) فرضیت حج: اسی سال حج فرض ہوا۔ لیکن آپ ﷺ تعلیم میں مشغولیت، وفود کی ملاقات اور غزوات کی نگرانی کی وجہ سے خود تشریف نہ لے جاسکے۔ یاد رہے کہ ۹ ہجری میں بہت سے وفود اور بہت سے ایلچی آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ جن کی تفصیلات بعد میں ذکر کی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج مقرر کرکے مکہ روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق حج کرادیں۔ اور آپ ﷺ نے ”نقض عہد“ کے احکام سنانے کے لیے حضرت ابو بکر کو سورہ براءت عطا فرمائی۔ اور پھر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ فرمایا کیوں کہ عرب حضرات عہد کے بارے میں رشتہ داروں کا پیغام ہی قبول کرتے تھے ان احکام کی تفصیل سورۃ براءت میں ہے۔

(۹) حضرت ام کلثوم کا انتقال: اسی سال آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

ہجرت کا دسواں سال

اس سال دو اہم واقعات ہوئے

(۱) حجۃ الوداع: اس سال آپ ﷺ خود امیر الحاج بن کر تشریف لے گئے۔ چوں کہ آپ ﷺ نے اس سفر حج میں ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جیسی رخصتی کے وقت کی جاتی ہیں، اس لیے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے حج کی خبر سن کر مسلمان جمع ہونے

شروع ہوگئے۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی جمع ہوگئے۔ اسی حج میں عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کردیا)

(۲) واقعہ غدیر خم۔ دوران حج چوں کہ یمن کے بعض لوگوں نے بلاوجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایات کی تھیں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کی تاکید کے لیے ''غدیر خم'' نامی ایک جگہ پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ کر مخلوق خدا کی رہنمائی اور عبادت خداوندی میں مشغول ہوگئے۔

ہجرت کا گیارہواں سال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

بالآخر ربیع الاول سن ۱۱ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر آخرت پر تشریف لے گئے۔

مِنَ الْقَصِیْدَۃ

مَا زَالَ يَلْقَاهُمُ فِىْ كُلِّ مُعتَرَكٍ
حَتّٰى حَكَوْا بِالقَنَا لَحْمًا عَلٰى وَضَمِ
يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
تَرْمٰى بِمَوجٍ مِّنَ الْأَبْطَالِ مُلْتَطِمِ
هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُم مُصَادِمُهُمْ
مَاذَارَاٰى مِنْهُمْ فِىْ كُلِّ مُصْطَدَمِ
وَسَلْ حُنَيْنًاوَسَلْ بَدْرًاوَسَلْ أُحُدًا
فُصُوْلَ حَتْفٍ لَمْ أَدْهٰى مِنَ الوَخَمِ
وَمَنْ يَّكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
اِنْ تَلْقَهُ الْاَسَدُفِىْ آجَامِهَاتَجِمُ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ آپ ﷺ ہر میدان جنگ میں کفار کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ نیزوں کی وجہ سے کفار اس بے حس وحرکت گوشت کی طرح ہو گئے جو قصاب کے تختے پر رکھا ہوتا ہے۔

۲۔ تیز اور برق رفتار گھوڑوں پر سوار لشکر اسلام کفار کے لشکر کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔

۳۔ لشکر اسلام پہاڑوں کی مانند ہے اگر تجھے یقین نہیں آتا تو دشمنوں سے پوچھ لے کہ انہیں میدان جنگ میں کس صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ اور لشکرِ اسلام کا حال حنین، بدر اور احد سے بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کفار ان میدانوں میں کیسے کیسے ہلاک ہوئے۔ اور وہ لشکر کافروں کے لیے وبا سے بھی زیادہ سخت اور مضر ہیں۔

۵۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جس کی مدد کی گئی ہو اگر شیر اس سے اپنی کچھاروں میں ملیں تو دم بخود رہ جائیں۔

اٹھارہویں فصل

وفود کے بیان میں

عرب کے دل میں خانہ کعبہ کی بہت عظمت تھی، جس میں اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اسی بناپر عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ غلط لوگ خانہ کعبہ پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام سچا مذہب ہے کیوں کہ اہل اسلام کعبہ پر غالب آچکے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حق پر ہیں ورنہ بیت اللہ پر کبھی غالب نہ آتے۔ چناں چہ فتح مکہ کے بعد اہل عرب فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور قبیلے کے قبیلے مسلمان ہوتے چلے گئے۔

ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اسلام کے احکامات سیکھنے کے لیے بھیجتے تھے، جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ وفد کہلاتے تھے، وفد کی جمع وفود ہے۔

۹ ہجری میں چوں کہ بہت زیادہ وفود آئے، اس لیے اس سال کو عام الوفود (وفود کا سال) کہتے ہیں۔ آپ ﷺ وفود کی بہت عزت کرتے تھے اور انہیں انعام دے کر رخصت کرتے تھے۔ نیز عام عرب اس بات کے بھی منتظر تھے کہ آپ ﷺ کی قوم آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ چناں چہ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قوم قریش نے اسلام قبول کر لیا تو قریش کے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرے لوگ بھی اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ اکثر وفود غزوہ تبوک کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

اب چند وفود کی فہرست لکھی جاتی ہے۔ تفصیلی واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں:

(۱) وفد ثقیف: غزوہ طائف کے ذیل میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے رمضان کے مہینے میں واپس آئے تو یہ لوگ اسی مہینے حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

(۲) وفد بنی تمیم: غزوہ طائف کے ذیل میں گزر چکا کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ وغیرہ بنو تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ حاضر ہوئے تھے۔

(۳) وفد طے: اسی وفد میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔

(۴) وفد عبد القیس۔

(۵) وفد بنو حنفیّہ: ان میں مسیلمہ بن کذاب بھی تھا۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئے۔ یہ لوگ ۱۰ ہجری کے آخر میں آئے۔

(۶) وفد طے دوم: ان میں زید خیل آئے۔

(۷) وفد کندہ: اس میں حضرت اشعث رضی اللہ عنہ بن قیس بھی تھے۔

(۸) اشعریوں اور یمنیوں کا وفد۔

(۹) وفد ازدان: اس میں صرد بن عبد اللہ آئے۔

(۱۰) وفد بنی حارث بن کعب: یہ وفد ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری میں آیا۔

(۱۱) وفد ھمدان۔

(۱۲) وفد مزینہ۔

(۱۳) وفد دوس۔

(۱۴) وفد نجران۔

(۱۵) وفد بنی سعد بن بکر: اس میں حضرت ضمام رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ آئے۔

(۱۶) وفد طارق بن عبد اللہ: یہ اپنی قوم کے ساتھ آئے۔

(۱۷) وفد تجیب۔

(۱۸) وفد بنی سعد از قبیلہ قضاعہ۔

(۱۹) وفد بنی فزارہ: یہ وفد غزوہ تبوک کے بعد آیا۔

(۲۰) وفد ابن اسد۔

(۲۱) وفد بہراء۔

(۲۲) وفد عذرہ: یہ وفد صفر ۹ ہجری میں آیا۔

(۲۳) وفد بلی: یہ ربیع الاول ۹ ہجری میں آیا۔

(۲۴) وفد ذی مرہ۔

(۲۵) وفد خولان: یہ شعبان ۱۰ ہجری میں آیا۔

(۲۶) وفد محارب: یہ ۱۰ ہجری میں آیا۔

(۲۷) وفد صداء: یہ ۸ ہجری میں آیا۔

(۲۸) وفد غسان: یہ رمضان ۱۰ ہجری میں آیا۔

(۲۹) وفد سلامان: یہ شوال ۱۰ ہجری میں آیا۔

(۳۰) وفد بنی عبس۔

(۳۱) وفد ازدوم: اس میں سوید بن الحارث آئے۔

(۳۲) وفد بنی منتفق۔

(۳۳) وفد نخع: یہ آخری وفد ہے۔

(زادالمعاد)

مِنَ الْقَصِيْدَة

يَاخَيْرَ مَنْ يَّمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهُ
سِعَيًا وَفَوْقَ مُتُوْنِ الْأَيْنُقِ الرُّسُمِ
وَمَنْ هُوَ الْآيَةُ الْكُبْرٰى لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰى لِمُغْتَنِمٍ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ اے وہ بہترین ذات کہ فقیر دوڑتے ہوئے اور تیز چلنے والی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جس کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔

۲۔ اے وہ ذات جو اہل عقل کے لیے بڑی نشانی اور قدر دانوں کے لیے بڑی نعمت ہے۔

انیسویں فصل

حکام اور اہل کاروں کا تعین

جن ممالک میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، ان میں ملکی انتظام چلانے اور صدقات اور جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگوں کو مقرر کیا گیا:

(۱) حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ کو یمن میں۔

(۲) حضرت زیاد بن لبیب انصاری رضی اللہ عنہ کو حضر موت میں۔

(۳) حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ طے اور بنی سعد کے کچھ علاقوں میں۔

(۴) حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ یربوعی کو بنی حنظلہ میں۔

(۵) حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ بن بدر کو بنی سعد کے بعض علاقوں میں۔

(۶) حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن عاصم کو بنی سعد کے بعض دیگر علاقوں میں۔

(۷) حضرت علاء رضی اللہ عنہ بن حضرمی کو بحرین میں۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل نجران میں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

(۹) حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو مکہ میں۔

(۱۰) حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلّٰهِ مُحْتَسِبٍ
يَسْطُوْ بِمُسْتَأْصِلٍ لِلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

حَتّٰی غَـدَتْ مِلَّـةُ الْاِسْـــلَامِ وَهِــیَ بِهِـمْ
مِنْ بَعْـدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُوْلَةَ الرَّحِـمِ
یَـــارَبِّ صَـــلِّ وَسَـــلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَــدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَـیْـرِ الْـخَـلْـقِ كُلِّهِمِ

ا۔ صحابۂ کرام میں سے ہر ایک حق کی پکار پر لبیک کہنے والا ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے امیدوار ہیں اور ایسی تدبیر سے حملہ کرتے ہیں کہ کفر کی جڑ اکھاڑ پھینکتے ہیں۔

۲۔ یہاں تک کہ مسلمان آپس میں پرائے ہونے کے باوجود، ایک دوسرے کی اس طرح مدد کرنے لگے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں۔

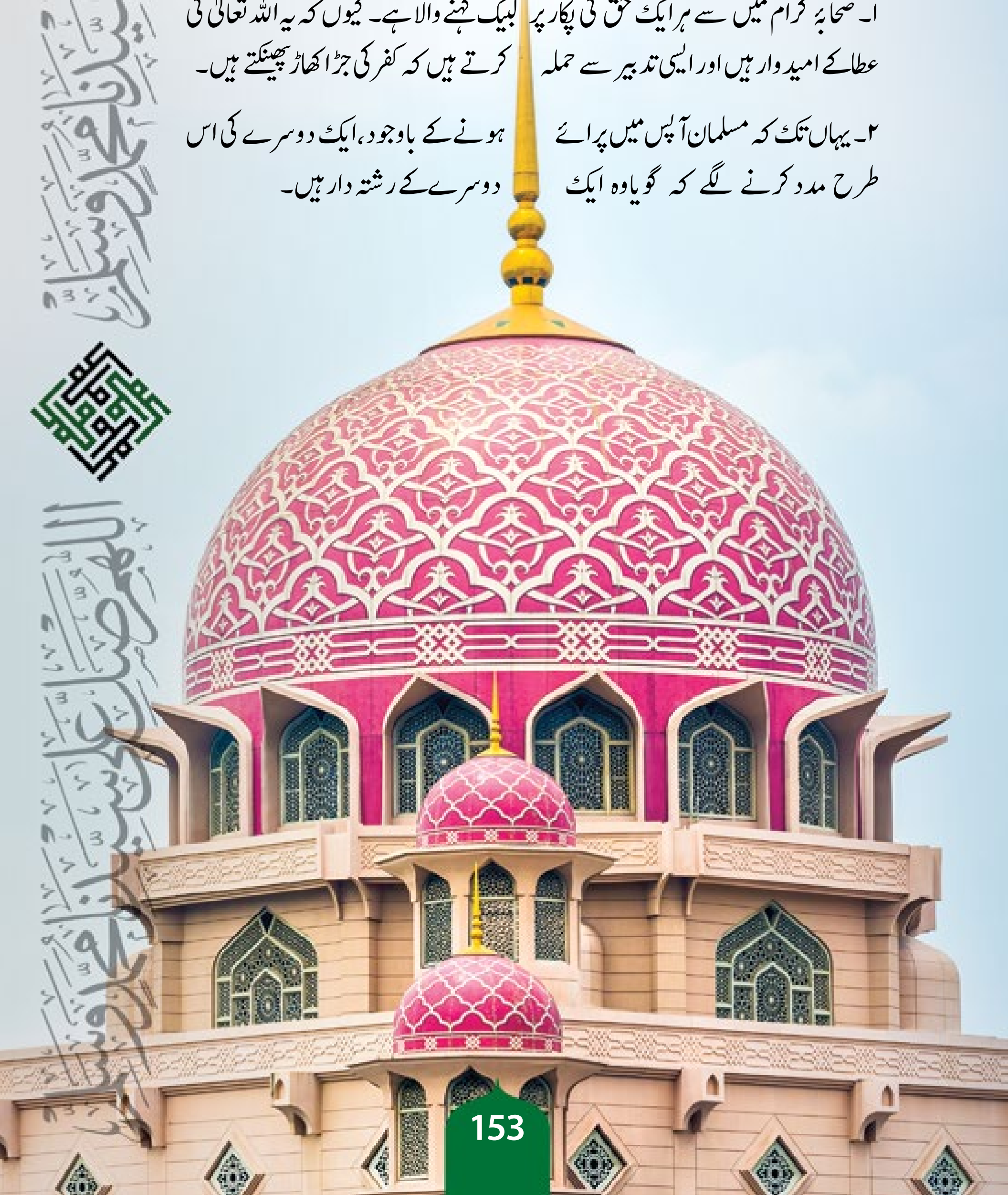

بیسویں فصل

بادشاہوں اور سلاطین کے نام خطوط

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بن خلیفہ کو خط مبارک دے کر روانہ کیا۔ ہرقل دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا یقین کر لینے کے باوجود ایمان نہیں لایا۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے پاس حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ سہمی کو خط مبارک دے کر بھیجا۔ اس نے خط مبارک کو پھاڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سن کر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن انیسہ ضمری کو خط مبارک دے کر بھیجا۔ (الموہب) یہ وہ نجاشی نہیں جس کے زمانہ میں حبشہ کی طرف ہجرت ہوئی تھی اور جس کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا تھا۔ یہ اس نجاشی بادشاہ کے بعد بادشاہ بنے۔ اس کے اسلام کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ (زاد المعاد)

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کو خط مبارک دے کر بھیجا۔ یہ ایمان نہیں لائے مگر انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہدایا بھیجے۔

(۵) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوی کی طرف حضرت علاء رضی اللہ عنہ بن الحضرمی کو خط مبارک دے کر بھیجا۔ یہ مسلمان ہو گئے اور بدستور بادشاہ رہے۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمان کے دو بادشاہوں جیفر بن جلندی اور عبد بن جلندی کی طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط مبارک دے کر بھیجا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔

(۷) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی کے پاس حضرت سلیط رضی اللہ

عنہ بن عمرو عامری کے ہاتھ خط مبارک بھیجا۔ وہ مسلمان نہیں ہوا۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دمشق کے علاقے غوطہ کے بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس حضرت شجاع رضی اللہ عنہ بن وھب کو حدیبیہ سے واپسی کے وقت خط مبارک دے کر بھیجا۔ (زادالمعاد)

(۹) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبلہ بن ایہم غسانی کی طرف حضرت شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب کے ہاتھ خط مبارک بھیجا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

اور جن سلاطین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط کے جواب میں اسلام قبول کیا ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اسی کے ذیل میں ان بادشاہوں کے خطوط کا ذکر بھی مناسب ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط بھیج کر یہ بتلایا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے تشریف لائے تو حمیر کے جن بادشاہوں نے یمن سے اپنے اسلام کے خبر اپنے قاصدوں کے ہاتھ بھیجی، ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حارث بن عبد کلال

(۲) نعیم بن عبد کلال

(۳) نعمان حاکم ذورعین و معافر وہمدان

(۴) زرعہ ذویزن۔ یہ سب یمن کے بادشاہ ہیں۔

(۵) اسی طرح روم کے عامل فروہ بن عمرو نے اپنے اسلام لانے کی خبر قاصد کے ہاتھ بھیجی۔ رومیوں کو جب علم ہوا تو انھوں نے پہلے انہیں قید کیا اور پھر شہید کر دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

(۶) یمن کا گورنر ''بازان'' اپنے دونوں بیٹوں اور اپنے ساتھ رہنے والے یمنیوں اور فارسیوں کے ساتھ اسلام لایا اور اپنے اسلام کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجی (تواریخ حبیب الٰہ)۔ یہ سب مل کر پندرہ ہوئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بن زید جذامی کے ہاتھ ان کی قوم کی طرف ایک خط مبارک بھیجا اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام) یمن کے بادشاہ ذواالکلاع الحمیری اور ذوا عمرو مسلمان ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے، لیکن آپ کی حیاتِ مبارکہ میں مدینہ نہ پہنچ سکے۔ (کرمانی شرح بخاری)

مِنَ الْقَصِيْدَة

أيَاتُهُ الْغُرُّ لَايَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ
بِدُوْنِهَا الْعَدَلُ بَيْنَ النَّاسِ لَمْ يَقُمْ
مُحَكِّمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ
لِذِىْ شِقَاقٍ وَمَا تَبْغِيْنَ مِنْ حِكَمٍ
مَا حُوْرِبَتْ قَطُّ اِلاَّ عَادَ مِنْ حَرَبٍ
أَعْدَى الْأَعَادِىْ اِلَيْهَا مُلقِى السَّلَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روشن احکام کسی سے پوشیدہ نہیں (چناں چہ وہ روشن احکام جب بادشاہوں کے سامنے آئے تو انھوں نے ان احکام کو قبول کیا) ان احکام کے بغیر لوگوں میں عدل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ وہ احکام فیصلہ کر دیتے ہیں اور مخالف کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ نیز ان احکام کے ہوتے ہوئے اور فیصلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳۔ ان احکام سے جب بھی کوئی ٹکرایا تو انجام یہ ہوا کہ بڑا دشمن بھی صلح کرنے پر مجبور ہو گیا (جیسا کہ مذکورہ بالا بادشاہوں نے اپنے عاجز ہونے کا اقرار کیا)

* * *

اکیسویں فصل

آں حضرت ﷺ کی خصائل و عادات اور اخلاق حسنہ

یہ فصل حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی کتاب شیم الحبیب کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کا نام شم الطیب ہے۔ اس کتاب میں جتنی فصول ہیں، وہاں فصل کی جگہ وصل لکھا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمام تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر ہی کی ہیں جس نے ہمارے لیے سچی خبریں دینے والے مکی، عربی، ہاشمی، مدنی، قریشی اور سردار نبی کو مبعوث فرمایا۔ جن کی تشریف آوری کے بارے میں پہلے ہی خوشخبری دے دی گئی تھی۔

اس رسالہ کی وجہ تالیف یہ ہے کہ علمائے کرام ہمیشہ ہی سے آں حضرت ﷺ کی عادات وخصائل پر تحریر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس موضوع پر روز بروز نئی کتابیں سامنے آرہی ہیں۔ لیکن کچھ تو اتنی مختصر ہیں کہ بات مکمل طور سے سمجھ ہی نہیں آتی اور کچھ اس

قدر طویل ہیں کہ انسانی ذہن اتنی لمبی بات سے اکتا جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات وخصائل کا ایک مختصر مگر کافی حصہ تحریر کردوں۔ اور ویسے بھی جب عاشق کے لیے محبوب سے ملاقات کا کوئی راستہ نہ نکل رہا ہو تو وہ اپنے محبوب کے حسن وجمال اور اس کے گھر کے در و دیوار کا تذکرہ کرکے ہی اپنے دل کو بہلایا کرتا ہے۔ نیز اس تذکرہ سے مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس تحریر کو باعث ثواب، ذریعہ نجات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور اس کتاب سے استفادہ کرنے والے صالحین واحباب کی دعاؤں کا سبب بنائے۔ کیوں کہ میرے پاس کوئی نیک عمل تو ہے نہیں، تمام عمر گناہوں میں گزری۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے قوی امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس تحریر کے سبب میرا بیڑا بھی پار لگادیں۔ وہی تمام تعریفوں کا مستحق اور دو جہانوں کا رب ہے۔ میری یہ تحریر، امام ترمذی کی شمائل اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الشفاء'' سے ماخوذ ہے۔ ان شاء اللہ اس بارے میں کافی وافی ہوگی کہ دوسری کتب کی ضرورت نہ رہے گی۔

ہم اپنی اس کتاب کا آغاز حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک سے کرتے ہیں کیونکہ ایک تو یہ حدیث مبارک فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے نمبر ۲ یہ کہ اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔

وصل (۱)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں حضرت ہند رضی اللہ عنہ بن ابی ہالہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک کثرت سے بیان فرمایا کرتے تھے عرض کیا کہ اگر آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ اوصاف حمیدہ مجھے بتائیں تو میں انہیں یاد کرکے ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔ انہوں نے فرمایا:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور (دوسروں کی نظروں میں بھی) معظم تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک میانہ تھا نہ بہت لمبا اور نہ چھوٹا۔ سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ بال مبارک نہ تو

بالکل سیدھے تھے اور نہ ہی گھنگریالے، بلکہ تھوڑے سے پیچدار تھے۔ اگر سر کے بالوں میں از خود مانگ نکل آتی تو نکلی رہنے دیتے، ورنہ ابتداء اسلام میں آپ کا معمول مانگ نکالنے کا نہیں تھا البتہ بعد میں قصداً بھی مانگ نکال لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ بال مبارک بڑھاتے تو وہ کان کی لو سے تجاوز کر جاتے تھے۔ آپ ﷺ کا رنگ مبارک روشن اور چمکدار تھا اور پیشانی مبارک فراخ اور کشادہ تھی۔ آپ ﷺ کی ابرو گھنی اور خمدار تھیں۔ اور دونوں ابروؤں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا، بالکل ملی ہوئی نہیں تھیں اور ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر جاتی تھی۔

آپ ﷺ کی ناک مبارک تھوڑی سی بلندی لیے ہوئے تھی اور اس پر ایک نور چمکتا رہتا تھا۔ پہلی مرتبہ دیکھنے والا آپ ﷺ کو بلند ناک والا سمجھتا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ نور کی چمک کی وجہ سے ناک مبارک بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ حقیقۃً بلند نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک گھنی، آنکھوں کی پتلیاں خوب سیاہ، رخسار مبارک نرم و نازک اور پر گوشت اور منہ مبارک (اعتدال کے ساتھ) کشادہ تھا (نہ بہت کھلا اور نہ تنگ)۔

دانت مبارک باریک آبدار تھے۔ سامنے کے دانتوں میں ذرا فاصلہ بھی تھا، بالکل جڑے ہوئے نہیں تھے۔ اور گردن مبارک چاندی کی مانند صاف و شفاف تھی، یوں لگتا تھا جیسے کسی نے تراش کر بنائی ہے۔

اعضاء مبارک

آں حضرت ﷺ کے تمام اعضاء مبارکہ معتدل اور پر گوشت تھے اور بدن مضبوط اور کسا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ برابر تھا البتہ سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آں حضرت ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان عام آدمیوں کی نسبت قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں طاقتور اور بڑی تھیں۔ جب آپ ﷺ کپڑے اتارتے تو آپ ﷺ کے بدن سے نور پھوٹتا محسوس ہوتا تھا۔ سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی اس کے علاوہ باقی سینے اور پیٹ مبارک پر بال نہ تھے۔ البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر مناسب مقدار میں بال تھے۔

آپ ﷺ کی کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔ دونوں ہتھیلیاں اور قدم مبارک پُر گوشت اور نرم تھے۔ اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپ ﷺ کے اعصاب برابر تھے اور تلوے قدرے گہرے کہ چلتے ہوئے زمین کو نہیں لگتے تھے۔ آپ ﷺ کے قدم مبارک بالکل ہموار اور ایسے صاف شفاف تھے کہ چکناہٹ کی وجہ سے ان پر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔

جب آپ ﷺ چلتے تو قدم کو مضبوطی سے اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تواضع کے ساتھ چلتے، اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے کی بجائے نسبتاً لمبے قدم اٹھاتے۔ آپ ﷺ کو چلتے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں، اور جب آپ ﷺ کسی کی طرف دیکھتے تو پورا بدن گھما کر دیکھتے کن اکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہیں تھی۔

آپ ﷺ کی نگاہ آسمان کی بجائے زمین پر رہتی تھی اور آپ کا عام معمول گوشہ چشم سے دیکھنے کا تھا (یعنی شرم وحیا کی وجہ سے پورا سر اٹھا کر اور نگاہ بھر کر نہیں دیکھتے تھے) آپ ﷺ چلنے میں اپنے اصحاب کو آگے کر دیتے اور جس سے بھی ملتے سلام کرنے میں پہل کرتے۔

حضرت حسن نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آں حضرت ﷺ کے بات چیت کرنے کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

آں حضرت ﷺ ہر وقت آخرت کے متعلق غمگین رہتے، اور اسی میں غور وفکر کرتے رہتے، کسی پل آپ ﷺ کو چین نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ اکثر اوقات خاموش رہتے اور بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ اور جب بولتے تو بالکل صاف اور سمجھا کر بات کرتے (یعنی بولتے ہوئے آپ ﷺ کے لفظ کٹتے نہیں تھے) آپ ﷺ مختصر اور پر مغز گفتگو فرماتے، نہ تو بہت زیادہ لمبی گفتگو فرماتے کہ سننے والا اکتا جائے اور نہ اتنی مختصر کہ مخاطب سمجھ ہی نہ سکے۔ آپ ﷺ کی بات ہر معاملے میں حرف آخر ہوتی تھی، جس کے بعد کسی بات کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

آپ ﷺ کا مزاج مبارک بالکل نرم تھا، اس میں سختی نہ تھی، اور نہ ہی آپ ﷺ کسی کی توہین فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت چاہے تھوڑی ہوتی یا زیادہ آپ ﷺ اس کی

قدر فرماتے اور کسی نعمت کی ناشکری اور برائی نہیں کرتے تھے۔ البتہ کھانے کی چیز کی نہ مذمت کرتے اور نہ تعریف فرماتے (برائی تو اس لیے نہیں فرماتے تھے کہ وہ نعمت ہے اور زیادہ تعریف اس لیے نہیں کرتے تھے کہ تعریف اکثر حرص اور طلب لذت کے لیے کی جاتی ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے لیے نہ کبھی غصہ ہوتے اور نہ ہی کسی سے انتقام لیتے، البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں رکاوٹ بنتا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ بہت شدید ہوتا اور اسے کوئی نہیں جھیل سکتا تھا۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا نہ کرا لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دوران گفتگو اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے۔ اور جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے۔ بات کرتے ہوئے جب ہاتھ ہلاتے تو کبھی دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے تھے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی پر غصہ آتا تو دوسری طرف منہ پھیر لیتے۔ جب خاموش ہوتے تو حیاء کی وجہ سے نظریں جھکائے رکھتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنستے ہوئے زیادہ تر تبسم ہی فرمایا کرتے تھے۔ اور جب کبھی ہنستے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روشن اور چمکدار دانت مبارک ظاہر ہوتے تو ایسا لگتا جیسے بارش کے اولے ہوں۔

وصل (۲)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن اور اوقات کی تقسیم کار

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک طویل عرصے تک (اپنے چھوٹے بھائی) حسین (رضی اللہ عنہ) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اوصاف حمیدہ کا تذکرہ نہیں کیا، لیکن جب میں نے کسی موقع پر ان کے سامنے ان صفات کا تذکرہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی والد صاحب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھر میں آمد و رفت اور نشست و برخاست کے بارے میں سب کچھ پوچھ چکے ہیں۔ اور انہوں نے ایک ایک بات کی تحقیق کی ہے۔

چناں چہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں تشریف فرما ہونے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر جانے کی اجازت تھی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، مگر اس کے باوجود بھی جو وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں گزارتے اسے تین حصوں میں تقسیم کر لیتے:

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے۔ ایک حصہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے (جیسے ان سے ہنسنا بولنا وغیرہ) اور ایک حصہ اپنے آرام کے لیے خاص کر لیتے۔

لیکن پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حصے کو بھی اپنے اور لوگوں کے مابین تقسیم کر لیتے۔ (یعنی اپنے آرام کے لیے مخصوص کردہ وقت میں سے بھی بہت سا وقت امت کے کام میں صرف فرماتے) اور اس خاص وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر اصحاب علم و فضل سے ملاقات کو ترجیح دیتے تھے (یعنی اس وقت خاص میں عام لوگ تو نہیں آسکتے تھے مگر خاص حضرات حاضر خدمت ہو کر دین کی باتیں سنتے اور عام لوگوں تک پہنچا دیتے۔ اس طرح خاص و عام دونوں کے لیے یہ وقت نافع بن جاتا تھا)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کی دینی ضرورت کا لحاظ کر کے اسے وقت عنایت فرماتے، کسی کی ایک حاجت ہوتی، کسی کی دو، اور کوئی بہت سی ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبھی کی ضروریات پوری فرماتے۔ اور ان کو اس طرح کے کام میں لگاتے جس کا نفع صرف ان کی اپنی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ اس کام میں لگاتے جس میں ساری امت کا فائدہ اور سب کی اصلاح ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صحابۂ کرام سے عام مسلمانوں کی دینی حالت معلوم کرتے اور ان کی درست سمت میں رہنمائی فرماتے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس میں بیٹھنے والوں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے:

جو حضرات یہاں موجود ہیں وہ یہ احکامات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس مجلس میں

موجود نہیں ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد فرماتے: جو شخص اپنی کوئی حاجت کسی عذر (مثلاً پردہ، کمزوری ضعف یا فاصلے) کی وجہ سے نہ پہنچا سکے تو! تم لوگ اس کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو کیوں کہ جو شخص کسی حاجت مند کی ضرورت سے حاکم کو آگاہ کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پل صراط پر اسے ثابت قدم رکھیں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک مجلس میں اسی قسم کی مفید باتیں ہوتی تھیں جو ہر خاص و عام کے لیے نافع ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے کار اور فضول باتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت سفیان بن وکیع کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ صحابۂ کرام آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دین کی باتیں پوچھنے آتے اور کچھ نہ کچھ کھا کر واپس جاتے (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کی باتیں سکھانے کے ساتھ ساتھ اگر میسر کوئی چیز ہوتی تو وہ بھی کھلا دیتے تھے) اور یہ حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک مجلس سے لوگوں کے ہادی اور رہنما بن کر باہر نکلتے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر کے معمولات پوچھے تو انھوں نے فرمایا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان کی حفاظت کرتے اور ضرورت کے علاوہ کلام نہ فرماتے، لوگوں کی دل جوئی کرتے۔ اور اگر کبھی کسی کو تنبیہ کرنی پڑتی تو انتہائی نرمی سے سمجھاتے۔ ایسا سخت رویہ نہ اپناتے جو ان کو اسلام سے دور کردے۔ ہر قوم کے سردار کا اعزاز و اکرام کرتے اور اسے اس کی قوم کا سردار ہی رہنے دیتے۔ لوگوں کو تکلیف دہ امور سے بچنے کی تاکید فرماتے اور خود کو بھی ان کے شر سے بچانے کی تدبیر کرتے۔ لیکن کسی کے ساتھ بھی خندہ پیشانی اور حسن خلق میں کمی نہ آنے دیتے۔

صحابۂ کرام کی خبر گیری کرتے۔ اچھی بات پر ان کی حوصلہ افزائی کے لیے تعریف کرتے۔ اور اگر کوئی بری چیز دیکھنے میں آتی تو اس کی برائی بیان کرکے اس سے بچنے کی تاکید کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کام میں بے انتظامی نہیں ہوتی تھی۔ ہر کام اعتدال اور سلیقے کے ساتھ ہوتا تھا۔

لوگوں کی اصلاح وتربیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کمی نہ فرماتے کیوں کہ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑا جاتا، تو یا وہ دین سے غافل ہو جاتے یا بعض امور میں اعتدال سے زیادہ مشغول ہو جاتے اور پھر بالآخر اس سے اکتا جاتے۔ ہر کام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک خاص انتظام تھا۔

حق بات کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہ رکتے، اور نہ ہی اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے سب ہی لوگ انسانیت جوہر ہوتے تھے لیکن) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب سے افضل وہ شخص ہوتا جو سب کا خیر خواہ ہوتا۔ نیز لوگوں کے غموں میں زیادہ شریک ہونے اور ان کی ساتھ ہمدردی کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب سے اونچے مرتبے کا حامل تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے متعلق دریافت کیا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ میں مشغول رہتے، اور اپنی نشست کے لیے کوئی جگہ خاص نہ فرماتے اور لوگوں کو بھی اس سے منع کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے اور صحابۂ کرام کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی حکم فرماتے کہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جایا کریں۔

مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کا حق ادا کرتے اور پوری توجہ دیتے، یہاں تک کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ میرا اکرام فرما رہے ہیں۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہوتا تو جب تک وہ خود اجازت نہ مانگتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے علیحدہ نہ ہوتے، اگر کوئی ضرورت مند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی ضرورت پوری کرتے۔ اور اگر وہ چیز نہ ہوتی تو نرمی سے جواب دے دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے پیش آتے اور لوگوں کے ساتھ والد جیسی شفقت سے فرماتے۔ حق بات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب

برابر تھے، اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ تھا (یعنی صرف تقوی کی وجہ سے بعض حضرات کو دوسروں پر فضیلت دیتے تھے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کی مجلس حلم و علم، حیا و صبر اور امانت والی مجلس ہوتی تھی جس میں نہ شور ہوتا تھا، نہ کسی کی بے عزتی کی جاتی تھی اور نہ دوسروں کی غلطیوں کی اشاعت کی جاتی تھی۔ تمام اہل مجلس آپس میں برابر شمار کیے جاتے، اور تقویٰ کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتے۔ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے، ضرورت مندوں کی مدد کرتے اور اجنبی مسافروں کی خبر گیری اور معاونت کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا اہل مجلس والوں کے ساتھ برتاؤ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آں حضرت ﷺ اہل مجلس سے کس قسم کا برتاؤ کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا:

نبی کریم ﷺ اہل مجلس کے ساتھ بہت ہی خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے پیش آتے تھے، آپ ﷺ کا مزاج مبارک نرم تھا، کسی بات میں لوگوں کو اگر یہ ضرورت ہوتی کہ آپ ﷺ ان کی حمایت کریں تو آپ ﷺ آسانی سے ان کے ساتھ مل جاتے تھے۔ آپ ﷺ نہ سخت دل تھے نہ سختی سے بات کرتے تھے، نہ چلا کر بولتے تھے اور نہ گالم گلوچ کرتے تھے، نہ لوگوں کے عیب بیان کرتے اور نہ بے جا تعریف کرتے تھے، آپ ﷺ کو جو بات ناپسند ہوتی آپ ﷺ اس سے اس طرح بے توجہی فرماتے کہ گویا وہ بات سنی ہی نہیں۔

آں حضرت ﷺ نے خود کو تین باتوں سے بچا رکھا تھا:

(۱) دکھلاوے سے (۲) زیادہ باتیں کرنے سے (۳) بے کار باتیں کرنے سے۔

اور تین چیزوں سے دوسرں کو بچا رکھا تھا:

(۱) کسی کی مذمت کرنے سے (۲) کسی کو عار دلانے سے (۳) کسی کا عیب تلاش کرنے سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف وہی گفتگو فرماتے جس میں ثواب ملتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے تو سننے والے اس طرح سر جھکا کر بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (جو ذرا سی جنبش سے اڑ جائیں گے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جاتے تو پھر جسے کوئی بات کرنی ہوتی وہ عرض کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے آپس میں جھگڑتے نہیں تھے، جب ان میں سے کوئی ایک شخص بات شروع کرتا تو جس وقت تک وہ اپنی بات مکمل نہ کر لیتا سب خاموش رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے۔ اگر ہنسنے والی بات ہوتی تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تبسم فرماتے اور جو بات قابل تعجب ہوتی اس پر تعجب فرماتے، مجلس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل خاموش نہیں بیٹھے رہتے تھے بلکہ دوسرے حضرات کی طرح شریک گفتگو ہوتے تھے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بے علم دیہاتی بھی مجلس میں آجاتے اور اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے مسائل پوچھنے میں (دیہاتی طریقہ کے مطابق) نامناسب رویہ اختیار کرتے اور بعض ایسے سوالات بھی کر لیتے جو عام صحابۂ کرام جھجک اور بے ادبی کے خوف کی وجہ سے نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سچی طلب کی قدر فرماتے اور ان سے مناسب انداز سے درگزر فرماتے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورت مند کی مدد کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، اپنی تعریف کو پسند نہ فرماتے، ہاں اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک کے بدلے میں تعریف کرتا تو خاموش رہتے کیوں کہ احسان پر شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران کلام کسی کو ٹوکتے نہیں تھے، البتہ اگر کوئی شخص غیر ضروری بات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے منع کر دیتے یا اسے خاموش کرانے کے لیے مجلس سے اٹھ جاتے۔

آں حضرت ﷺ کی خاموشی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی چار وجہ سے ہوتی تھی۔

(۱) حلم کی وجہ سے: یعنی کوئی بات ایسی نہ ہوتی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضب ناک کر دیتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپے سے باہر ہو جاتے۔

(۲) انداز کی رعایت کی وجہ سے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف یکساں متوجہ رہتے۔ اور ہر ایک کی پریشانی یکساں طور پر سنتے۔

(۳) تفکر کی وجہ سے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت آخرت کے امور کے بارے میں متفکر رہتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے فنا ہونے کو بھی سوچتے رہتے تھے۔

(۴) بیدار مغزی کی وجہ سے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیدار مغزی کے سبب چار چیزوں کا خاص خیال فرماتے:

ا۔ اچھے کام اختیار فرماتے تا کہ دوسرے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کر سکیں۔

ب: بری بات کو چھوڑ دیتے تا کہ اور لوگ بھی باز رہیں۔

ج: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی بہتری کے لیے ہمہ وقت متفکر رہتے۔

د: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمہ وقت امت کے ان کاموں میں لگے رہتے جن سے ان کی دنیا و آخرت دونوں کی بہتری ہوتی۔

وصل (۳)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ

کتب احادیث میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک تفصیلاً مذکور ہے۔ جسے ہم حصول ثواب کی غرض سے ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر سمرۃ رضی اللہ عنہ بن، حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت

معرض رضی اللہ عنہ بن معیقیب، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، حضرت عداء رضی اللہ عنہ بن خالد، حضرت خریم رضی اللہ عنہ بن فاتک اور حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام روایت کرتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک چمکدار، آنکھیں بڑی، پتلیاں بہت سیاہ اور آنکھ میں سرخ رنگ کے ڈورے تھے۔ آپ ﷺ کی پلکیں دراز، ابرو خمدار اور آپس میں ملی ہوئی نہیں تھیں بلکہ ان میں تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ ناک مبارک بلندی کی طرف مائل تھی۔ دانت بالکل ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان میں کچھ فاصلہ تھا (جس سے ان کی خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا تھا) آپ ﷺ کا چہرہ انور گول تھا جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی جو سارے سینہ مبارک پر پھیلی ہوئی تھی، آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ اور پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھے، دونوں کندھے بڑے اور ہڈیاں مضبوط تھیں۔ آپ ﷺ کی کلائیاں اور پنڈلیاں وغیرہ گٹھی ہوئی تھیں، دونوں ہتھیلیاں اور پاؤں مبارک کشادہ تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی، آپ ﷺ کا قد مبارک میانہ تھا۔ نہ تو بہت زیادہ لمبا اور نہ ٹھگنا کہ اعضا ایک دوسرے میں دھنسے ہوئے ہوں۔ لیکن دیکھنے میں آپ ﷺ کا قد لمبا معلوم ہوتا تھا۔

چلنے میں کوئی شخص بھی آپ ﷺ کا ساتھ نہ دے سکتا تھا (آپ ﷺ کی رفتار میں تیزی تو تھی مگر اس میں تکلف نہ تھا) آپ ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ گھنگریالے، بلکہ ان میں تھوڑا سا خم تھا۔ جب تبسم کے دوران (یا بات کرتے ہوئے) آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے بجلی چمک رہی ہو یا جیسے بارش کے اولے ہوں۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے ایک نور سا نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا، آپ ﷺ کی گردن مبارک نہایت خوبصورت تھی، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک نہ پھولا ہوا تھا اور نہ بالکل گول بلکہ اس میں ہلکی سی گولائی تھی، آپ ﷺ کا جسم مبارک گٹھا ہوا اور اعضا متناسب تھے۔

دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں سفیدی کے ساتھ سرخی تھی۔ آپ ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ آپ ﷺ جب چلتے تو پورا پاؤں زمین پر

رکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوے زیادہ گہرے نہیں تھے۔ (کتاب الشفاء ملخصاً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں ہتھیلیاں اور قدم مبارک پر گوشت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک بڑا اور جوڑوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک نہ تو بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک گٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک گولائی لیے ہوئے تھا، رنگ مبارک سفید تھا اور اس میں سرخی چمکتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے اور ان کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر بال نہ تھے البتہ سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی جانب دیکھنا چاہتے تو پورا بدن گھماتے صرف گردن گھما کر نہیں دیکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ (شمائل ترمذی)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی طرف دیکھتے تو ایسا لگتا جیسے آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہے حالاں کہ سرمہ لگا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید تھا جس میں ملاحت تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد، متناسب اعضا اور گندمی رنگ والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کان کی لو تک بڑھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ دھاری دار جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ نہ بالکل سفید تھا اور نہ ہی زیادہ سانولا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس برس کی عمر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنایا۔ پھر تیرہ برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رہے (کما قالہ ابن عباس) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور تریسٹھ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہو گئی۔ (کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہ)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات تریسٹھ برس کی ہی ہیں۔

تریسٹھ برس کی عمر میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک اور سر کے بال سیاہ تھے۔ اور وفات کے وقت تک ڈاڑھی اور سر کے ملا کر کل سترہ بال سفید تھے، باقی سب سیاہ تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا، وہ کبوتر کے انڈے کی طرح سرخ اور ابھری ہوئی تھی۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید فرماتے ہیں کہ مہر نبوت مسہری کی گھنڈی جیسی تھی۔

حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہرِ نبوت بالوں کا مجموعہ تھی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر گوشت کا ایک ٹکڑا ابھرا ہوا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مہرِ نبوت مٹھی کی طرح تھی اور اس کے گرد مسوں کی مانند تل تھے۔ (یہ سب روایات ایک دوسرے کے خلاف نہیں، مہر نبوت میں ان سب اوصاف کا جمع ہونا ممکن ہے)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی بالوں والا (یعنی زلفوں والا) سرخ جوڑا پہنے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین و جمیل اور خوبصورت نہیں دیکھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں سورج چل رہا ہے اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بات کرتے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح صاف شفاف تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ سورج اور چاند کی مانند گول تھا۔ (تلوار کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ نقص تھا کہ وہ گول نہیں ہوتی)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور سے سب سے زیادہ جمیل اور نزدیک سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی مرتبہ ملتا مرعوب ہو جاتا اور جو شخص ملتا رہتا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔ میں نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا (صاحب کمال و صاحب جمال) نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد۔

وصل (۴)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی عنبر، کسی مشک اور کسی خوشبودار چیز کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں پایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے مصافحہ کرتے تو سارا دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی، اور اگر کسی بچے کے سر پر دست شفقت رکھ دیتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی خوشبو کے سبب دوسروں میں ممتاز ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر پر آرام فرما تھے، آپ کو پسینہ آیا تو ان کی والدہ اس پسینے کو ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمانے لگیں کہ اسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے، یہ پسینہ اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی راستے سے گزرتے (تو وہ راستہ خوشبو سے مہک جاتا) اور کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلتا تو خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خوشبو کسی عطر وغیرہ کی نہیں ہوتی تھی بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے پھوٹتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے سواری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھنے کا موقع ملا اور میں نے مہر نبوت کو بوسہ دیا تو اس سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلے کو نگل لیتی اور اس جگہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ خوشبو آنے لگتی تھی (کماروت عائشہ

رضی اللہ عنہا) اسی لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک تھے۔

جنگ احد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم کا خون چوس لیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کبھی جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے تو جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پی لیا، حضرت برکت رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب پیا تو وہ انہیں میٹھے اور نفیس پانی کی طرح لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناف کٹی ہوئی تھی اور سرمہ لگا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پاک صاف پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر کوئی آلودگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گہری نیند سے اٹھ کر بغیر وضو کیے بھی نماز ادا فرما لیتے تھے۔

وصل (۵)

آپ ﷺ کی بصارت و بصیرت

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ۷۱ کتابیں پڑھیں۔ سب میں یہ مضمون تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے عمدہ رائے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیرے میں بھی روشنی کی طرح دیکھتے تھے (کما روت عائشہ رضی اللہ عنہا)۔ دور سے بھی ایسے دیکھتے تھے جیسے نزدیک سے دیکھتے تھے، اور اپنے پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتے تھے جیسے سامنے سے دیکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ حبشہ میں دیکھ لیا تھا اور اس کی نماز جنازہ ادا کی تھی۔ (سفر معراج سے واپسی پر) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے سامنے بیت المقدس کا نقشہ بیان کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں بیٹھے بیٹھے بیت المقدس کو دیکھ لیا تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو اس وقت (مدینہ میں بیٹھے) خانہ کعبہ کو دیکھ لیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثریا پر گیارہ ستارے نظر آیا کرتے تھے۔

وصل (٦)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کی قوت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی قوت کی یہ کیفیت تھی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عرب کے مشہور پہلوان رکانہ کو کشتی میں شکست دے دی تھی۔ اس کا قصہ یوں ہوا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکانہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس شرط پر اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کشتی میں شکست دے دیں۔ چناں چہ وہ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے پر آیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تینوں بار ہی اسے شکست ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بلا تکلف) تیز چلتے تھے یوں لگتا تھا کہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لپیٹ دی گئ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت کوشش کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل سکیں لیکن باوجود کوشش کے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ دے سکتے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی اہتمام کے ہی تیز چلتے تھے اور ہم اہتمام کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ دے سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنستے نہیں تھے، صرف مسکراتے تھے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی طرف دیکھتے تو مکمل گھومتے تھے۔ صرف گردن نہیں گھماتے تھے۔

وصل (٧)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جامع کلمات عطا فرمائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تمام روئے زمین کو مسجد (جہاں چاہیں نماز ادا فرمالیں) اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا گیا (یعنی پاک مٹی سے تیمّم کی اجازت دی گئی)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کبری اور مقام محمود سے نوازا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن وانس اور تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔

وصل (٨)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو، کھانا اور بیٹھنا وغیرہ

آں حضرت ﷺ عرب کی سب زبانیں جانتے تھے۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ شیریں اور واضح گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ نہ بہت زیادہ گفتگو فرماتے تھے نہ بہت کم۔ آپ ﷺ کی گفتگو ایسے ہوتی تھی جیسے (کسی لڑی میں) موتی کے دانے پرو دیے گئے ہوں۔

آں حضرت ﷺ کم کھاتے اور کم سوتے تھے۔ کھاتے ہوئے کسی قسم کی ٹیک نہیں لگاتے تھے نہ گدے وغیرہ کی اور نہ ہاتھ کی۔ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں غلام کی طرح کھاتا اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں۔

آں حضرت ﷺ داہنی کروٹ پر سویا کرتے تھے کیوں کہ اس سے کم سونے میں مدد ملتی ہے۔

وصل (۹)

آپ ﷺ کی بعض صفات

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو تیس مردوں کے برابر قوت عطا کی گئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو ہمبستری میں چالیس مردوں کی قوت دی گئی تھی۔

آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اور لوگوں پر چار چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے:

(۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) مردانہ قوت (۴) مقابل پر غلبہ۔

نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ ﷺ وجیہ تھے اور بعد میں بھی۔

حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو ہیبت سے کانپنے لگیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے مسکین خاتون! اپنے دل کو قابو رکھ (یعنی ڈرو مت)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عقبہ بن عمرو آپ ﷺ کے سامنے

کھڑے ہوئے تو خوف سے کانپنے لگے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: مطمئن رہو! میں کوئی جابر بادشاہ نہیں ہوں۔

نبی کریم ﷺ کو (عالم کشف میں) روئے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں حجاز، یمن، تمام جزیرہ عرب، شام کے نواحی علاقے اور عراق فتح ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ، صدقات اور عشر پیش کیے جاتے تھے اور بادشاہوں کی طرف سے بھیجے گئے ہدایا بھی پیش ہوتے تھے لیکن آں حضرت ﷺ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ فرماتے اور مسلمانوں کو عطا فرما دیتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اگر میرے لیے احد پہاڑ سونا بن جائے تو رات تک اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس بچا رہے۔ جو کسی ضرورت مند کے لیے میں اپنے پاس رکھوں۔

یہ آپ ﷺ کی کمال سخاوت ہے۔ اور اسی سخاوت کی وجہ سے آپ ﷺ مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ مبارک اہل و عیال کے اخراجات میں گروی رکھی ہوئی تھی۔

آپ ﷺ اپنی ذاتی ضروریات لباس وغیرہ کے معاملے میں بقدر ضرورت پر اکتفا فرماتے تھے۔ اکثر اوقات آپ ﷺ موٹا کھیس اور موٹی چادر پہنتے اور (بسا اوقات) سونے کے تار والی دیباج کی قبائیں صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیتے۔ اور جو موجود نہ ہوتے ان کے لیے رکھ لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کریم ہے۔ اس کی خوشی آپ ﷺ کو خوش کرتی اور اس کی ناراضگی آپ ﷺ کو ناراض کرتی تھی (یعنی آپ کی خوشی اور ناراضگی قرآن کی تابع تھی) حتیٰ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ (ﷺ) خلق عظیم پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فطرت میں اعلیٰ اخلاق، سنجیدہ طبیعت، اور معتدل مزاج رکھ دیا تھا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پیدائش کے وقت آپ (ﷺ) کے دونوں ہاتھ زمین کی طرف کھلے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

وصل (۱۰)

آں حضرت ﷺ کی عصمت

آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: جب سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے بتوں اور شعر گوئی سے نفرت تھی، اور کسی خلاف شرع کام کا میرے دل میں کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ ہاں دو بار ایسا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی اور اس کے بعد کبھی دل میں بھی خیال پیدا نہیں ہوا۔

وصل (۱۱)

آپ ﷺ کے چند اوصاف

آپ ﷺ بے انتہا قوت برداشت کے مالک اور لوگوں کی اذیت رسانی پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ برائی کرنے والے سے درگزر کرتے اور بدسلوکی کرنے والے سے بھی حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے۔ جو آپ ﷺ کو نہ دیتا تھا آپ ﷺ اسے بھی عطا فرما دیتے تھے اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو بھی معاف فرما دیتے تھے۔

جب آپ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو امت کی رعایت کرتے ہوئے ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ جس کی اپنی طبیعت میں آسانی ہوتی ہے وہ دوسروں کے لیے بھی آسانی کو ہی پسند کرتا ہے۔

آں حضرت ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

جنگ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کو ایک پتھر کھینچ مارا جس سے آپ ﷺ کے دائیں جانب کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور آپ ﷺ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے ان کے حق میں بددعا کرنے کے لیے عرض کی تو آپ ﷺ نے بددعا کرنے کی بجائے یہ دعا فرمائی:

اے میرے رب! میری قوم کو ہدایت عطا کیجیے! وہ جانتے نہیں (سیرت ابن ہشام)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی مرد، عورت، خادم اور جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمادیا ہو۔

مَاقَالَ لَاقَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَھُّدِہٖ
لَوْ لَاالتُّشَھُّدُ کَانَتْ لَاؤُہٗ نَعَمْ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارکہ پر تشہد کے علاوہ کبھی ”نہیں“ کا لفظ نہیں آیا اور اگر تشہد میں ”لا“ نہ ہوتا تو آپ کا ”نہیں“ بھی ”ہاں“ ہی ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضعیفوں کا بوجھ اٹھالیتے، غریبوں کی کفالت کرتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے اور حق بات میں اس کی مدد فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ نوے ہزار درہم آئے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چٹائی پر رکھ دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرماتے رہے، اور کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا، یہاں تک کہ ساری دولت ختم ہو گئی۔ پھر ایک شخص آیا اور اس نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس تمہیں دینے کے لیے اب کوئی چیز نہیں بچی۔ اس طرح کرو کہ جس چیز کی تمہیں ضرورت ہے وہ میرے نام پر کسی سے ادھار خرید لو! جب میرے پاس پیسے آئیں گے تو میں یہ قرض چکادوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جو چیز آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قدرت میں نہیں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو ناپسند کیا۔ پھر ایک انصاری صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ! فراخی کے ساتھ خرچ کریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ ان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر پسندیدگی اور بشاشت کے آثار پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر کے کاموں میں تیز بارش برسانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

وصل (۱۲)

آں حضرت ﷺ کے اوصاف اور طرز معاشرت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بہادر، طاقتور، سخی اور خوش اخلاق شخص نہیں دیکھا۔ جنگ بدر میں (جس وقت لڑائی شدت اختیار کر جاتی تو) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آڑ میں پناہ لیتے تھے۔ اور جو شخص میدان جنگ میں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتا جس وقت آپ دشمن کے قریب ہوتے تھے تو وہ شخص بہت بہادر اور دلیر شمار ہوتا تھا کیوں کہ اسے بھی دشمن کے قریب رہنا پڑتا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپردہ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء والے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جسم مبارک بہت نرم اور لطیف تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص سے ناگوار بات نہ فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں سختی تھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ تکلف سخت بات کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں (بھی) خلاف وقار بات نہیں کرتے تھے، اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے کی بجائے معاف فرما دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شدت حیا کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہیں کسی کے چہرے پر نہیں ٹھہرتی تھیں۔ اگر کبھی ضرورت کی بنا پر کسی نامناسب چیز کا اظہار کرنا پڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارے سے بیان فرماتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ سچے، نرم طبیعت اور کھلے دل والے تھے۔ لوگوں سے میل جول میں بہت کریم تھے، مرد، عورت، غلام، آزاد اور باندی اور امیر غریب جو بھی دعوت دیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعوت قبول فرما لیتے اور ان کا ہدیہ قبول فرماتے اگرچہ وہ (ہدیہ یا دعوت کا کھانا) گائے یا بکری کا پایا ہی ہوتا۔ اور ہدایا کا بدلہ بھی دیتے تھے۔ مدینہ کے آخری کنارہ پر بھی کوئی مریض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مصافحہ کرنے میں پہل کرتے۔

آپ ﷺ کو مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا کہ جس سے دوسروں کے لیے جگہ تنگ ہو جائے۔ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا اس کا اکرام فرماتے، بعض اوقات اپنی چادر اس کے لیے بچھا دیتے اور خود گدہ تکیہ وغیرہ چھوڑ کر اسے دے دیتے۔ آپ ﷺ دوران کلام کسی کو ٹوکتے نہیں تھے۔ نزول وحی اور وعظ و خطبہ کے علاوہ آپ ﷺ بہت خوش مزاج ہوتے اور آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ بعض وفود کی آپ ﷺ خود خدمت فرماتے جیسا کہ نجاشی بادشاہ کے وفد کی آپ ﷺ نے خود خدمت فرمائی۔

آں حضرت ﷺ قیامت کے دن تمام اولاد آدم کے سردار ہوں گے، سب سے پہلے آپ ﷺ کی قبر مبارک کھلے گی اور آپ ﷺ باہر تشریف لائیں گے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ ہی شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

آپ ﷺ کے مزاج میں بہت زیادہ عاجزی تھی۔ آپ ﷺ گدھے پر بھی سوار ہو جاتے اور بسا اوقات اپنے ساتھ کسی کو سواری پر بھی بٹھا لیتے تھے۔ آپ ﷺ غریبوں کی عیادت کرتے، محتاجوں اور فقیروں کے پاس بیٹھتے، اپنے کپڑے میں جوں دیکھ لیتے (یعنی اگر کبھی یہ خیال ہوتا کہ کسی دوسرے کی جوں آپ پر نہ چڑھ گئی ہو تو اس کے دیکھنے کے لیے خادم کا انتظار نہ فرماتے بلکہ خود ہی دیکھ لیتے) اپنی بکری کا دودھ خود نکال لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، جوتی سی لیتے اور گھر کے کام کاج بھی خود فرما لیا کرتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے، خادم کے ساتھ کھانا کھا لیتے، اس کے ساتھ آٹا گندھوا دیتے اور بازار سے اپنا سودا خود لے آتے تھے۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ سچے، عادل، احسان کرنے والے اور پاک دامن تھے۔ یہاں تک کہ جب جنگ بدر میں اخنس بن شریق نے ابو جہل سے پوچھا کہ یہاں میری اور تیری بات سننے والا کوئی شخص موجود نہیں تو مجھے یہ بتا کہ محمد (ﷺ) جھوٹے ہیں یا سچے؟ تو ابو جہل نے آپ ﷺ کا جانی دشمن ہونے کے باوجود یہی جواب دیا کہ خدا کی قسم! محمد ﷺ سچے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

وصل (۱۳)

آپ ﷺ کی چند عادات مبارکہ

حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے تھے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آں حضرت ﷺ مجلس میں بیٹھتے تو اکثر اوقات دونوں پاؤں کھڑے کرکے ان کے گرد ہاتھوں سے حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے۔ (یہ بیٹھنے کا بہت ہی متواضعانہ انداز ہے)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چہار زانو بھی بیٹھتے تھے اور بعض اوقات بغل میں ہاتھ دے کر اکڑوں بھی بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ نہ بہت تیز چلتے تھے نہ آہستہ۔ آپ کی طبیعت میں گھبراہٹ اور سستی نہیں بلکہ طمانینت ہوتی تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گفتگو بالکل واضح ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ اس طرح بات فرماتے تھے کہ اگر کوئی (آپ ﷺ کے الفاظ) شمار کرنا چاہتا تو آسانی سے شمار کرسکتا تھا۔ آپ ﷺ خوشبودار چیز کو پسند فرماتے اور کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کے استعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ ﷺ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک نہیں مارتے تھے۔

آپ ﷺ کو انگلیوں اور جوڑوں کی ہڈیاں صاف رکھنا پسند تھیں۔ (کیوں کہ عام طور پر یہاں میل جمع ہو جاتا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ کا بستر ایک ٹاٹ تھا۔ اور گاہے آپ ﷺ چارپائی پر بھی آرام فرماتے جو کھجور کے بان کی بنی ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ

کے پہلوؤں پر اس کا نشان پڑ جاتا تھا۔

وصل (۱۴)

آپ ﷺ کی گزر اوقات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، آپ ﷺ کو امیری سے زیادہ فاقہ پسند تھا۔ آپ ﷺ دن بھر بھوکے رہتے اور ساری رات بھوک سے کروٹیں بدلتے گزار دیتے۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو آپ ﷺ کو زندگی کی ہر عیش میسر آسکتی تھی اور روئے زمین کے خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو سکتے تھے لیکن آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ مجھے دنیا سے کیا لینا۔ مجھ سے پہلے میرے بھائیوں (انبیاء علیہم السلام) نے اس سے زیادہ سخت حالت پر صبر کیا اور اسی حالت میں دنیا سے چلے گئے۔

وصل (۱۵)

خوف خداوندی

آں حضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کاش! میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔ آپ ﷺ اس قدر نفل نماز پڑھتے کہ قدم مبارک سوج جاتے تھے، آپ ﷺ کی اس حالت پر ترس کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ (ﷺ) مشکل میں پڑ جائیں) آپ ﷺ نماز پڑھتے تو (شدت غم کی وجہ سے) آپ ﷺ کے سینے سے ہنڈیا کے پکنے کی طرح آواز آتی تھی۔ آپ ﷺ آخرت کی فکر میں ہر وقت غمگین رہتے اور آپ کو کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ دن میں سو یا ستر مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔

یہ استغفار یا تو امت کو سکھانے کے لیے تھا یا اس استغفار سے امت کی مغفرت مقصود تھی اور یا پھر آپ ﷺ اس لیے استغفار فرماتے تھے کہ چوں کہ ہر آن اور ہر لمحہ آپ ﷺ

کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب کی ترقیات نصیب ہوتی تھیں اور اس قرب میں روز بروز اضافہ ہوتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ اپنی سابقہ کم ترقی والی حالت دیکھ کر استغفار فرماتے تھے کیوں کہ قاعدہ ہے **حسنات الابرار سیئات المقربین** (عام) نیک لوگ جسے نیکیاں سمجھتے ہیں، مقربین (خاص لوگ) اسے بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

وصل (۱۶)

آپ ﷺ کا حسن وجمال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی تمہارے نبی سے زیادہ خوبصورت اور اچھی آواز والا نہیں بھیجا۔

(لیکن اتنے حسن وجمال کے باوجود) عام لوگ آپ ﷺ پر اس طرح عاشق نہیں ہوئے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر ہوئے تھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے آپ ﷺ کا حسن وجمال لوگوں پر پوری طرح ظاہر نہیں فرمایا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن بھی جس درجہ کا تھا اتنا حضرت یعقوب علیہ السلام یا زلیخا کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں فرمایا۔

وصل (۱۷)

آپ ﷺ کی متواضع اور پاکیزہ طبیعت

آپ ﷺ نہایت بردبار تھے، نہ کسی کو گالی دیتے نہ سخت بات فرماتے اور نہ ہی لعنت کی بددعا دیتے تھے۔ آپ ﷺ قریبی جگہ جانے کے لیے گدھے اور دور جانے کے لیے اونٹنی پر سفر کرتے تھے۔ جنگ کے دوران خچر پر سوار ہوتے تھے۔ اور اگر کوئی مدد کے لیے پکارتا تو جلد پہنچنے کے لیے گھوڑا استعمال فرماتے تھے۔ جنگ میں ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے گھوڑے کی بجائے آپ ﷺ خچر پر سواری فرماتے کیوں کہ وہ تیز نہیں بھاگ سکتا۔ باقی معاملات میں تواضع کی وجہ سے گدھے پر سوار ہوتے۔ اور دور کے سفر میں جفاکش جانور کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اونٹ پر سواری فرماتے۔

آپ ﷺ اپنے پرائے سب ہی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، جاہل کی بد تمیزی پر صبر فرماتے اور گھر کے کاموں میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے، چادر اوڑھنے میں اس بات کا خیال رکھتے کہ اس میں سے ہاتھ پاؤں دکھائی نہ دیں (شاید بیٹھنے کی حالت میں ایسا ہوتا ہو) آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور انصاف سب کے لیے عام تھا۔ آپ ﷺ غصے میں بے قابو نہیں ہوتے تھے اور کسی کے خلاف کوئی بات دل میں نہ رکھتے۔ جب آپ ﷺ کی آنکھوں نے بھی کبھی خیانت نہیں کی تو دل کی خیانت کا کیا احتمال۔

آپ ﷺ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں اور محققین کے مطابق صغیرہ سے بھی محفوظ تھے۔ آپ ﷺ نے جان بوجھ کر، بھول کر، صحت میں، بیماری میں، سنجیدگی میں، مزاح میں، خوشی میں اور غصے میں کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی اور نہ ہی خلاف حق کوئی بات کہی۔

وصل (۱۸)

آپ ﷺ کی زیبائش

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے سر کے بال چار بڑے حصوں میں تقسیم تھے۔ (شروع میں آپ ﷺ بغیر مانگ نکالے بالوں کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے، بعد میں مانگ نکالنے لگے تھے)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز کنگھا کرتے اور ایک روز ناغہ فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا (بال سفید نہ ہونے کی وجہ سے) آپ ﷺ کو خضاب لگانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، دونوں کنپٹیوں پر گنتی کے چند بال سفید تھے۔ البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور نیل کا خضاب لگایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بڑھاپے میں آپ ﷺ کے بال سرخ ہو گئے تھے۔

محققین نے ان دونوں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے بال پکنے تو لگے تھے مگر بہت کم پکے تھے، کچھ بال سرخ ہو گئے تھے اور کچھ سفید، ان سفید بالوں کو آپ ﷺ نے جان

بوجھ کر خضاب نہیں لگایا ہوگا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سر درد کے وقت سر پر اکثر مہندی لگا لیا کرتے تھے جس سے وہ سفید بال سرخ ہو گئے ہوں گے، اس طرح سب روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے دونوں آنکھوں میں تین تین مرتبہ سرمہ لگاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفید کپڑا اور کرتہ بہت پسند تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آستین گٹے تک ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمنی چادر کو پسند فرماتے تھے اور بعض اوقات بالوں والی سیاہ چادر بھی پہنتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنگ آستین کا رومی جبہ بھی زیب تن فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چمڑے کے سیاہ موزے بھی پہنے اور دوران وضو ان پر مسح بھی فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے۔ ایک انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی میں اور دوسرا درمیان والی انگلی میں اور برابر والی انگلی میں۔ ایڑی کے پیچھے والا تسمہ دہرا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بال صاف کیے ہوئے چمڑے کے جوتے بھی پہنتے اور وضو کے بعد ان پر پاؤں بھی رکھ لیتے تھے۔ اور گاہے آپ گٹھے ہوئے جوتے میں نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چاندی کی انگوٹھی تھی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر لگاتے تھے اور کبھی کبھار پہن بھی لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس انگوٹھی کا نگینہ “حبشی” تھا۔

اس کے دو مطلب ہیں یا تو وہ پتھر ملک حبشہ کا تھا یا پھر حبشیوں کی طرح اس کا رنگ سیاہ تھا۔ اور وہ پتھر مہرہ یمانی یا عقیق تھا۔

ان ہی سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ (میرے نزدیک اس سے مراد نگینہ رکھنے کا حلقہ ہے، یعنی وہ سونے وغیرہ کا نہ تھا بلکہ چاندی ہی کا تھا)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

انگوٹھی پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا محمد ایک سطر پر رسول ایک سطر پر اور اللہ ایک سطر پر۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلا تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنی حنیفہ کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے دستے کی گھنڈی (یعنی تلوار میں جس جگہ ہاتھ ہوتا ہے اس کے سرے پر جو روک ہوتی ہے) چاندی کی تھی۔ (یہ جگہ چوں کہ ہاتھ سے مس نہیں کرتی اس لیے چاندی کی ہونے میں کوئی حرج نہیں) جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو زرہیں اور فتح مکہ کے دن خود (لوہے کی ٹوپی) پہنا ہوا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملے کو دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے تھے، اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر شملے کے عمامہ باندھتے تھے اور کبھی ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے اور کبھی بغیر ٹوپی کے اور کبھی عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی ہی پہن لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھی پنڈلی تک چادر باندھتے تھے اس سے نیچے باندھنے کی بھی اجازت دی مگر ٹخنوں سے اوپر اوپر تک۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تو دونوں پاؤں کھڑے کرکے ان کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر چت بھی لیٹ جاتے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بائیں کروٹ پر تکیے سے سہارا لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک قطری (بحرین کے علاقے کا) کپڑا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حالت میں لوگوں کو نماز بھی پڑھائی۔

وصل (۱۹)

کھانے سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات

کھانے سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور فارغ ہو کر انہیں چاٹ لیتے تھے۔ اور اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی میز پر کھانا کھایا اور نہ چھوٹی پلیٹ میں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چپاتی کبھی نہیں بنی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکہ، زیتون کا تیل اور میٹھی چیز، اور شہد اور کدو کو پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرغ، سرخاب، بکری، اونٹ اور گائے کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثرید کو پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلفل (سیاہ مرچ) کا مصالحہ بھی کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچی تازہ کھجوریں، چھوارے، چقندر حیس اور (کھجور گھی اور پنیر کا مالیدہ) بھی کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھرچن بھی پسند تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککڑی کے ساتھ کھجور کھاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور فرماتے: کھجور کی گرمی کا تربوز کی سردی سے علاج ہو جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھنڈا میٹھا پانی پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجوروں کو پانی میں ڈال دیتے اور اس سے میٹھے ہونے والے پانی کو نوش فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ اور پانی سب کو لکڑی کے ایک ہی پیالے میں پیتے تھے، جس پر لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: دودھ کے علاوہ کوئی چیز نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کے کام آسکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آب زمزم کھڑے ہو کر پیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (درمیان

میں) دو بار سانس لیتے اور بخاری میں ہے کہ تین بار سانس لیتے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کے لیے لیٹتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں گال کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ اور سوتے وقت ہلکی سی خراٹے کی آواز آتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ایک کمبل تھا، جسے ہم دوہرا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر آرام فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریضوں کی عیادت کرتے، جنازے میں شریک ہوتے، گدھے پر سواری کر لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ غزوہ بنی قریظہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی بنی ہوئی تھی، اور پالان بھی اسی کا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ جایا کرتے، اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مجھے بکری کی دستی کا گوشت کھلانے کی دعوت دے تو میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا تھا۔ اور اس پالان پر ایک کملی تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ دعا تھی کہ اے اللہ! اس حج کو ریا سے پاک فرما اور قبول فرما۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس کے بدلے ہدیہ دیتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ پر پورا ایک مہینہ اس حالت میں گزرا ہے کہ میرے پاس ماسوا اتنی مقدار کے جو بلال کی بغل میں آجائے ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس صبح یا شام کے کھانے میں کبھی روٹی اور گوشت ایک ساتھ جمع نہیں ہوئے۔ البتہ یہ اکثر ہوا کہ کھانے والے زیادہ ہوتے اور کھانا کم ہوتا۔

وصل (۲۰)

آپ ﷺ کی رحلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی آخری زیارت کا منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ ﷺ نے پیر کے دن (اپنے حجرے کا) پردہ اٹھا کر یا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک قرآن پاک کے ورق کی طرح (پاک صاف) تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنا منہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان اور اپنے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کی کلائی پر رکھ کر آپ ﷺ کے چہرے کا بوسہ لیا اور فرمایا: ہائے میرے نبی! ہائے میرے صفی! ہائے میرے دوست!

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پیر کے دن وفات پائی۔ اور پیر اور منگل کو (شدت غم کی وجہ سے) تدفین نہ ہو سکی۔ پھر رات کے آخری حصے میں کدالوں سے زمین کھودی گئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پیر کے دن وفات پائی اور منگل کی رات کو تدفین ہو گئی۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تدفین بدھ کی رات کو ہوئی۔

وصل (۲۱)

آں حضرت ﷺ کی چند دیگر خصوصیات

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں کسی

چیز کو بھولتا نہیں ہوں مگر مجھے بھلا دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیشہ بیدار رہتا تھا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز قضا ہونے میں یہ حکمت تھی کہ امت کو نماز قضا کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

وصل (۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں دل لگی تو کرتا ہوں مگر اس میں بھی سچی بات ہی کہتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی ان سے ہنسی مذاق فرما لیا کرتے تھے۔ ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری کے لیے جانور مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ بچے کو میں کیا کروں گا؟ (لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ بڑا اونٹ بھی تو کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی تو وہ پریشان ہو گئی (حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورتوں کو جوان کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔)

وصل (۲۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء، اور سب سے آخری نبی اور رسول ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب تشریف لائیں گے تو شرعی احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع فرمائیں گے۔

وصل (۲۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری ضرورتیں پیش آنے کی حکمت

سب انسانوں کی طرح اس دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مشقت اور تکالیف، مرض، درد، سردی، گرمی، بھوک اور پیاس کی شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ بھی آیا، تھکن بھی ہوئی، کمزوری بھی ہوئی، طبیعت بھی اداس ہوئی۔ بڑھاپا بھی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے گرے تو خراش بھی آئی۔ جنگ احد میں کفار کے ہاتھوں زخمی بھی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر بھی دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو بھی کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوا بھی استعمال فرمائی، پچھنے (علاج کا ایک طریقہ ہے جس میں بدن سے خون نکالتے ہیں) بھی لگوائے، اور دم وغیرہ کا استعمال بھی کیا اور اس طرح اسی فانی دنیا میں اپنی زندگی بسر کر کے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اور دنیا کی مشقتوں سے آزاد ہو گئے۔

کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچائی۔ جنگ احد میں بدر بن قمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پتھر مارا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گال مبارک زخمی ہو گیا اور لوہے کے خود کی دو کڑیاں اس میں گھس گئیں تو اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار ثور میں چھپے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے غورث بن حارث کی تلوار، ابو جہل کے پتھر، سراقہ بن مالک کے گھوڑے، لبید بن اعصم کے جادو اور یہودی عورت کے زہر کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچائے رکھا۔

ان تمام ضرورتوں کے پیش آنے کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تکالیف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور شرافت کا اظہار ہو۔ دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام تکلیفوں پر ثواب دینا بھی مقصود تھا۔ یہ تکالیف پیش آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات و عجائبات دیکھ کر گمراہ نہ ہو جائیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کے معجزات اور عجائبات دیکھ کر گمراہ ہوئے تھے۔

ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو تسلی ہو جائے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی تکالیف پہنچیں تو ہم کیا چیز ہیں؟

وصل (۲۵)

آپ ﷺ کے صرف جسم کو تکلیف ہوئی روح محفوظ رہی

آں حضرت ﷺ پر یہ ساری تکالیف آئیں لیکن آپ ﷺ کا دل ہمیشہ ذکر اللہ میں مشغول رہا کیوں کہ آپ ہر لمحہ یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، بولنا، خاموش رہنا، چلنا پھرنا سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تھا۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى آپ ﷺ اپنی خواہشِ نفسانی سے کچھ نہیں بولتے، یہ سب وحی ہے جو آپ ﷺ پر نازل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل واصحاب رضی اللہ عنہم پر قیامت تک رحمتِ کاملہ نازل فرماتا رہے۔ ہم نے بڑی محنت سے تمام تفصیلات کو مختصر انداز میں جمع کر دیا ہے۔ علماء محققین کے علاوہ عام آدمی کے لیے ان تفصیلات کو جاننا بہت مشکل تھا۔ یہ مجموعہ بہت مفید ہے۔ اس لیے بڑے ہی مختصر وقت میں یاد کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعے کو پڑھنے، لکھنے، سننے، یاد کرنے، دوسروں کو سنانے اور بتانے، تالیف کرنے (اور ترجمہ کرنے) والے کو (اور تسہیل کرنے والے کو) معاف فرمائے۔ آمین

اب ہم چند اشعار پر اس کو ختم کرتے ہیں جو آپ ﷺ کے دربار میں بطور تحفہ کے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ اشعار مؤلف کے ہیں۔

يَا شَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِيْ
اَنْتَ فِي الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِيْ
لَيْسَ لِيْ مَلْجَأٌ سِوَاكَ اَغِثْ
مَسَّنِيَ الضُّرُّ سَيِّدِيْ سَنَدِيْ
غَشَّنِيَ الدَّهْرُ يَا ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ
كُنْ مُغِيْثًا فَاَنْتَ لِيْ مَدَدِيْ
لَيْسَ لِيْ طَاعَةٌ وَلَا عَمَلٌ
بَيْدَ حُبِّيْكَ فَهُوَ لِيْ عَتَدِيْ

يَارَسُوْلَ الْاِلٰهِ بَابُکَ لِیْ
مِنْ غَمَامِ الْغُمُوْمِ مُلْتَحَدِیْ
جُدْ بِلُقْیَاکَ فِی الْمَنَامِ وَکُنْ
سَاتِرًا لِّلذُّنُوْبِ وَالْفَنَدِ
اَنْتَ عَافٍ اَبَرُّ خَلْقِ اللّٰهِ
وَ مُقِیْلُ الْعِثَارِ وَاللَّدَدِ
رَحْمَةً لِلْعِبَادِ قَاطِبَةٌ
بَلْ خُصُوْصًا لِکُلِّ ذِیْ اَوَدِ
لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرْبَ طَیْبَتِکُمْ
فَالْتَشَمْتُ النِّعَالَ ذَاکَ قَدِیْ
فَاُصَلِّیْ عَلَیْکَ بِالتَّسْلِیْمِ
مُتْحَفًا عِنْدَ حَضْرَةِ الصَّمَدِ
بِعِدَادِ الرِّمَالِ وَالْاَنْفَاسِ
وَالنَّبَاتِ الْکَثِیْرِ مُنْتَضِدِ
وَعَلَی الْاٰلِ کُلِّهِمْ اَبَدًا
بَالِغًا عِنْدَ مُنْتَهَی الْاَمَدِ

۱۔ دستگیری کیجیے میرے نبی، کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی۔

۲۔ جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ، فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی۔

۳۔ ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف، اے مرے مولا! خبر لیجیے میری۔

۴۔ کچھ عمل ہے اور نہ طاعت میرے پاس، ہے مگر دل میں محبت آپ کی۔

۵۔ میں ہوں بس اور آپ کا در یا رسول، ابرِ غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی۔

۶۔ خواب میں چہرہ دکھا دیجیے مجھے، اور مرے عیبوں کو کر دیجیے خفی۔

۷۔ در گزر کرنا خطاء و عیب سے، سب سے بڑھ کر ہے یہ خصلت آپ کی۔

۸۔ سب خلائق کے لیے رحمت ہیں آپ، خاص کر جو ہیں گنہگار و غوی۔

۹۔ کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک، نعل بوسی ہوتی کافی آپ کی۔

۱۰۔ آپ پر ہوں رحمتیں بے انتہا، حضرت حق کی طرف سے دائمی۔

۱۱۔ جس قدر دنیا میں ہیں ریت اور سانس، اور بھی ہے جس قدر روئیدگی۔

۱۲۔ اور تمہاری آل پر اصحاب پر، تا بقائے عمر دارِ اخروی۔

یہ رسالہ (شیم الحبیب) بھوپال شہر میں ذوالحجہ ۱۲۰۹ھ میں مکمل ہوا۔ اور اس کا ترجمہ (شم الطیب) قصبہ تھانہ بھون میں رمضان ۱۳۲۸ھ میں تمام ہوا۔ والحمد للہ۔ (اور اسکی یہ تسہیل الحمد للہ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ میں مکمل ہوئی۔)

مِنَ الْرَّوْضِ

فَانْظُرْ لِاَوْصَافِ خَيْرِ الْخَلْقِ فِىْ مَدَحِىْ
كَاَنَّهَا الْوَشْىُ اِذْ تَزْهُوْ بِهِ الْحِبَرُ
بَرٌّ رَؤُفٌ رَحِيْمٌ زَانَهٗ خُلُقٌ
مِثْلُ النَّسِيْمِ فَلَا فَظٌّ وَلَا ضَجَرُ
يُلْفٰى اَشَدَّ حَيَاءً مِنْ مُخَدَّرَةٍ
عَذْرَاءَ فِىْ خِدْرِهَا قَدْ زَانَهَا الْخَفَرُ
فَاقَ النَّبِيِّيْنَ اَخْلَاقًا وَ مُعْجِزَةً
وَ رُتْبَةً فَلَهُ التَّقْدِيْمُ اِنْ حَضَرُوْا
مُكَمَّلُ الْخُلْقِ لَا خَلْقٌ يُشَابِهُهٗ
لَهُ اعْتِدَالٌ فَلَا طُوْلٌ وَلَا قَصَرُ
مُشَرَّبٌ لَوْنُهُ الْمُبْيَضُّ مَنْظَرُهٗ
بِحُمْرَةٍ وَ مُحَيَّاهُ هُوَالْقَمَرُ
صَلْتُ الْجَبِيْنِ اَزَجُّ الْحَاجِبَيْنِ
كَحِيْلِ الْعَيْنِ مِنْ حُسْنِهٖ لَا يَشْبَعُ النَّظَرُ

اَسِيْلُ خَدٍّ مَلِيْحُ الثَّغْرِ بَاسِمُهٗ
مُفَلَّجٌ اَبَيْضُ الْاَسْنَانِ مَاالدُّرَرُ
اَقْنٰى اَشَمُّ طَوِيْلُ الْجِيْدِ مُشْرِقُهٗ
مِثْلَ اللُّجَيْنِ الْمُصَفّٰى مَابِهٖ عَكَرُ
ذُوْلَحْيَةٍ كَثَّةٍ زَانَتْ مَحَاسِنَهٗ
كَمَايَزِيْنُ عُيُوْنَ الْغَادَةِ الْحَوَرُ
وَلِمَّةٍ تَبْلُغُ الْاُذُنَيْنِ عَاطِرَةً
كَالْمِسْكِ لَوْنًا وَعَرْفًا حِيْنَ يَنْتَشِرُ
ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ رَحْبُ الصَّدْرِوَاسِعَةٌ
تُرٰى بِهٖ شَعَرَاتٌ خَطَّهَا الْقَدَرُ
شَثْنُ الْاَكُفِّ خَمِيْصُ الْبَطْنِ ذُوْ عَكَنٍ
مَطْوِيَّةٍ طَالَ مَايَطْوٰى بِهَا الْحَجَرُ
عَبْلُ الذِّرَاعَيْنِ وَالسَّاقَيْنِ مُمْتَلَا
اِزَارُهٗ لِنِصْفِ السَّاقِ يَتَّزِرُ
سَجِيَّةٌ عِنْدَ مَايَمْشِيْ تَمَايُلُهٗ
تُخَالُ عَنْ صَبَبٍ اِنْ سَارَيَنْحَدِرُ
يَفُوْحُ مِنْ عَرَقٍ مِثْلُ الْجُمَانِ لَهٗ
شَذًّا تَظَلُّ الْغَوَانِيْ مِنْهُ تَعْتَطِرُ
قَضٰى وَلَمْ يَكُ يَوْمًا مُدْرِكًا شِبَعًا
مِنَ الشَّعِيْرِ وَكَانَتْ فَرْشُهُ الْحُصُرُ
هٰذَا وَ قَدْ مُلِّكَ الدُّنْيَا بِاَجْمَعِهَا
فَرَدَّهُ الزُّهْدُ عَنْهَا وَهُوَ مُقْتَدِرُ
فَالثَّوْبَ يَرْقَعُهٗ وَالشَّاةَ يَحْلِبُهَا
وَمَا رُاِىَ لِاَخِى الْاِعْدَامِ يَحْتَقِرُ
وَالْبَيْتَ يَكْنِسُهٗ وَالنَّعْلَ يَخْصِفُهَا

وَاِنْ دُعِیَ اَسْعَفَ الدَّاعِیَ وَلَا یَذَرُ
کَانَ الْبُرَاقُ لَہٗ وَالْخَیْلُ یَرْکَبُھَا
وَالْاِبْلُ اَیْضًا کَذَاکَ الْبَغْلُ وَالْحُمْرُ
مَاعَابَ قَطُّ طَعَامًا اَحْضَرُوْہُ لَہٗ
وَلَا لِسَائِلِہِ اللَّحَّاحِ یَنْتَہِرُ
یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنٰی کَرَمًا
وَیَقْبَلُ الْعُذْرَ مِمَّنْ جَاءَ یَعْتَذِرُ
وَلَیْسَ یَغْضَبُ اِلَّا اَنْ تُرٰی حُرُمٌ
لِلّٰہِ مَنْھُوْکَۃً اَوْ ھُتِّکَتْ سُتُرُ
مَا اَمَّہٗ سَائِلٌ یَرْجُوْا نَدَایَدِہٖ
اِلَّا انْثَنٰی وَھُوَ مُثْرِی الْکَفِّ مُشْتَہِرُ

۱۔ تم میری لکھی ہوئی مدح میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ دیکھو۔ گویا وہ نقش و نگار ہیں جب کہ ان پر دھاری دار کپڑا فخر کرتا ہے۔ (جس طرح کپڑے کی زینت نقش و نگار سے ہوتی ہے اسی طرح میری مدح کی زینت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ہیں۔)

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسن ہیں، مہربان ہیں، رحیم ہیں اور ایسے اخلاق سے مزین ہیں جو بادِ بہار کی طرح فرحت بخش ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ سخت طبیعت ہیں اور نہ بد اخلاق۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پردہ نشین باحیا کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا ہیں جو اپنے پردہ میں رہتی ہو۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے اخلاق، معجزات اور رتبے میں بلند ہیں۔ اگر وہ سبھی موجود ہوتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مقدم ہوتے۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت بھی اتنی زبردست ہے کہ کسی کو ایسی مل نہیں سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانے تھے۔ نہ لمبے تھے نہ چھوٹے۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید رنگ میں سرخی دوڑتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چاند کی مانند تھا۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کشادہ پیشانی، باریک ابرو اور سرمگیں آنکھوں والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سے آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔

۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار خوشنما اور دانت خنداں تھے۔ دانتوں کے درمیان میں خلاء تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت چمکدار تھے جن کے سامنے موتی بھی بے حقیقت تھے۔

۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک باریک اور (قدرے) لمبی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن لمبی اور صاف چاندی کی طرح شفاف تھی۔

۱۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک گنجان تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح سجتی تھی جس طرح نازک اندام عورت کی آنکھ میں آنکھ کی سیاہی سجتی ہے۔

۱۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال مبارک کانوں تک تھے اور مشک کی طرح معطر تھے۔

۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک فراخ تھا جس پر لائن میں چند بال تھے۔

۱۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ مبارک پتلا تھا، آگے کو نکلا ہوا نہیں تھا۔ اس پر بھوک کی وجہ سے شکن پڑی رہتی تھی اور اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

۱۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پنڈلیاں (اعتدال کے ساتھ) دراز

تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف پنڈلی تک تہبند باندھتے تھے۔

۱۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جھک کر چلتے تھے جیسے کسی نشیب میں اتر رہے ہوں۔

۱۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ چاندی کے موتیوں کی طرح ہوتا تھا جس سے مشک جیسی خوشبو پھوٹتی تھی۔ حسین عورتیں عطر کے بجائے اسے استعمال کرتی تھیں۔

۱۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عمر ایک دن بھی جو کی روٹی سے پیٹ بھرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور چٹائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرش ہوتی تھی۔

۱۸۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری دنیا کے مالک تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پُر تعیش زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن دنیا سے بے رغبتی کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

۱۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑے کو پیوند لگا لیتے تھے اور بکری کا دودھ خود نکال لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریبوں کو کبھی حقیر نہیں سمجھتے تھے۔

۲۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں خود جھاڑو لگا لیتے اور اپنا جوتا خود سی لیتے تھے۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹال مٹول سے کام نہ لیتے بلکہ دعوت قبول فرما لیتے۔

۲۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براق، گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے پر سواری فرمائی۔

۲۲۔ جو کھانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں عیب نہیں نکالا۔ اور چیک کر مانگنے والے سائل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی نہیں جھڑکا۔

۲۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کرم سے غلطی کرنے والے کی غلطی کو معاف فرما دیتے۔ اگر کوئی عذر پیش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عذر قبول فرما لیتے۔

۲۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دو جگہ غصہ فرماتے: (۱) اللہ تعالیٰ کی ممنوع کردہ چیزوں کے ارتکاب پر۔ (۲) کسی کی پردہ دری پر۔

۲۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی سائل امید لے کر حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اتنا عطا فرما دیتے کہ وہ دولت مند بن جاتا اور دولت مندی میں مشہور ہو جاتا۔

بائیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات بیان کرنا تو ناممکن ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ارشاد اور ہر کام ہی معجزہ ہے اور اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ان حکمتوں کی تفصیل تو اللہ تعالیٰ عارفین کے دل میں ڈالتے ہیں، تاہم اجمالی طور پر کچھ کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ جیسے امام غزالی، امام شعرانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت حسین جسر رحمہم اللہ کی کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں۔

لیکن یہ معجزات چوں کہ عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے صرف وہ معجزات ذکر کیے جاتے ہیں جو عام آدمی کی سمجھ میں بھی آسکیں۔ ان معجزات کی تعداد بھی دس ہزار سے زیادہ ہے۔ کیوں کہ صرف قرآن مجید میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے سات ہزار سات سو معجزے مذکور ہیں، جیساکہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایاہے کہ سورۃ الکوثر کے برابر قرآن کریم کا جو بھی حصہ ہے وہ قرآن کریم کا ایک مستقل معجزہ ہے اور سورۃ الکوثر میں دس کلمے ہیں۔ اور قرآن کریم میں ستتر ہزار کلمے ہیں۔ اگر ستتر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے تو جواب سات ہزار سات سو آئے گا۔ اور اگر قرآن پاک کی پیشین گوئیوں کو بھی معجزہ شمار کرلیا جائے اور ستتر ہزار سے جو زائد کلمے ہیں ان کو بھی معجزہ شمار کیا جائے تو معجزات کی تعداد میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

یہ تو صرف قرآن کریم کے معجزات ہیں اور جو معجزات محدثین اور سیرت نگاروں نے تحریر کیے ہیں ان کی تعداد تین ہزار ہے، جن میں سے ایک ہزار معجزے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”خصائص الکبریٰ“ میں نقل کیے ہیں جبکہ تین سو سے زائد معجزات ”الکلام المبین“ میں مذکور ہیں، اس طرح معجزات کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔

الکلام المبین میں پہلے تمہید ذکر کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو عالم کی تمام اقسام کے متعلق بیان کیا ہے۔ پھر ہر قسم کے معجزات کو الگ الگ بیان کیا ہے لیکن چوں کہ میری یہ کتاب مختصر ہے اس لیے میں تمہید تو ذکر کر دیتا ہوں لیکن معجزات میں سے ہر قسم کے دو دو چار چار معجزے تحریر کروں گا۔ وہ تمہید کچھ اس طرح ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جب تک زمین پہ کوئی آدمی اللہ اللہ کہنے والا ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ اللہ کہنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان بھی رکھتا ہوگا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو مانا جائے گا تو تمام عالم باقی رہیں گے، یعنی صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام عالم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالموں کے معجزات عطا فرمائے اور معجزہ چوں کہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، اور معجزات کا تعلق تمام عالموں سے ہے، للٰہذا ثابت ہوا کہ تمام عالم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی عظیم شان ہے کہ جس طرح توحید پر سارا عالم گواہ ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر بھی سارا عالم گواہ ہے۔

عالم دو طرح کے ہوتے ہیں: عالم معانی اور عالم اعیان۔ عالم معانی یعنی وہ چیزیں جو بذات خود قائم نہیں بلکہ کسی چیز کے ذریعے قائم ہیں۔ مثلاً رنگ، بو، علم اور بات وغیرہ۔

عالم اعیان جو بذات خود قائم ہوں، جیسے زمین، آسمان، آدمی، درخت وغیرہ۔

پھر عالم اعیان کی دو قسمیں ہیں: ذوی العقول جیسے انسان اور جن۔ اور غیر ذوی العقول جیسے جمادات وحیوانات۔

عالم ذوی العقول کی تین قسمیں ہیں: عالم ملائکہ، عالم انسان اور عالم جنات۔

عالم غیر ذوی العقول یا علوی ہے جیسے آسمان اور ستارے وغیرہ۔ یا سفلی ہے، یعنی وہ جسم جو آسمان کے نیچے ہیں۔

عالم سفلی کی دو قسمیں ہیں: عالم بسائط جیسے عناصر اربعہ۔ پانی، مٹی، ہوا اور آگ۔ اور عالم

مرکبات یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات۔

پس اس طرح نو عالم ہوئے:

(۱) عالم معانی۔ (۲) فرشتوں کا عالم۔ (۳) انسانوں کا عالم۔ (۴) جنوں کا عالم۔ (۵) آسمان اور چاند تاروں کا عالم۔ (٦) جمادات کا عالم۔ (۷) نباتات کا عالم۔ (۸) حیوانات کا عالم۔ (۹) ہوا کا عالم۔

اس کے بعد ''الکلام المبین'' کے مصنف نے نو باب ذکر کیے اور ہر باب میں بہت سے معجزات ذکر کیے ہیں۔ میں چند معجزات تحریر کرتا ہوں:

عالم معانی کے معجزات

(۱) قرآن مجید۔

(۲) بعد کے زمانے کی غیب کی خبریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک بیان میں قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات بیان کر دیے، جس نے ان باتوں کو یاد رکھا سو یاد رکھا، اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو وہ باتیں معلوم ہیں۔ بعض باتیں ایسی بھی ہیں کہ میں ان کو بھول گیا تھا لیکن جب میں ان باتوں کو ہوتا دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتا ہے کہ یہ وہی بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی بتا دی تھی۔ جس طرح اگر کسی شخص کی شکل دیکھی ہوئی ہو اور اگر وہ غائب ہو جائے تو جب وہ سامنے آتا ہے تو انسان اسے پہچان لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) آپ ﷺ کے زمانے کی غیب کی خبریں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لوگوں کو پہلے ہی بتا دی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زید نے جھنڈا اٹھایا، وہ شہید گئے۔ پھر جعفر نے جھنڈا اٹھایا، وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ) نے

جھنڈا اٹھایا، وہ بھی شہید ہوگئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بالآخر جھنڈا اللہ کی ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے اٹھایا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ چناں چہ بعد میں خبر آئی کہ یہ سارا واقعہ اسی طرح ہوا تھا۔

(بخاری)

عالم ملائکہ کے معجزات

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک کوڑا مارنے کی آواز سنی، اور ایک سوار کی آواز سنی کہ اے حیزوم آگے بڑھ! اس کے ساتھ ہی مسلمان نے دیکھا کہ کوڑے کی مار سے وہ مشرک آگے چت گرا ہوا ہے، اور اس کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے، اور منہ پھٹ چکا ہے اور ساری جگہ سبز ہو چکی ہے۔ وہ مسلمان انصاری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ تھا جو تمہاری مدد کے لیے آیا تھا۔

(مسلم)

فائدہ: حیزوم فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے اکثر غزوات میں فرشتوں کو بھیجا ہے جیسا کہ غزوۂ بدر، احد اور حنین میں۔

(۲) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ نہ سکو گے۔ انہوں نے فرمایا: آپ دکھا دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھ گئے (کیا دیکھتے ہیں کہ) حضرت جبریل علیہ السلام کعبہ پر اتر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو! انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم سبز زمرد کی طرح چمکدار ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

عالم انسانی میں حضور ﷺ کے معجزات

(۱) ہدایت کا ظہور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مشرک تھیں میں انہیں اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ مجھے بہت برا لگا۔ میں روتا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ میری والدہ کو ہدایت عطا فرمائیں۔ آں حضرت ﷺ نے دعا فرمائی اللّٰھم اھد ام ابی ھریرۃ (اے اللہ! ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرما۔) میں آں حضرت ﷺ کی دعا سن کر خوشی خوشی گھر آیا تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سن کر کہا: ابوہریرہ! وہیں ٹھہرو! میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، میری والدہ نے نہا کر دوسرے کپڑے پہنے۔ پھر دروازہ کھول کر کہا: ابوہریرہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ بہت زیادہ خوشی میں میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں روتا ہوا آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہیں اپنی والدہ کے اسلام لانے کی خوشخبری دی، جس پر آں حضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(مسلم)

(۲) برکت کا ظہور

نبی کریم ﷺ نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ اگر کسی آدمی کے منہ یا بکری کے تھن میں سوجن ہوتی اور وہ اس سوجن والی جگہ کو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر میں اس جگہ لگایا جاتا جہاں آپ ﷺ نے ہاتھ لگایا تھا تو سوجن ٹھیک ہو جاتی تھی۔

(۳) بیماری سے شفا

حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ کے والد کی آنکھوں میں ایک سفید داغ پڑ گیا۔ جس سے وہ نابینا ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر دم کیا تو اسی وقت ان کی آنکھوں کی

بینائی واپس آگئی۔ (بیہقی و طبرانی)

راوی کہتے ہیں: میں نے انہیں اسّی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈالتے دیکھا۔

(۴) بے ادبوں پر نزولِ قہر

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سیدھے ہاتھ سے کھاؤ! اس نے کہا: میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ حالاں کہ اس کا سیدھا ہاتھ صحیح تھا لیکن محض تکبر کی وجہ سے اس نے یہ بات کہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تو سیدھے ہاتھ سے کھانا نہ کھا سکے گا۔ چناں چہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا، اور وہ ساری زندگی اپنا سیدھا ہاتھ منہ تک نہ لے جا سکا۔ (مسلم)

عالم جنات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ اس گاؤں کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر سن کر گاؤں سے باہر آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس گاؤں میں ایک نوجوان عورت ہے جس پر ایک جن عاشق ہو گیا ہے۔ اب وہ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے، قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس عورت کو دیکھا وہ بہت خوبصورت تھی جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: اے جن! تو جانتا ہے میں کون ہوں؟ میں اللہ کا رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ اس عورت کو چھوڑ دو چلے جاؤ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ فرماتے ہی وہ عورت صحیح ہو گئی اور اس نے اپنے منہ پر نقاب ڈال لیا اور مردوں سے شرمانے لگی۔ (خطیب)

(۲) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک غلّے کی کوٹھڑی میں کھجوریں رکھی رہتی تھیں اور ایک جنّیہ وہاں سے کھجوریں نکال کر لے جاتی تھی۔ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اب

جب اس کو دیکھو تو یہ کہنا **بسمِ اللّٰہِ اجیبی رسول اللّٰہِ** (اللہ کا نام لے کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر چلو) اس کے بعد انہوں نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر اس نے قسم کھائی کہ میں اب نہ آؤں گی تو اس کو چھوڑ دیا۔ (ترمذی)

فائدہ: یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ مسلمان نہ ہونے کے باوجود صرف آپ ﷺ کے نام کی وجہ سے جنّیہ گرفتار ہو گئی۔

آسمان میں آپ ﷺ کے معجزات

(۱) آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔

(۲) سفر معراج میں آپ ﷺ تمام آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔

عالم خاک میں آپ ﷺ کے معجزات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ہجرت کے سفر میں) سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ایک شخص ہمیں پکڑنے کے لیے آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** (غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے) پھر آپ ﷺ نے سراقہ کے لیے بددعا فرمائی، تو اس کا گھوڑا پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ دیکھ کر کہنے لگا: مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں نے میرے لیے بددعا کی ہے۔ اب دعا کرو کہ میں اس حالت سے نجات پا جاؤں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جو بھی تمہاری تلاش میں آئے گا، اسے واپس بھیج دوں گا۔ آں حضرت ﷺ نے اس کی نجات کے لیے دعا فرمائی تو اسے اس مصیبت سے نجات حاصل ہوئی۔ وہ واپس چلا گیا اور راستے میں اسے جو بھی ملتا، اسے یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ ادھر کوئی نہیں ہے۔ (بخاری مسلم)

عالم پانی کے معجزات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر) حدیبیہ میں لوگ پیاسے تھے، نبی کریم ﷺ کے پاس ایک لوٹا تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو کیا۔

لوگوں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹے میں موجود پانی کے علاوہ ہمارے لشکر میں اور پانی نہیں ہے نہ پینے کے لیے اور نہ وضو کرنے کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک لوٹے میں رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلنے لگا۔ ہم سب نے وہ پانی پیا اور وضو کیا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہماری تعداد پندرہ سو تھی لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی ہو جاتا۔

عالم آگ کے معجزات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق میں انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا اور تقریباً تین سیر جو کا آٹا گوندھ کر تیار کیا، انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چپکے سے یہ بات بتائی اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ کھانے کے لیے تشریف لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی جمع فرمایا اور اپنے ساتھ لے چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں ہانڈی کو چولہے سے مت اتارنا اور روٹی مت پکانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور لعاب مبارک گوندھے ہوئے آٹے میں اور ہانڈی میں ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ اور فرمایا: روٹی پکانے والی ایک اور بلا لو! ہانڈی سے سالن نکال نکال کر دو، مگر اسے چولہے سے نہ اتارنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کھانے والے ایک ہزار تھے۔ خدا کی! قسم سب نے کھایا، ہماری ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی تھی اور آٹا بھی پہلے جتنا تھا۔

فائدہ: اس سے عالم آگ میں بھی ایک خلافِ عادت بات ظاہر ہوئی کہ آگ کا اثر شوربے کو کم کرنا ہے لیکن آگ نے شوربا کم نہ کیا بلکہ وہ شوربا بڑھنے کا سبب بن گئی چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چولہے پر سے ہنڈیا اتارنے کو منع فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شوربا بڑھنے میں آگ کا دخل ہے۔

عالم ھوا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

غزوۂ خندق میں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر ہوا بھیجی، جس کی وجہ سے خوب سردی ہو گئی، اس

ہوا نے کافروں کو بہت عاجز اور تنگ کیا اور خوب غبار ان کے منہ پر ڈالا۔ ان کی آگ بجھا دی ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، خیموں کی کیلیں اکھاڑ دیں جس کی وجہ سے ان کے خیمے گر پڑے اور ان کے گھوڑے کھل کر آپس میں لڑنے لگے اور لشکر میں ایک ہڑ بونگ مچ گئی۔

اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کافروں کی خبر لانے کے لیے بھیجا اور ان کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں سردی کی شدت سے محفوظ فرمائیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے مجھے آتے جاتے ذرا بھی سردی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ (بعضہ من تواریخ حبیب الٰہ)

عالم فضا کے معجزات

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قحط کے زمانہ میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے، بال بچے بھوک سے مر رہے ہیں، بارش کی دعا فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے، اس وقت آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا۔ خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا ختم کرکے چہرے پر ہاتھ پھیرے بھی نہ تھے کہ چاروں طرف سے بادل گھر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے بھی نہیں تھے کہ ریش مبارک سے بارش کے قطرے ٹپکنے لگے اور اس جمعے سے دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ اسی دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جانور ڈوب گئے، آپ دعا فرمایئے کہ بارش بند ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے آس پاس بارش برسے، مدینہ کے اوپر بارش نہ برسے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف اشارہ کرتے وہاں سے آسمان صاف ہو جاتا اور مدینہ پر بارش برسنی بالکل بند ہو گئی۔ مدینہ کے آس پاس سے جو لوگ آتے وہ بتاتے کہ ہمارے ہاں خوب بارش ہو رہی ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے بادل کا فوراً آنا اور اشارے سے بادل کا ہٹ جانا یہ دونوں معجزات ہیں۔

(۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کسی کو بھیجا۔ اس نے اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور کہا: رسول اللہ کون ہوتے ہیں؟ اللہ کون ہوتا ہے؟ سونے کا، چاندی کا یا تانبے کا؟ ایک دم اس پر بجلی گری اور اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی۔

(نسائی و بزاز)

عالم جمادات و نباتات میں معجزات

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے باہر کسی طرف نکلے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، راستے میں جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

فائدہ: پہاڑ جمادات میں سے ہے اور درخت نباتات میں سے، دونوں عالموں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خطبے کے وقت کھجور کے تنے سے ٹیک لگالیا کرتے تھے، جب منبر بنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک وہ ستون چلّا کر اتنی زور سے رونے لگا کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور اس ستون کو اپنے بدن مبارک سے چمٹا لیا، تو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لیتے لیتے چپ ہوا جیسے بچہ ہچکیاں لیتے لیتے چپ ہوتا ہے۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ستون ہمیشہ ذکر سنا کرتا تھا، اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

فائدہ: اس ستون کی دو حالتیں ہیں: اپنی اصل کے لحاظ سے تو یہ درخت ہے، اس لیے نباتات میں سے ہے۔ اور موجودہ حالت میں کہ تنا کٹ کر ستون بن چکا ہے، جمادات میں سے ہے۔ اس طرح دونوں عالموں میں معجزہ ظاہر ہوا۔ اس رونے کی وجہ جس طرح ذکر نہ سننا ہے، اسی طرح ایک وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی بھی ہے ورنہ صرف سینہ لگا دینے سے خاموش نہ ہوتا۔ اس طرح یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا معجزہ بھی ہوا۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھوڑے

چھوارے لایا، اور عرض کیا کہ ان چھواروں میں برکت کی دعا کیجیے! آپ ﷺ نے ان چھواروں کے لیے برکت کی دعا کی اور فرمایا: انہیں اپنے توشہ دان میں ڈال لو! جب تمہارا دل چاہے اس میں سے ہاتھ ڈال کر نکال لینا مگر اسے جھاڑنا مت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان چھواروں میں ایسی برکت ہوئی کہ میں نے اتنے من چھوارے اللہ کی راہ میں خرچ کیے اور میں اس میں سے ہمیشہ خود بھی کھاتا رہا اور اوروں کو بھی کھلاتا رہا۔ وہ توشہ دان ہمیشہ میری کمر کے ساتھ بندھا رہتا، یہاں تک کہ حضرت عثمان کی شہادت کے دن (تقریباً تیس سال بعد) میری کمر سے وہ کٹ کر گر گیا۔

عالم حیوانات میں معجزات

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بڑا سرکش اونٹ تھا۔ جو بھی اس باغ میں جاتا وہ اس پر جھپٹتا اور اسے کاٹنے کی کوشش کرتا۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا، اس نے آکر آپ ﷺ کے سامنے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی ناک میں مہار ڈالی اور فرمایا: نافرمان جنات اور انسانوں کے علاوہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں یہ جانتی ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (مسند احمد)

(۲) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کھلے سمندر میں میری کشتی ٹوٹ گئی۔ میں ایک تختے پر بیٹھ گیا اور بہتے بہتے ایک جنگل میں جا پہنچا۔ مجھے وہاں ایک شیر ملا وہ میری طرف بڑھا تو میں نے اسے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ وہ شیر میری طرف آیا اور اپنی گردن میرے ساتھ لگا کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مجھے راستے پر لے آیا اور پھر تھوڑی دیر کچھ باریک آوازیں نکالتا رہا۔ پھر اس نے اپنی دم سے میرا ہاتھ چھوا جس سے میں سمجھ گیا کہ مجھے رخصت کر رہا ہے۔

فائدہ: پہلا قصہ حلال جانور کا ہے اور دوسرا حرام جانور کا۔ پہلا قصہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہے اور دوسرا بعد از وفات۔ اور وفات کے بعد معجزے کا ظہور زیادہ قوی ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گھر دودھ کا ایک پیالہ آیا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام اصحاب صفہ کو بلاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھوکے تھے۔ وہ

فرماتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا: اگر یہ مجھے ہی دے دیتے تو میں پیٹ بھر کر پی لیتا۔ بہر حال میں ان سب کو بلا لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہیں دودھ پلاؤ! میں نے پلانا شروع کیا یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم پیو! میں نے دودھ پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور پیو! میں پیتا رہا یہاں تک کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ اب میرے پیٹ میں جگہ باقی نہیں ہے۔ پھر باقی دودھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا۔

فائدہ: الکلام المبین میں یہاں تک حدیثوں میں مذکور معجزات کو ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان نَو عالَموں سے متعلق معجزات کو قرآن مجید سے ثابت کیا ہے۔ جس کو شوق ہو وہ وہاں سے دیکھ لے۔

مِنَ الرَّوْضِ

يَدٌ بِهَا النَّفْعُ وَالضَّرُّ لِمُعْتَرِفٍ
وَجَاحِدٍ فَهِىَ الْاَدْوَاءُ وَالْوَطَرُ
كَمْ اَبْرَءَتْ اَلَمًا كَمْ اَذْهَبَتْ لَمَمًا
كَمْ اَظْهَرَتْ لِمَمًا يَنْمُوْلَهَا شَعَرٌ
وَكَمْ شَفَتْ سَقْمًا كَمْ اَظْهَرَتْ مَدَدًا
كَمْ فَرَّجَتْ كَمَدًا عَمَّنْ بِهٖ عَوَرٌ
وَدَرَّتِ الشَّاةُ مِنْهَا وَالْحَصَا نَطَقَتْ
فِيْهَا وَاَوْرَقَتِ الْاَغْصَانُ وَالشَّجَرُ
وَالْقَوْمُ مِنْ رَمِيْهَا يَوْمَ اللِّقَاءِ عَمُوْا
وَمِنْ اَصَابِعِهَا الْاَمْوَاهُ تَنْفَجِرُ
وَالْمَاءُ مِنْ رِيْقِهٖ زَادَتْ حَلَاوَتُهٗ
وَالنَّخْلُ مِنْ عَامِهٖ اَضْحٰى لَهٗ ثَمَرُ
وَالْجِذْعُ حَنَّ اِلَيْهِ حِيْنَ فَارَقَهٗ
حَتّٰى عَلَامِنْهُ مَابَيْنَ الْمَلَاخُوَرُ

وَالذِّئْبُ وَالضَّبُّ كُلٌّ مِنْهُمَا شَهِدَا
شَهَادَةَالْحَقِّ يَرْوِيْهَالَكَ الْخَبَرُ
وَرَاحَ يَشْكُوْ اِلَيْهِ جَوْرَ صَاحِبِهٖ
اَلْبَعِيْرُ وَالدَّمْعُ مِنْ عَيْنَيْهِ مُنْحَدِرُ
وَاَطْعَمَ الْجَيْشَ مِنْ صَاعٍ فَاَشْبَعَهٗ
وَمِنْهُ اَرْوَاهُ لَمَّا مَسَّهُ الْعَسَرُ
فَلَا تَرُمْ حَصْرَ اٰيَاتٍ لَهٗ ظَهَرَتْ
اِلَّا اِذَاكَانَ يُحْصَى الرَّمْلُ وَالْمَدَرُ
كَفٰى بِمُعْجِزَةِ الْقُرْاٰنِ مُعْجِزَةً
طُوْلَ الزَّمَانِ غَدَا يُتْلٰى وَ يُسْتَطَرُ
فِيْهِ تَجَمَّعَتِ الْاَشْيَاءُ فَلَا صُحُفٌ
اِلَّا وَ حَازَ مَعَانِيْهَا وَلَازُبُرُ
فَهُوَ الشِّفَاءُ الَّذِىْ تَحْيَى النُّفُوْسُ بِهٖ
قَدْ فَازَ مُتَّعِظٌ مِنْهُ وَمُدَّكِرُ
يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمٖ

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک ایسا ہے کہ اس میں ماننے والے کے لیے فائدہ اور نہ ماننے والے کے لیے نقصان ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک بیماری اور شفا دونوں کا سبب ہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک نے بہت سے دردوں سے شفا عطا کی، بہت سے آسیب دور کیے، اور اس ہاتھ کی برکت سے گنجے سر پر بال اگ آئے۔

(۳) اس ہاتھ مبارک نے بہت سے بیماروں کو شفا دی، بہت سوں کی مدد کی اور بہت لوگوں کے رنج کو دور کیا۔

(۴) اس ہاتھ کی برکت سے بکری نے دودھ دیا اور پتھر بول اٹھے، اور اس کی برکت سے شاخوں اور درختوں پر پتے اگ آئے۔

(۵) اس ہاتھ نے مٹی پھینکی تو کافر قوم اندھی ہو گئی، اس ہاتھ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوتا تھا۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب مبارک کی وجہ سے پانی کی مٹھاس بڑھ گئی اور کھجور کا درخت اسی سال پھل دینے لگا۔

(۷) کھجور کا تنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی سے رونے لگا، یہاں تک کہ سارے مجمع نے اس کی آواز سنی۔

(۸) بھیڑیے اور گوہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی، اور یہ بات حدیث میں مذکور ہے۔

(۹) اونٹ نے اپنے مالک کے ظلم کی شکایت کی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑے لشکر کو صرف ساڑھے تین سیر کھانا کھلا کر سیر کر دیا، جبکہ اس لشکر کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔

(۱۱) اے مخاطب! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو تم اسی وقت گن سکتے ہو جب تم ریت کے ذروں اور کنکریوں کو گن لوگے۔

(۱۲) قرآن کا ایک یہی معجزہ کافی ہے کہ اسے ایک طویل زمانے تک لکھا جاتا اور تلاوت کیا جاتا رہے گا۔

(۱۳) اس قرآن میں بہت سے مضامین جمع ہیں، کوئی صحیفہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے مضامین قرآن میں شامل نہ ہوں۔

(۱۴) قرآن وہ شفا ہے جس سے دل زندہ ہوتے ہیں اور اس کی وعظ و نصیحت قبول کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔

* * *

تیئیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ

محمد: تعریفوں کے لائق، جس کی ہر کوئی تعریف کرے۔

احمد: اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشخبری سنائی ہے۔

متوکل: اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے والا۔

ماح: کفر کو مٹانے والا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے کفر کو مٹایا۔

حاشر: میدانِ حشر میں اکٹھا کرنے والا، کیوں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھایا جائے گا اور باقی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اٹھائے جائیں گے تو چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب کے جمع کرنے کا ذریعہ بنیں گے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام حاشر بھی ہے۔

عاقب: آخری پیغمبر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انبیائے کرام کے بعد تشریف لائے ہیں۔

مقفّی: اس کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔

نبی التوبہ: توبہ والے نبی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں گناہوں کی معافی کے لیے صرف توبہ ہی کافی ہے بشرطیکہ توبہ اپنی شرائط کے ساتھ کی جائے۔ پہلی امتوں میں گناہوں کی معافی کے لیے خود کو قتل کرنا بھی ضروری ہوتا تھا۔

نبی الملحمۃ: خون ریزیوں والے نبی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں جہاد فرض ہوا۔

نبی الرحمۃ: رحمت والے نبی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ مسلمانوں کے لیے تو دنیا اور آخرت دونوں میں اور کفار کے لیے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت ہیں کیوں کہ

آپ ﷺ کی برکت سے پہلی امتوں کی طرح کفار پر عذاب نہیں آتے۔ آپ ﷺ باقی سارے عالم کے لیے بھی رحمت ہیں کیوں کہ جب تک کوئی اللہ اللہ کہنے والا دنیا میں رہے گا قیامت نہیں آئے گی یعنی جب تک آپ ﷺ کے دین کا ماننے والا دنیا میں رہے گا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔

فاتح: فتح کرنے والا، آپ ﷺ کی بدولت ہدایت کا دروازہ کھلا اور کفار کے ملک و شہر فتح ہوئے۔ جنت کے دروازے بھی آپ ﷺ ہی کی اتباع سے کھلیں گے۔

امین: امانت دار، معتبر۔

شاہد: گواہی دینے والے، آپ ﷺ قیامت کے دن اپنی امت کے گواہ ہوں گے۔

مبشر: خوشخبری دینے والے، مؤمنین کو جنت کی خوشخبری دینے والے۔

بشیر: یہی معنی ہیں۔

نذیر: ڈرانے والے، کافروں کو عذاب سے ڈرانے والے۔

قاسم: تقسیم کرنے والے، فیوض اور اموال تقسیم کرنے والے۔

ضحوک وقتال: ہنسنے والے، قتال بمعنی قتل کرنے والے۔ ان دونوں کا استعمال الگ الگ نہیں ہوتا۔ ایمان والوں کے ساتھ ہنسنے والے اور کفار کے ساتھ قتال کرنے والے۔

عبد اللہ: اللہ تعالیٰ کے بندے۔

سراج منیر: ہدایت کے روشن چراغ۔

سید ولد آدم: بنی آدم کے سردار۔

صاحب لواء الحمد: حمد کے جھنڈے والے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تعریف کا جھنڈا آپ ﷺ کے پاس ہوگا اور سارے اوّلین اور آخرین اس کے نیچے ہوں گے۔

صاحب مقام: قیامت کے دن آپ ﷺ مقامِ شفاعت پر کھڑے کیے

جائیں گے۔

صادق: سچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچی خبریں دینے والے تھے۔

مصدوق: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے سچی خبریں پہنچتی تھیں۔

رؤف: مہربان۔

رحیم: بہت مہربان۔

ان اسماء میں سے بعض اسماء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اور بعض اسماء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں۔ ان اسماء میں سے اکثر اسماء وہ ہیں جو کسی خاص صفت یا غالب صفت پر دلالت کرتے ہیں، عرف میں لقب اور نام ایسے ہی اسماء کو کہتے ہیں۔ اسی لیے صرف پچیس تیس ذکر کیے ہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر صفت سے ایک نام بنایا جائے تو دو سو سے بھی زائد بلکہ علماء کے بقول ایک ہزار تک پہنچ جائیں۔

(زاد المعاد)

مِنَ الْرَّوْضِ

مُحَمَّدٌ اَحْمَدُ الْمَنْسُوْبُ مَادِحُہٗ
اِلَیْہِ فَھُوَ بِھٰذَا الْفَخْرِ یَفْتَخِرُ
اَلْفَاتِحُ الْخَاتِمُ الْھَادِیْ بِدَعْوَتِہٖ
اِلَی الْھُدٰی وَلِدِیْنِ اللّٰہِ یَنْتَصِرُ
اَلْحَاشِرُ الْعَاقِبُ الْمَاحِیْ بِبِعْثَتِہٖ
عَنَّاالظَّلَامَ وَلَیْلُ الشِّرْکِ مُنْدَمِرُ
یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصْرُ

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی محمد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی احمد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنے والا اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کا شرف حاصل ہوا ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتتاح کرنے والے ہیں (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے مخلوق کا افتتاح ہوا) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختتام کرنے والے ہیں (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعوت کے ذریعہ رہنمائی فرمانے والے ہیں اور دین الٰہی کی نصرت فرمانے والے ہیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب کو میدان حشر میں لایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو تاریکیاں دور ہو گئیں اور شرک کی رات تو مٹ ہی جاتی ہے۔

الله
رسول
محمد

چوبیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چند خصوصیات

جو خصوصیات اللہ تعالیٰ نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمائی ہیں اس کی چند قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ خصوصیات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا میں تشریف لانے سے پہلے حاصل ہوئیں۔ مثلاً:

(۱) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور پیدا ہوا۔

(۲) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت عطا ہوئی۔

(۳) عہد اَلست۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) کے جواب میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بَلٰی (کیوں نہیں) فرمایا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا گیا۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مقصود خلائق بتایا گیا۔

(۶) تمام آسمانی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارت دی گئی۔

(۷) حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکات حاصل ہوئیں (اس کی تفصیل فصل اوّل اور دوم میں گزر چکی)

دوسری قسم وہ باتیں جو دنیا میں تشریف لاتے وقت نبوت سے پہلے ظاہر ہوئیں۔ مثلاً:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شانے پر مہر نبوت کا ہونا (اس کی تفصیل چھٹی فصل میں گزر چکی)

تیسری قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ خصوصیات جو نبوت کے بعد ظاہر ہوئیں: مثلاً:

(۱) معراج۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت جہنم، فرشتوں کو دیکھا اور حق تعالیٰ کی زیارت کی۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے کہانت ختم ہو گئی۔

(۳) اذان واقامت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام موجود ہے۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی کتاب عطا ہوئی جو ہر اعتبار سے معجزہ ہے۔ نہ اس کے الفاظ تبدیل ہو سکتے ہیں نہ معانی اور یہ زبانی یاد بھی ہو جاتی ہے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صدقے کا حرام ہونا۔

(۶) سونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو نہ ٹوٹنا۔

(۷) امتیوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح پر ہمیشہ کے لیے ممانعت۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلۂ نسب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سے چلنا۔

(۹) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پشت مبارک کی طرف سے بھی ایسے ہی دیکھتے تھے جیسے سامنے کی طرف سے دیکھتے تھے۔

(۱۰) جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے دیکھتا وہ بھی مرعوب ہو جاتا تھا۔

(۱۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جامع مانع ہونا۔

(۱۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوقات کی طرف مبعوث فرمایا جانا۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔

(۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی تعداد تمام امتوں سے زیادہ ہونا۔

(۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مخلوق سے افضل ہونا۔

چوتھی قسم وہ باتیں جو پہلی امتوں میں نہ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے صرف اس امت کو عطا ہوئیں:

(۱) امتِ محمدیہ کے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔

(۲) ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں۔

(۳) تیمّم کی اجازت دے کر ساری زمین کو پاکی حاصل کرنے کا آلہ بنا دیا گیا۔

(۴) اذان و اقامت مقرر کی گئی۔

(۵) نماز میں مسلمانوں کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں۔

(۶) جمعہ کے روز نماز جمعہ جیسی خاص عبادت اور دعا کی قبولیت کی ایک خاص گھڑی عطا فرمائی گئی۔

(۷) روزہ کے لیے سحری کی اجازت دی گئی۔

(۸) رمضان المبارک میں شب قدر (جیسی عظیم نعمت) عطا کی گئی۔

(۹) ایک نیکی پر کم سے کم دس گنا، ورنہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیا گیا۔

(۱۰) بھول چوک پر گناہ نہ ہونے کا وعدہ کیا گیا۔

(۱۱) مشقت والے احکام کو ختم کر دیا گیا۔

(۱۲) تصویر اور نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا گیا۔

(۱۳) اجماعِ امت کو ایک دلیل شرعی بنایا گیا اور اس میں گمراہی کا احتمال ختم کر دیا گیا۔

(۱۴) فروعی اختلاف کو رحمت بنایا گیا۔

(۱۵) اس امت پر پہلی امتوں جیسے عذاب نہیں آئیں گے۔

(۱۶) طاعون سے مرنے والے کو شہادت کا مرتبہ ملے گا۔

(۱۷) علماء سے انبیاء علیہم السلام والا کام لیا جائے گا۔

(۱۸) قربِ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت سے اہل حق موجود رہیں گے۔

پانچویں قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ خصوصیات جو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد برزخ یا قیامت میں ظاہر ہوں گی۔ اس کا بیان وفات کے بعد کی تین فصلوں میں آئے گا۔ (شمامہ بتصرف وبعضہ من المشکوٰۃ)

من القصيدة

فَهُوَالَّذِىْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًابَارِئُ النَّسَمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِىْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُمُنْقَسِمٖ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمٖ

(ا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری اور باطنی فضائل میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، اور خالقِ دوجہاں نے انہیں اپنا حبیب بنایا ہوا ہے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیوں میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن کا وہ جوہر عطا کیا گیا جو تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

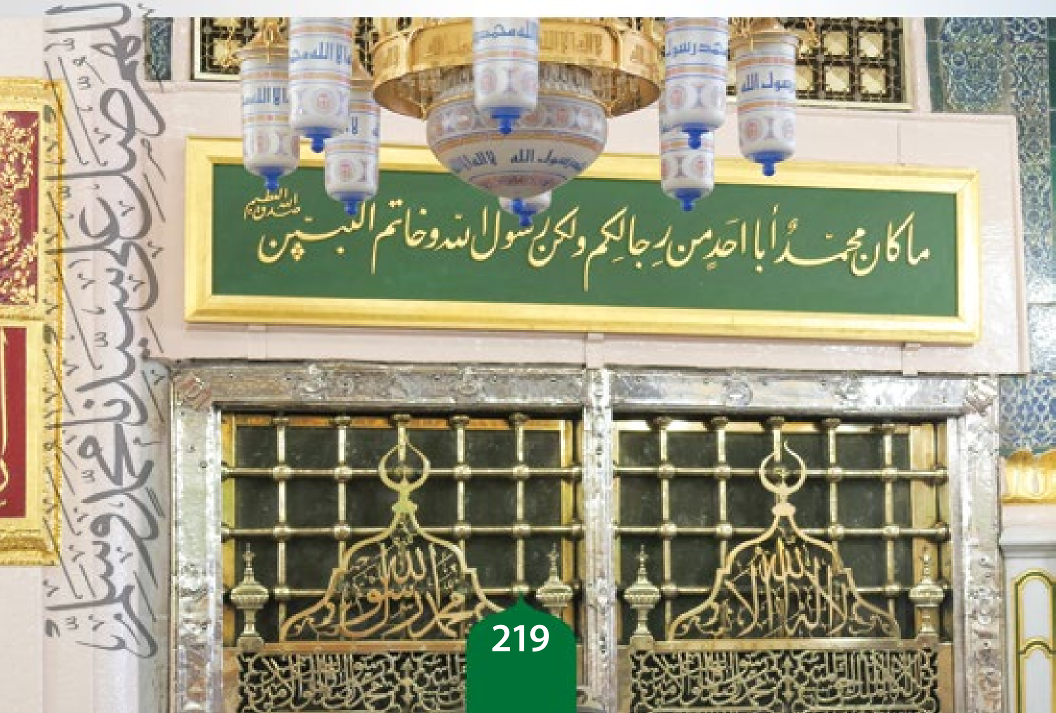

پچیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا پینا اور سواریاں وغیرہ

کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ یہ جائز ہیں اور یہ ناجائز۔ ان چیزوں کو جمع کرکے ان کا شرعی حکم بیان کرنا مفتیوں کا کام ہے۔ اور دوسری چیزیں وہ ہیں جن کی مصلحت اور حکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی۔ یہ سیرت نگاری کا شعبہ ہے۔ یہاں اسی اعتبار سے زادالمعاد میں سے مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

کھانا پینا اور علاج معالجہ

کھانے پینے کی کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود استعمال فرمائی اور کچھ چیزیں ایسی ہیں (جو خود تو استعمال نہیں فرمائیں لیکن) ان کی خاصیات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ اثمد (اصفہانی سیاہ سرمہ)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اثمد کو استعمال کیا کرو کیوں کہ اس سے نگاہ تیز ہوتی ہے اور (پلکوں کے) بال پیدا ہوتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی لگایا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائی لگایا کرتے تھے۔ (ترمذی) یعنی دونوں طرح کی عادت تھی۔

۲۔ چکوترہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص قرآن پاک پڑھتا ہے وہ چکوترے کی طرح ہے۔ جس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور خوشبو بھی اچھی ہے۔ (بخاری، مسلم)

۳۔ تربوز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ایک مرتبہ) تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ تناول فرمارہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس (کھجور) کی گرمی اس (تربوز) کی سردی کو ختم کردیتی ہے۔
(ابوداؤد، ترمذی)

۴۔ کچی کھجوریں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچی کھجوروں کو پرانی کھجوروں کے ساتھ کھایا کرو! کیوں کہ شیطان جب انسان کو دونوں قسم کی کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھتا ہے تو (افسوس سے) کہتا ہے: یہ آدمی اب تک زندہ رہا کہ نئی کھجوروں کو پرانی کھجوروں کے ساتھ کھارہا ہے۔
(نسائی وابن ماجہ)

۵۔ نیم پختہ کھجوریں

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت ابوہیثم کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ کھجور کا ایک خوشہ لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پکی کھجوریں چھانٹ کر کیوں نہیں لائے؟ (تاکہ پورا خوشہ ضایع نہ ہوتا)۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے آپ حضرات اپنی پسند کے مطابق کچی پکی خود چھانٹ لیں۔

۶۔ پیاز اور لہسن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پیاز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جو آخری کھانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا اس میں پیاز تھی۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔ (بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جو پیاز یا لہسن کھائے تو انہیں پکا کر ان کی بو ختم کردے۔

۷۔ خشک کھجوریں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کو سات کھجوریں کھالے اس دن اس کو جادو اور زہر نقصان نہیں دیتا۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر میں رہنے والے بھوکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے۔ کبھی مکھن کے ساتھ، کبھی روٹی کے ساتھ اور کبھی تنہا کھجوریں۔

۸۔ برف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! میرے گناہوں کو برف، اولے اور پانی سے دھو ڈال۔ اس دعا میں برف کی تعریف پائی گئی۔

۹۔ ثرید

یعنی روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں ڈال کر کھانا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (بخاری، مسلم)

۱۰۔ پنیر

غزوۂ تبوک سے واپسی پر دوران سفر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پنیر لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاقو منگوایا اور بسم اللہ کہہ کر اس کا ٹکڑا کاٹا۔ (ابوداوّد)

۱۱۔ مہندی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر کوئی پھنسی نکلتی یا کانٹا لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر مہندی لگا لیتے۔

۱۲۔ کلونجی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کلونجی استعمال کیا کرو! کیوں کہ اس میں موت کے علاوہ تمام بیماریوں سے شفا ہے۔ (بخاری، مسلم)

۱۳۔ رائی اور ایلوہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو چیزوں رائی اور ایلوے میں بہت شفا ہے۔ (مراسیل ابی داؤد)

۱۴۔ میتھی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میتھی سے شفا حاصل کرو۔

۱۵۔ روٹی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شوربے میں چوری ہوئی روٹی (ثرید) بہت پسند تھی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے گندم کی چپڑی ہوئی روٹی چاہیے۔ چناں چہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ گھی کس برتن میں رکھا ہوا تھا؟ پتہ چلا کہ وہ گھی گوہ کی کھال سے بنائے گئے مشکیزے میں رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ روٹی لے جاؤ۔ (ابوداؤد)

۱۶۔ سرکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نوش بھی فرمایا اور اس کی تعریف بھی کی۔ فرمایا: سرکہ ایک اچھا سالن ہے۔ (مسلم)

۱۷۔ تیل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک میں کثرت سے تیل لگاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۱۸۔ ذریرہ عطر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر احرام باندھتے اور کھولتے وقت اپنے ہاتھ سے ذریرہ خوشبو لگائی ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱۹۔ تازہ کھجوریں

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تازہ کھجوریں

ککڑی کے ساتھ کھاتے دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے اور اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی سے افطار فرماتے۔ (ابو داؤد)

۲۰۔ ریحان

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سامنے ریحان پیش کیا جائے وہ اسے رد نہ کرے۔ کیوں کہ اسے لینے والا احسان کے بوجھ تلے نہیں دبتا اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے۔ (مسلم)

فائدہ: ہر خوشبو کا یہی حکم ہے کہ اسے واپس نہیں کرنا چاہیے۔

۲۱۔ ادرک

ایک مرتبہ روم کے بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ادرک کا بھرا ہوا ایک مٹکا ہدیۃً بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب حاضرین کو کھانے کے لیے ایک ایک ٹکڑا عطا فرمایا۔ (ابو نعیم)

۲۲۔ سَنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیہ کو ''سَنا'' کا مسہل لینے کو فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: اگر کوئی چیز موت سے شفا دیتی تو وہ سنا ہوتی۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

۲۳۔ سنوت (گھی کے برتن میں رکھا ہوا شہد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَنا اور سنوت کو استعمال کیا کرو! کیوں کہ ان میں موت کے علاوہ تمام بیماروں سے شفا ہے۔ (ابن ماجہ)

۲۴۔ سیب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک سیب دے کر ارشاد فرمایا: یہ دل کو قوت دیتا ہے اور طبیعت کو خوش کرتا ہے اور سینے کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔

۲۵۔ گھی

روٹی کے بیان میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھی پسند تھا۔

۲۶۔ مچھلی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنبر مچھلی کا گوشت صحابۂ کرام سے لے کر تناول فرمایا۔ (زادالمعاد عن بخاری و مسلم)

۲۷۔ چقندر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کمزوری دور کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اور چقندر ملا کر کھانے کا حکم فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۲۸۔ جَو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ گھر والوں کو اگر بخار ہو جاتا تو جو کا ہریرہ کھلاتے، اور فرماتے: یہ غمگین دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تکلیف دور کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر خوراک یہی جو تھی۔

۲۹۔ بھنا ہوا گوشت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھنا ہوا گوشت تناول فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

۳۰۔ چربی

ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور جو کی روٹی کے ساتھ تھوڑی سی تبدیل شدہ چربی پیش کی۔

۳۱۔ خوشبو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے دنیا کی چیزوں میں اپنی بیویاں اور خوشبو پسند ہے۔

۳۲۔ شہد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایک مہینے کے اندر تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اسے کوئی بڑی بیماری نہیں لگے گی۔ (ابن ماجہ)

۳۳۔ عجوہ کھجور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عجوہ جنت کی کھجور ہے۔ اس میں ہر زہر سے شفا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

۳۴۔ عود ہندی

اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم بطور دوا استعمال کی جاتی ہے۔ اور دوسری بطور خوشبو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عود (قسط بحری) اور پچھنے لگوانا بہترین دوا ہے۔ (بخاری، مسلم)
نیز فرمایا: عود ہندی کو استعمال کیا کرو! اس میں سات شفائیں ہیں۔

عود کی دوسری قسم جو بطور خوشبو استعمال کی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سلگا کر اس کی خوشبو سونگھا کرتے تھے۔ (مسلم)

۳۵۔ ککڑی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

۳۶۔ کھمبیاں (سانپ کی چھتری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا عرق آنکھ کے لیے شفا ہے۔ اور یہ بنی اسرائیل پر نازل شدہ من و سلویٰ میں سے من کی طرح ہے۔ (مفت بھی ہے اور مفید بھی۔) (بخاری، مسلم)

۳۷۔ پیلو کا پھل

ایک بار صحابۂ کرام جنگل میں پیلو کا پھل چن رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سیاہ چنو! وہ عمدہ ہوتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

۳۸۔ گوشت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا اور جنت والوں کی ساری غذاؤں کا سردار گوشت ہے۔ (ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا۔ (بخاری، مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پشت کا گوشت عمدہ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرگوش کا گوشت بھی قبول فرمایا۔ (بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گورخر کھانے کی اجازت دی۔ (بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا۔ (السنن)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا۔ (بخاری مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخاب کا گوشت بھی کھایا (السنن) صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ٹڈی (پرندہ) کا گوشت بھی کھایا۔ (بخاری، مسلم)

۳۹۔ دودھ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کی تعریف کی اور فرمایا: میرے علم میں دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں جو بھوک بھی ختم کرتی ہو اور پیاس بھی بجھاتی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا اور پینے کے بعد پانی منگوا کر کلی فرمائی۔ (بخاری، مسلم)

۴۰۔ پانی

بعض پانیوں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ جیسے دریائے سیحون، جیحون اور نیل و فرات کے پانی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعریف کی ہے اور فرمایا کہ یہ جنت کی نہریں ہیں۔ (بخاری، مسلم) چوں کہ ان کا پانی ہر اعتبار سے عمدہ ہے۔ اس لیے انہیں جنت کے پانی سے تشبیہ دی۔

آب زمزم کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نیت سے پیا جائے وہ مقصد پورا ہوتا ہے۔ (السنن)

۴۱۔ مشک

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے بہترین خوشبو مشک ہے۔ (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام

باندھنے سے پہلے اور احرام کے بعد اسے استعمال فرمایا ہے۔ (بخاری مسلم)

۴۲۔ نمک

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے کھانے کا سردار نمک ہے۔ (ابن ماجہ)

۴۳۔ چونہ

جب آپ ﷺ (بال صاف کرنے کے لیے) چونہ استعمال فرماتے تو پہلے ستر والے حصے کو لگاتے۔ (ابن ماجہ) (آپ ﷺ نے کبھی چونے سے بھی بال صاف کیے ہوں گے۔)

۴۴۔ بیر

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو سب سے پہلے بیر کھایا تھا۔ (ابو نعیم)

۴۵۔ ورس

یہ گھاس کی ایک قسم ہے جو کپڑے وغیرہ رنگنے کے کام آتی ہے۔

آپ ﷺ نے ذات الجنب کی بیماری میں ورس اور زیتون کے تیل کے استعمال کی تعریف فرمائی ہے۔ (ترمذی)

۴۶۔ کدو

آپ ﷺ سالن میں سے کدو تلاش کرکے کھایا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب سالن پکاؤ تو کدو زیادہ ڈالا کرو! کیوں کہ یہ غمگین دل کو قوت دیتا ہے۔ آپ ﷺ دو طرح سے کھانا کھاتے تھے: ایک اکڑوں بیٹھ کر، دوسرے دوزانوں بیٹھ کر کہ بائیں پاؤں کا تلوا دائیں پاؤں کی پشت سے لگا ہوتا تھا۔

آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے، اور کھانے سے فارغ ہو کر انگلیاں چاٹ لیتے تھے اور ٹھنڈا اور میٹھا پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے (ایک موقع پر) حضرت ابوالہیثم سے پہلے کا رکھا ہوا پانی طلب فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سقیا نامی کنوئیں سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر تین سانس میں پانی پیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی پینے کے لیے ایک لکڑی کا اور ایک کانچ کا پیالہ تھا۔

۴۷۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا لباس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس چادر، لنگی، کرتہ اور عمامہ ہوتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ لباس بھی پہنا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفید لباس زیادہ پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتان اور اون کا کپڑا بھی پہنا ہے مگر سوتی کپڑا زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ بعض مواقع پر قیمتی کپڑا اور قبا بھی استعمال فرمائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی کے اوپر عمامہ پہنتے تھے، کبھی بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی بغیر عمامے کے صرف ٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔ کبھی شملہ والی پگڑی باندھتے اور کبھی بغیر شملے والی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتہ سوتی ہوتا تھا، جس کا دامن اور آستین زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی کی لمبائی چار ہاتھ ایک بالشت اور چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی۔

روم کے بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی تھی جس میں ریشم کی جھالریں لگی ہوئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی زیب تن فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پائجامہ خرید فرمایا اور بعض روایات میں ہے کہ پہنا بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھاری دار چادر کو پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سیاہ اور سرخ دو چادریں تھیں جن میں سبز رنگ کی دھاریاں تھیں اور ایک بالوں والا کمبل بھی تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ ایک بالشت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھول بوٹے والی اور سادہ دونوں طرح کی چادر پہنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکیہ چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی چمڑے پر، کبھی چٹائی پر، کبھی زمین پر، کبھی چارپائی پر، اور کبھی سیاہ کمبل پر آرام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدن ڈھانکنے کے لیے چادر بھی اوڑھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوتے اور موزے بھی

استعمال فرمائے ہیں۔

۴۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریاں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سات گھوڑے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

(۱) سکب (۲) مرجز (۳) لحیف (۴) لزاز (۵) ظرب (۶) سجہ (۷) ورد

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانچ خچر تھے:

(۱) دلدل۔ جو مصر کے بادشاہ مقوقس نے بھیجا تھا۔ (۲) فضہ۔ جو جزام کے قبیلے فروہ نے بھیجا تھا۔ (۳) ایک سفید خچر تھا جو ایلہ کے حاکم نے پیش کیا تھا۔ (۴) یہ خچر دومۃ الجندل کے حاکم نے بھیجا تھا۔ (۵) بعض حضرات کے بقول ایک پانچواں خچر بھی تھا جو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھیجا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تین گدھے تھے:

(۱) عفیر۔ جو مصر کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ (۲) دوسرا جذام کے قبیلے فروہ نے بھیجا تھا۔ (۳) تیسرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تین سانڈنیاں تھیں:

(۱) قصویٰ (۲) عضباء (۳) جدعاء۔

بعض حضرات نے عضباء اور جدعاء کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ (اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو سانڈنیاں ہوئیں۔)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ دینے والی پینتالیس اونٹنیاں اور سو بکریاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو سے زیادہ بکریاں نہ ہونے دیتے تھے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ایک بکری ذبح فرما دیتے تھے۔ (ھٰذا کلہ من زاد المعاد)

ملاحظہ: اس فصل میں مذکور تمام چیزیں اور امور ایسا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حیاتِ طیبہ کا معمول تھا بلکہ بعض امور ایسے ہیں جو کسی خاص وقت کے ساتھ خاص تھے۔ تفصیل احادیث میں مذکور ہے۔

مِنَ الْرَّوْضِ

قَضٰی وَلَمْ یَکُ یَوْمًا مُدْرِگًا شِبَعًا
مِنَ الشَّعِیْرِ وَکَانَتْ فَرْشُہٗ الْحُصُرْ
ھٰذَا وَقَدْ مُلِّکَ الدُّنْیَا بِاَجْمَعِھَا
فَرَدَّہٗ الزُّھْدُ عَنْھَا وَھُوَ مُقْتَدِرُ
فَالثَّوْبَ یَرْقَعُہٗ وَالشَّاۃَ یَحْلِبُھَا
وَمَارُاِیَ لِاَخِ الْاِعْدَامِ یَحْتَقِرُ
وَالْبَیْتَ یَکْنِسُہٗ وَالنَّعْلَ یَخصِفُھَا
وَ اِنْ دُعِیَ اَسْعَفَ الدَّاعِیْ وَلَایَذَرُ
کَانَ الْبُرَاقُ لَہٗ وَالْخَیْلُ یَرْکَبُھَا
وَالْاِبْلُ اَیْضًا کَذَاکَ الْبَغْلُ وَالْحُمُرْ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی ایک دن بھی جو سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بوریے کا ہوتا تھا۔

(۲) اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام دنیا کے مالک تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زہد کی وجہ سے دنیا کو چھوڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرت رکھنے کے باوجود ایسی زندگی بسر کی۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کپڑوں پر خود پیوند لگا لیتے تھے۔ اور بکری کا دودھ خود نکال لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی غریب کو بے عزت نہیں کیا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں خود جھاڑو دے دیتے اور خود ہی جوتا سی لیا کرتے تھے۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعوت قبول کرتے، اور انکار نہیں فرماتے تھے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے براق بھی حاضر تھا پھر بھی گھوڑے، اونٹ، خچر اور دراز گوش سبھی پر سواری کر لیا کرتے تھے۔

چھبیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل و عیال اور خدّام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا نکاح پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اس وقت ان کی عمر چالیس برس تھی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، اور ان کی وفات کے چند دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ پھر تھوڑے عرصے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو ہجرت کے پہلے سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں۔ اس وقت ان کی عمر صرف نو برس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں صرف یہی کنواری تھیں۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے، لیکن دو مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا ان کا انتقال ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمام بیویوں میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔ پھر غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے وکیل کے ذریعہ ۴ ہجری میں نکاح فرمایا۔ وہ اس وقت حبشہ میں تھیں۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انہیں چار سو درہم مہر دیا۔ پھر غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے انہیں آزاد کرکے ان سے نکاح فرمالیا۔ پھر آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے زمانے میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ گیارہ بیویاں ہیں جن میں سے دو آپ ﷺ کی زندگی میں وفات پا گئیں اور نو آپ ﷺ کے وصال کے وقت زندہ تھیں۔ کچھ اور بیویوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے لیکن اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔

آں حضـــرت ﷺ کی باندیاں

آں حضرت ﷺ کی چار باندیاں تھیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا۔ ان سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا اور ایک اور کنیز جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ہبہ کی۔

اولاد

آپ ﷺ کے ہاں سب سے پہلے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی، (پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں) پھر حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ ان تینوں (بلکہ چاروں) میں اختلاف ہے کہ بڑی کون سی ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ جن کے لقب طیب اور طاہر ہیں۔ صحیح قول کے مطابق یہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے، ان کا بھی بچپن میں انتقال ہو گیا۔ یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔

پھر ۸ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال بھی شیر خوارگی کے زمانہ میں ہوا۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔ ان کا انتقال آپ ﷺ کے وصال سے چھ ماہ بعد ہوا۔

چچا

آں حضرت ﷺ کے چچا مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ (۳) حضرت ابوطالب۔ (۴) ابولہب۔ (۵) زبیر۔ (۶) عبدالکعبہ۔ (۷) حارث۔ (۸) مقوم۔ بعض حضرات

نے کہا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی کے تھے۔ (۹) ضرار۔ (۱۰) قثم۔ (۱۱) مغیرہ۔ (۱۲) عیداق۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی تھے۔ اس طرح کل دس چچا ہوئے یا بارہ۔ لیکن ان میں سے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور چچا بھی تھے۔

پھوپھیاں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ یہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ (۲) عاتکہ۔ (۳) اردی (ان دونوں کے اسلام میں اختلاف ہے۔) (۴) برہ۔ (۵) امیمہ۔ (۶) ام حکیم۔

غلام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت اسلم۔ (۳) حضرت ابو رافع۔ (۴) حضرت ثوبان۔ (۵) حضرت ابو کبشہ۔ (۶) حضرت سلیم۔ (۷) حضرت شقران۔ (۸) حضرت رباح۔ (۹) حضرت یسار۔ (۱۰) حضرت مدعم۔ (۱۱) حضرت کرکرہ۔ (۱۲) حضرت انجشہ۔ (۱۳) حضرت سفینہ۔ (۱۴) حضرت انیسہ۔ (۱۵) حضرت افلح۔ (۱۶) حضرت عبیدہ۔ (۱۷) حضرت طہمان۔ (۱۸) حضرت کیسان۔ (۱۹) حضرت ذکوان۔ (۲۰) حضرت مہران۔ (۲۱) حضرت مروان۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ پانچ نام ایک ہی خادم کے ہیں (۲۲) حضرت حنین۔ (۲۳) حضرت سندر۔ (۲۴) حضرت فضالہ۔ (۲۵) حضرت مابور۔ (۲۶) حضرت واقد۔ (۲۷) حضرت ابو واقد۔ (۲۸) حضرت قسام۔ (۲۹) حضرت ابو عسیب۔ (۳۰) حضرت ابو مویہیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ سب غلاموں کے نام ہیں۔

کنیزیں

آں حضرت کی کنیزوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حضرت سلمیٰ۔ (۲) حضرت ام رافع۔ (۳) حضرت میمونہ بنت سعد۔ (۴) حضرت خضیرہ۔ (۵) حضرت رضویٰ۔ (۶) حضرت ریشحہ۔ (۷) حضرت ام ضمیر۔ (۸) حضرت میمونہ بنت عسیب۔ (۹) حضرت ماریہ۔ (۱۰)

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہن۔

گھریلو خادم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو ملازمین کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ اکثر کام یہی انجام دیتے تھے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ جوتے اور مسواک کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

۳۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ۔ یہ سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر کے ساتھ رہتے تھے۔

۴۔ حضرت اسلح بن شریک۔ یہ اونٹنی کے ساتھ رہتے تھے۔

۵۔ حضرت بلال۔ یہ مؤذن تھے۔

۶۔ حضرت سعد۔

۷۔ حضرت ابوذر غفاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و خرچ کا نظام ان حضرات کے سپرد تھا۔

۸۔ حضرت ایمن بن عبید۔ وضو اور استنجاء کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

۹۔ حضرت ام ایمن معیقب رضی اللہ عنہا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی ان کے پاس رہتی تھی۔

مؤذنین

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل چار مؤذن تھے: (۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم مدینہ میں۔ (۳) حضرت سعد القرظ قبا میں۔ (۴) حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مکہ میں۔

پہرہ دار

(۱) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا۔ (۲) حضرت محمد بن

مسلمہ رضی اللہ عنہ نے احد میں پہرہ دیا۔ (۳) حضرت زبیر نے جنگ خندق میں پہرہ دیا۔ (۴) حضرت عباد بن بشیر نے بھی بعض مواقع پر یہ خدمت انجام دی ہے۔ لیکن جب آیت کریم وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ خود لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہرہ بند فرمادیا۔

کاتبین

کاتبینِ وحی کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۶) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (۷) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۸) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (۹) حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ۔ (۱۱) حضرت حنظلہ بن ربیع سعدی رضی اللہ عنہ۔ (۱۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ (۱۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (۱۴) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (۱۵) حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (۱۶) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (۱۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ اس خدمت کو اکثر اوقات یہی حضرات انجام دیا کرتے تھے۔

سزا دینے والے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجرموں کو قتل کی سزا دینے کے لیے ان حضرات کو متعین کیا ہوا تھا:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔ (۳) حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ۔ (۵) حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (۶) حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ۔

شعراء اور خطیب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعراء مندرجہ ذیل تھے:

(۱) حضرت کعب بن مالک (۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ (۳) حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ یہ سب حضرات شاعر تھے۔ آں حضرت کی طرف سے حضرت ثابت قیس بن شماس خطیب مقرر تھے۔

من المواهب

تُوُفِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ
اِلَیْهِنَّ تُعْزَی الْمَکْرُمَاتُ وَتُنْسَبُ
فَعَائِشَةٌ مَیْمُوْنَةٌ وَصَفِیَّةٌ
وَحَفْصَةٌ تَتْلُوْہُنَّ ہِنْدٌ وَ زَیْنَبٌ
جُوَیْرِیَّةٌ مَعَ رَمْلَةَ ثُمَّ سَوْدَةٌ
ثَلَاثٌ وَسِتٌّ ذِکْرُ ہُنَّ مُهَذَّبُ
فَصَلّٰی عَلَیْهِ اللّٰهُ مَادَامَ شَارِقٌ
مِنَ الشَّرْقِ یَشْرُقُ ثُمَّ فِی الْغَرْبِ یَغْرُبُ

۱۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں تھیں جو سب کی سب اعلیٰ صفات والی تھیں۔

۲۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت ہند رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

۳۔ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت رملہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ کل نو بیویاں ہوئیں۔ ان کا تذکرہ بہت اچھا ہے۔

۴۔ جب تک سورج مشرق سے نکل کر مغرب میں غروب ہوتا رہے، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتیں نازل فرماتا رہے۔

ستائیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

بلا شبہ آپ ﷺ کا وصال ایک ہوش اڑا دینے والا واقعہ ہے۔ کسی بھی مسلمان کے لیے اس سے بڑا حادثہ کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چوں کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے وصال میں بھی رحمتوں کا اظہار فرمایا۔

جب آپ ﷺ خود رحمۃ للعالمین ہیں تو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہوں گی۔ تو اس لیے یہ وفات بھی آپ ﷺ کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی اور امتِ محمدیہ کے لیے بھی اس میں رحمتِ خداوندی کا اظہار ہے۔ اس دعویٰ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل (۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اس میں میری موت کی طرف اشارہ ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (آخرت آپ ﷺ کے لیے دنیا سے بہتر ہے) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا سے وصال اور سفر آخرت آپ کے لیے زیادہ مفید ہے کیوں کہ ایک تو اللہ تعالیٰ سے بغیر حجاب ملاقات ہو گی اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو نوازنا ہے ان نعمتوں کا مشاہدہ ہو گا۔

دلیل (۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں منبر پر بیٹھے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا کی عیش و عشرت میں رہے یا اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نعمتوں کو اختیار کر لے۔ اور اس بندے نے

خدا تعالیٰ کے پاس موجود چیزوں کو ترجیح دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے (ہمیں بعد میں سمجھ آئی) کہ اس سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو پسند فرمایا جو آخرت کے اچھے ہونے کی دلیل ہے۔

دلیل (۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ہر نبی کو مرض الموت میں دنیا اور آخرت کے بارے میں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہیں رہ لیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الوفات میں کھانستے تھے تو یوں فرماتے تھے: **مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین**۔ (ان لوگوں کے ساتھ (رہنا چاہتا ہوں) جن پر آپ نے انعام فرمایا، یعنی نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحین کے ساتھ) اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم) (جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو اختیار فرمالیا۔)

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔

دلیل (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانۂ صحت میں فرمایا کرتے تھے: جس نبی کی وفات ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کا جنت کا مقام دکھا دیتے ہیں اور انہیں اختیار دے دیتے ہیں۔ جب مرض کی شدت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر نگاہ اٹھا کر فرماتے تھے: **اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ** (اے اللہ! میں عالم بالا کے رفقاء کو اختیار کرتا ہوں) اور صحیح ابن حبان میں یہ اضافہ بھی مذکور ہے: **مع جبرئیل ومیکائیل واسرافیل**۔ (جبریل میکائیل اور اسرافیل کے ساتھ)

دلیل (۵) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں دنیا میں اتنے عرصہ تک زندہ رہوں کہ اپنی امت کی فتوحات دیکھ سکوں یا پھر میں اس سے پہلے ہی آخرت کی طرف چلا جاؤں۔ میں نے جلد آخرت کی طرف جانے کو اختیار کیا۔ (مسند عبد الرزاق)

فائدہ: اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا چھوڑنے کو

خود ترجیح دی۔

دلیل (٦) حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عزرائیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمائیں تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روح قبض کرلوں ورنہ رہنے دوں۔ مجھے حکم ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل کی طرف دیکھا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ (یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک الموت کو روح قبض کرنے کی اجازت دے دی۔)

”اللہ تعالیٰ ملاقات کے مشتاق ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخرت میں لے جا کر اپنا مزید قرب عطا کرنا چاہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ (بیہقی)

فائدہ: اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دی۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس بات کا اشتیاق تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو ترجیح دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔ (مواہب۔ مشکوٰۃ)

دلیل (٧) (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کرکے رونے لگیں۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو آخرت میں نعمتیں ملی ہیں وہ دنیا سے بہت بہتر ہیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ٹھیک ہے، لیکن میں اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اس پر وہ دونوں حضرات بھی رونے لگے۔ (مسلم ملخصا)

دلیل (٨) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس امت کے پیغمبر کو اس کی امت سے پہلے وفات دے دیتے ہیں اور اس پیغمبر کو اس امت کے لیے بطور توشہ آگے بھیج دیتے

ہیں۔ اور جب کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو پیغمبر کو زندہ رکھتے ہوئے اس امت کو سزا دیتے ہیں اور ہلاک کر دیتے ہیں اور ان کی ہلاکت دیکھ کر پیغمبر کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے پیغمبر کی نافرمانی کرکے انہیں جھٹلایا ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال امت کے حق میں بھی رحمت ہے جیسے پہلی روایات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نعمت ہے۔

دلیل (۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے اجر کا ذکر فرما رہے تھے جن کی اولاد بچپن میں مر جاتی ہے (کہ وہ اولاد ان کے لیے آخرت میں توشہ بن جاتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! جس کا بچپن میں کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو، اس کے لیے کون توشہ بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے میں آگے جا رہا ہوں کیوں کہ ان کے لیے میری وفات سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات میں امت کے لیے یہ حکمت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر صبر کرنے سے ان کو بہت زیادہ اجر ملے گا۔

دلیل (۱۰) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو وہ میری وفات کا صدمہ یاد کرکے تسلی حاصل کرلے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: اس روایت سے ثواب کے علاوہ تسلی کی حکمت بھی معلوم ہوئی۔

دلیل (۱۱) حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حیرہ کے ایک رئیس کے سامنے اس کی رعایا کو سجدہ کرتے دیکھا۔ میں نے واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اگر تم میری قبر پر گزرو تو کیا اسے بھی سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ایسا مت کرو۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال کا منشا یہ تھا کہ تمہارے جواب سے معلوم ہوا کہ سجدہ

زندہ کو کیا جاتا ہے اور حقیقتاً چوں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی زندہ ہے اس لیے سجدہ کی حقدار بھی وہی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی ایک حکمت یہ بھی معلوم ہوئی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ زندہ رہتے تو تعجب کی بات نہیں کہ ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا سمجھنے لگتے۔ اس لیے امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات بڑی رحمت ہے۔

دلیل (۱۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ میری وفات کے بعد میرے صحابہ میں اختلاف تو نہیں ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میرے نزدیک ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں بعض، بعض سے زیادہ روشن اور منور تو ہیں لیکن نور سب ہی میں ہے۔ جو شخص ان کے اختلاف کے جس حصے کو بھی لے گا میرے نزدیک وہ صحیح راستے پر ہوگا۔ (رزین)

فائدہ: یہ اختلاف اجتہادی مسائل میں قرآن کریم کی آیات کے مختلف معنوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ہر شخص دلیل شرعی پر عمل کر رہا ہے۔ اس میں چوں کہ امت کے لیے سہولت ہے اس لیے یہ بھی رحمت ہے۔

اختلاف چوں کہ اجتہاد کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احکامات معلوم کر لیے جاتے اور اجتہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آتی پھر اجتہاد کا دروازہ کیسے کھلتا؟ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت کیسے حاصل ہوتی؟ پس پہلی سات روایتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور آخری پانچ روایتوں میں امت کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات میں حکمت معلوم ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے باعث پریشانی

لیکن (خدانخواستہ) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کسی طرح بھی مصیبت نہیں ہے۔ کیوں کہ مذکورہ روایات میں مذکور بعض حکمتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

وفات پر صدمے کی دلیل کی وجہ سے ہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا ہے، ان سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر پریشانی کا اظہار منقول ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ فرشتوں تک سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر افسوس اور گریہ کرنا ثابت ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات میں حضرت جبریل امین نے فرمایا: آج میں زمین پر آخری مرتبہ اترا ہوں۔ (بیہقی) اس سے بھی افسوس کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض ہوئی تو ملک الموت روتے ہوئے آسمان پر چڑھے اور مجھے آسمان سے یہ آواز سنائی دی۔ **وامحمداہ** (ہائے محمد) اس سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کا رونا ثابت ہوا۔ (ابو نعیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت خضر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیت کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے۔ ان کا رونا بھی ثابت ہے۔ اگر حضرت خضر پیغمبر ہوں تو اہل سنت کے ہاں پیغمبر فرشتوں سے افضل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا رونا فرشتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے، جو اس واقعہ کے مصیبت ہونے کی نشانی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے اصحاب کے لیے امن کا سبب ہوں۔ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، ان پر وہ (فتنے، جنگیں اور) بلائیں آئیں گی، جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امن کا سبب ہیں، جب یہ چلے جائیں گے تو امت پر وہ بلائیں (فتنے اور بدعات وغیرہ) آئیں گی جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔

گزشتہ روایت میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا قول مذکور ہے جس میں ہے کہ آسمان سے وحی منقطع ہو گئی جس نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رلا دیا۔ یہ تینوں باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے مصیبت ہونے پر واضح دلیل ہیں۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی بھی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے امت کے لیے رحمت اور ایک حیثیت سے مصیبت ہے۔

مرض کی ابتداء

آپ ﷺ کے مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوئی اور بعض حضرات کے نزدیک حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر اور بعض حضرات کے نزدیک حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے گھر (یہ آپ ﷺ کی کنیز تھیں) مرض کی ابتداء بعض حضرات کے نزدیک پیر کے دن ہوئی جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ہفتہ کے دن اور بعض حضرات کے نزدیک بدھ کے دن ہوئی۔ مرض کی کل مدت بعض حضرات نے تیرہ دن، بعض حضرات نے چودہ دن، بعض حضرات نے بارہ دن جبکہ بعض حضرات نے دس دن بتائی ہے۔ میرے نزدیک اس اختلاف کے ختم ہونے کی صورت یہ ہے کہ مرض کی ابتداء کو بعض حضرات نے ہلکا سمجھ کر شمار نہیں کیا جبکہ بعض لوگوں نے شمار کیا۔ اس طرح سارے قول جمع ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کو پہلے سر درد شروع ہوا اور پھر بخار ہو گیا۔ خیبر میں آپ ﷺ کو یہودیوں نے گوشت میں جو زہر دیا تھا آپ ﷺ نے اس مرض میں اس زہر کے بارے میں فرمایا: (مجھے) اس زہر کا اثر ہمیشہ ہوتا رہا مگر اب اس نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو زہر سے شہادت ہوئی۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض سلف کا قول ہے۔

بعض ضعیف روایات میں آپ ﷺ کا مرض ذات الجنب بھی آیا ہے اور بعض احادیث میں خود آپ ﷺ کے ارشاد سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ بعض علماء نے ان دونوں روایات کو جمع کرنے کے لیے یہ کہا کہ ذات الجنب کے دو مطلب ہیں: ایک سوجن کی گرمی، دوسرا پسلیوں کے درمیان ہوا کا رک جانا۔ آپ ﷺ سے اوّل کی نفی منقول ہے جبکہ دوسرے کا اثبات ہے۔ ابن سعد کی روایت میں صاف موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کوکھ کے درد کا دورہ ہوتا تھا اور پھر اس میں شدت ہو گئی۔

جب بیماری بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ درمیان میں ایک وقت نہایت تکلف سے

آپ ﷺ نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ایک دن آں حضرت ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے رنج و غم کو سن کر مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر بہت سی وصیتیں اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔

علامہ واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے وفات کے قریب ہم لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع فرمایا اور سفر آخرت قریب ہونے کی خبر سنائی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کو غسل کون دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر والے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کو کس کپڑے میں کفن دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ان ہی کپڑوں میں (آپ ﷺ کا لباس چادر اور قمیص ہوتا تھا) اور اگر چاہو تو مصر کے سفید کپڑوں میں یا دو یمنی چادروں میں کفن دینا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب غسل کفن سے فارغ ہو جاؤ تو میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا، پہلے ملائکہ نماز پڑھیں گے، پھر تم جماعت در جماعت نماز ادا کرنا۔ (تم میں) پہلے اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں، پھر اہل بیت کی عورتیں پھر تم لوگ نماز ادا کرنا۔ ہم نے عرض کیا: آپ (ﷺ) کو قبر میں کون اتارے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت اور ان کے ساتھ فرشتے ہوں گے۔ (طبرانی)

ایک دن جب مسجد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے تو آپ ﷺ نے گھر کا پردہ اٹھایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ لوگ سمجھے کہ آپ ﷺ تشریف لائیں گے۔ اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بیتابی کا عجیب حال تھا کہ نماز توڑ دیتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ ﷺ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا: نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ کر دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آخری زیارت تھی۔

آپ ﷺ کی وفات

آپ ﷺ کی وفات ربیع الاوّل کے شروع میں ۱۰ھ میں پیر کے دن زوال سے پہلے یا

زوال کے بعد ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاخیر سے دفن کیا گیا کیوں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وحشت اور حیرت کا ایسا عالم تھا کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوش میں نہ رہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل، کفن کے احکامات کے بارے میں علم نہیں تھا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام عام آدمی کے احکام کی طرح نہیں ہو سکتے۔ جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن دفن کے متعلق حدیث میں گزری وہ اس لیے مشہور نہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس گفتگو کو عام سوالات کی طرح یاد نہ کیا اور ان کا دل بھی کیسے گوارا کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا نام بھی زبان پر لائیں اگرچہ مستقل مزاج قریبی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان باتوں کو بھی معلوم کر لیا تھا۔ مگر عام طور پر ان معلومات کا ذخیرہ مجمع کے پاس نہ تھا۔ پھر اسلام کی آیندہ حفاظت کے انتظام کی فکر بھی ایک مستقل فکر تھی اور یہ فکر سب سے اہم فکر تھی۔ اس کے لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کسی ایک آدمی کو حاکم بنایا جائے اور سب اس پر متفق ہو جائیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین میں تاخیر ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز لوگوں نے الگ الگ پڑھی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک میں تغیر کا احتمال نہ تھا اس لیے یہی چاہا کہ سب اس نماز سے شرف حاصل کر لیں ان تمام باتوں کی وجہ سے دفن میں تاخیر لازمی چیز تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین

چناں چہ پیر کا دن اور منگل کا دن گزرنے کے بعد بدھ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منگل کے دن دفن ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بدھ کے دن دفن ہوئے۔ مگر یہ دونوں روایتیں بھی پہلی روایت کی طرح ہی ہیں اس طرح کہ عرب کے لوگوں کے حساب میں رات شروع ہو جانے سے تاریخ بدل جاتی ہے اس وجہ سے منگل گزرنے کے بعد کی رات کو بدھ کا دن کہہ دیا اور بعض لوگ رات کو ابتدائی دن کا حصہ شمار کرتے ہیں اس لیے منگل کی رات کہہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ واقعہ ایسا ہوش اڑانے والا تھا کہ اگر اس واقعہ کو دیکھیں تو لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جلد دفن ہوئے۔ ورنہ مہینوں کے بعد بھی دفن ہوتے تو عجیب بات نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کا ایسی حالت میں ہمت نہ ہارنا حضور پُر نور ﷺ کی صحبت و تربیت کا ہی فیض تھا۔ خالی دماغ اعتراض کرنے والوں کا یہ ذوق کب ہو سکتا ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

ترجمہ: تیرے پاؤں میں تو کبھی کانٹا بھی نہیں چبھا، تجھے ان شیروں کا کیا پتا جنہوں نے اپنے سروں پر مصیبتوں کی تلواریں کھائی ہیں۔

آپ ﷺ کا غسل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب لوگ آپ ﷺ کو غسل دینے لگے تو انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آپ ﷺ کے کپڑے تمام مردوں کی طرح اتارے جائیں یا کپڑوں کے ساتھ غسل دیا جائے۔ جب اس میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی اور گھر کے کونے سے کسی نے کہا یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون تھا کہ کپڑوں کے ساتھ غسل دو۔ لوگ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے جاتے اور قمیص سمیت ملتے جاتے تھے۔ (بیہقی) اس وقت ایک تیز خوشبودار ہوا اٹھی پھر آپ ﷺ کا کرتہ نچوڑ دیا گیا۔ (ابن سعد)

آپ ﷺ کا کفن

آپ ﷺ کے کفن کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ دو سفید کپڑے اور ایک دھاری دار کپڑے میں کفن دیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: مخطط کپڑا لایا تو گیا تھا مگر واپس کر دیا گیا تھا۔ اس میں کفن نہیں دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

وہ تینوں کپڑے سوت کے تھے (اور احناف رحمۃ اللہ علیہم نے قمیص کو اس لیے مسنون کہا ہے کہ خود حضور ﷺ نے ایک میت کو قمیص میں کفن دیا۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے جس میں قمیص کی نفی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس

قمیص میں حضور پُر نور ﷺ کو غسل دیا تھا وہ اتار لی گئی تھی۔ امام نووی نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ عقلی وجہ سے بھی یہی صحیح لگتا ہے کیوں کہ اگر وہ قمیص رہتی تو اوپر کا سارا کفن تر ہو کر خراب ہو جاتا۔

(ابو دوٗد کی وہ روایت جس میں مذکور ہے کہ اسی قمیص کے ساتھ دفن کیا گیا، یزید بن زیاد راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

آپ ﷺ کی نماز جنازہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا جنازہ تیار کرکے گھر میں گیا تو پہلے مردوں نے جماعت در جماعت نماز ادا کی پھر عورتیں آئیں پھر بچے آئے اور انہوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ اس نماز میں کوئی امام نہیں بنا۔ (ابن ماجہ)

آپ ﷺ کی تدفین

پھر یہ بحث شروع ہوئی کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کی روح اسی جگہ قبض کرتے ہیں جہاں انبیاء دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اس جگہ دفن کرو جہاں آپ ﷺ کا بستر تھا۔ (ترمذی)

(اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نبی ضرور اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں ان کی وفات ہوئی ہو، بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وہاں دفن ہونا پسند تھا۔ اگر لوگ کسی وجہ سے کسی اور جگہ دفن کردیں تو اور بات ہے۔)

آپ ﷺ کی قبر مبارک

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی لحد مبارک کھودی۔ آپ ﷺ کو قبر شریف میں چار حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں حضرت قثم اور حضرت فضل رضی اللہ عنہما نے اتارا۔ آپ ﷺ کی لحد پر کچی اینٹیں کھڑی کی گئیں۔ حضرت شقران رضی اللہ

عنہ نے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کیے ہوئے غلام تھے، اپنی رائے سے نجران کا بنا ہوا کھیس جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوڑھا کرتے تھے، قبر شریف میں بچھا دیا تھا مگر ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ وہ پھر نکال دیا گیا۔ تدفین کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مشک پانی کی قبر شریف میں چھڑک دی اور پانی سرہانے کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کوہان کی شکل کی تھی۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری والے دن سے زیادہ کوئی اچھا اور روشن دن نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ وفات سے زیادہ برا اور تاریک دن کوئی نہیں دیکھا۔ (دارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی اور جس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اس دن مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی اور ہم ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر کے مٹی سے ہاتھ جھاڑ ہی رہے تھے کہ ہمیں اپنے دل تبدیل لگ رہے تھے۔ (ترمذی) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ ان کے عقیدے یا عمل میں فرق آ گیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب و صحبت کے جو انوار تھے وہ نہ رہے۔ اور شیخ کامل سے قریب اور دور ہونے کا فرق اب بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے بارے میں صحیح حدیثیں مذکور ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من زار قبری وجبت له شفاعتی** ”جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لے میری شفاعت واجب ہو گئی۔“ (دار قطنی) اور علامہ عبد الحق نے اپنے احکام وسطیٰ و صغریٰ میں اس روایت کو ذکر کر کے اس سے سکوت کیا جو اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من جاءنی زائرًا لا تحمله حاجة الا زیارتی کان**

حقا علی ان اکون شفیعا له یوم القیامة ”جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور میری زیارت کے علاوہ کسی ضرورت کی وجہ سے نہ آئے تو مجھ پر اس کا حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔“ (طبرانی)

علامہ ابن السکن نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور متکلم فیہ روایات اس بارے میں بہت زیادہ ہیں لیکن چوں کہ ان کی تائید صحیح روایات سے ہو رہی ہے لہٰذا وہ روایات بھی قابل قبول نہیں۔ اہل ذوق کا فتویٰ بھی اس بارے میں یہی ہے۔

عَلَیَّ بِرَبْعِ الْعَامِرِیَّۃِ وَقْفَۃٌ
لِیُمْلٰی عَلَیَّ الشَّوْقُ وَالدَّمْعُ کَاتِبٌ
وَمِنْ مَذْہَبِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَہْلِہَا
وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاہِبُ

لیلیٰ عامریہ کی منزل پر کچھ ٹھہرنا میرے لیے لازم ہے تاکہ شوق مجھے مضمون لکھوائے اور آنسو لکھیں۔ اور میرا مذہب یہ ہے کہ گھر والوں کے تعلق کی وجہ سے گھروں کے ساتھ بھی محبت کی جائے۔ اپنی محبوب کے بارے میں لوگوں کے مختلف مذاہب ہیں۔

ایک حدیث میں جو وارد ہے: لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد (تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کے ارادے سے سفر نہ کرو)

اس کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھ لی جائے۔ حضرت مفتی صدر الدین خان نے اپنے رسالہ منتہی المقال میں ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کا مطلب ہے ”چوں کہ دوسرے مساجد میں ثواب کی زیادتی شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا اس نیت سے سفر کرنا کہ ان مساجد میں بہ نسبت دوسری مساجد کے ثواب زیادہ ہے، ممنوع ہے“۔

اس سے مراد قبر مبارک کی زیارت کی نفی نہیں ہے۔

اَلَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کُنْتَ رَجَاءَ نَا
وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَکُ جَافِیَا
وَکُنْتَ رَحِیْمًا ہَادِیًا وَ مُعَلِّمًا
لِیَبْکِ عَلَیْکَ الْیَوْمَ مَنْ کَانَ بَاکِیَا

فِدًی لِرَسُوْلِ اللّٰہِ اُمِّیْ وَ خَالَتِیْ
وَ عَمِّیْ وَ خَالِیْ ثُمَّ نَفْسِیْ وَ مَالِیًا
فَلَوْ اَنَّ رَبَّ النَّاسِ اَبْقٰی نَبِیَّنَا
سَعِدْنَا وَلٰکِنْ اَمْرُہٗ کَانَ مَاضِیَا
عَلَیْکَ مِنَ اللّٰہِ السَّلَامُ تَحِیَّۃً
وَاُدْخِلْتَ جَنّٰتٍ مِنَ الْعَدْنِ رَاضِیَا

۱۔ یارسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہماری بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر شفیق تھے اور سخت نہ تھے۔

۲۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رحیم، ہادی اور معلم تھے۔ جس کو رونا ہو وہ آج آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر روئے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میں، میرا مال، میری ماں، خالہ، چچا، ماموں سب قربان ہوں۔

۴۔ اگر پروردگارِ عالم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقی رکھتا تو ہم سعادت اندوز ہوتے لیکن اس کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

۵۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو راضی کرکے جناتِ عدن میں داخل کرے۔

اٹھائیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم برزخ میں قیام کے احوال

پہلی روایت

حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امت کے حالات بلا ناغہ پیش کیے جاتے ہیں۔ (المواہب)

دوسری روایت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو حرام کر دیا ہے (زمین انہیں نہیں کھا سکتی) پس انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ عن ابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث پاک سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا ثابت ہوا۔ اور جو رزق عالمِ برزخ میں دیا جاتا ہے وہ اسی عالم کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ کئی روایات میں شہداء کو رزق دیے جانے کا بھی بیان ہے لیکن یہ صفت انبیاء علیہم السلام میں شہداء سے کہیں زیادہ کامل اور اکمل درجہ میں پائی جاتی ہے۔

تیسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (المواہب)

فائدہ: انبیاء علیہم السلام اس نماز کے مکلّف نہیں ہیں بلکہ لذت کے لیے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور اس حیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔

کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری قبر پر آکر درود شریف پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود شریف بھیجتا ہے، وہ مجھ کو (فرشتوں کے ذریعہ) پہنچا دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابن مسعود سے آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین میں گشت کرنے کے لیے کچھ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

چوتھی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آں حضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہوا تو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر روز ستر ہزار فرشتے آں حضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر اسے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ فرشتے واپس آسمان پر چلے جاتے ہیں اور آسمان سے مزید ستر ہزار فرشتے اتر کر اسی کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے دن آپ ﷺ کی قبر مبارک کھلے گی تو آپ ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے جلوے میں باہر تشریف لائیں گے اور وہ آپ ﷺ کو لے کر چلیں گے۔ (دارمی، مشکوٰۃ)

پانچویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو (بدن میں) لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

فائدہ: حدیث بالا سے آں حضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری روح حق تعالیٰ شانہٗ کی کبریائی کے مشاہدہ میں مستغرق رہتی ہے جیسا کہ دنیا کے اندر بھی نزولِ وحی کے وقت یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی، میں اس استغراق سے سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اس کیفیت کے بارے میں فرمایا کہ میری روح لوٹائی جاتی ہے۔ (اللمعات)

حاصل کلام

ان تمام روایات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے ثبوت کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام کرتے ہیں نیز اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوئیں :

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم آخرت کے مناسب حال غذا تناول فرماتے ہیں۔ (۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کو قریب سے سن کر خود جواب دیتے ہیں اور دور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی روایات میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیداری میں بھی بعض امتیوں سے گفتگو فرمائی اور انہیں ہدایات فرمائیں۔ حالتِ خواب اور کشف میں تو ایسے واقعات کا شمار ہی ناممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک وقت میں اتنے کام کیسے انجام دیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں روح کو بہت وسعت ہوتی ہے خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کو تو بہت زیادہ وسعت حاصل ہے۔ لیکن اس وسعت سے خلاف شرع بات ثابت کرنا یا کبھی کبھار ہونے والی باتوں کو ہمیشہ کے لیے ماننا جائز نہیں۔

مِنَ الرَّوْضِ

تَاللّٰہِ اُقْسِمُ مَا وَافَاکَ مُنْکَسِرٌ
اِلَّا وَاَصْبَحَ مِنْہُ الْکَسْرُ یَنْجَبِرُ
وَلَا احْتَمٰی بِحِمَاکَ اَلْمُحْتَمِیْ فَزَعًا
اِلَّا وَعَادَ بِاَمْنٍ مَالَہٗ خَضَرُ
وَلَا اَتَاکَ فَقِیْرُالْحَالِ ذُوْ اَمَلٍ
اِلَّا وَفَاضَ مِنَ الْاِثْرِ لَہٗ نَہَرُ
وَلَا اَتَاکَ امْرُءٌ مِنْ ذَنْبِہٖ وَجِلٌ
اِلَّا وَعَادَ بِعَفْوٍ وَھُوَ مُغْتَفِرُ

وَلَا دَعَاکَ لَهِیْفٌ عِنْدَ نَازِلَةٍ
اِلَّا وَلَبَّاهُ مِنْکَ الْعَوْنُ وَالْیُسْرُ
یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

۱۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (مزار شریف) کے پاس کوئی شکستہ بدحال (دعا کے لیے) نہیں پہنچا ہوگا مگر اس کی بدحالی کی اصلاح ہو گئی ہو گی۔ (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہو گیا۔)

۲۔ اور نہ کسی پناہ لینے والے نے گھبرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پناہ لی مگر امن و امان کے ساتھ واپس ہوا۔ اس کو (اپنی حاضری پر) شرمندگی نہیں ہوئی (جیسا کہ ناکام جانے میں ہوتی ہے۔)

۳۔ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (قبر شریف پر) کوئی فقیر امید لگا کر (دعا کے لیے) حاضر ہوا مگر اس کے آتے ہی سے اس کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔ (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہو گیا۔)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (قبر شریف پر) جو شخص گناہ سے ڈرتا ہوا (دعائے مغفرت کے لیے) آیا ہو بخشش کے ساتھ واپس گیا۔ (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہو گیا۔)

۵۔ (اور جس غمزدہ نے کسی حادثہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (قبر مبارک پر حاضر ہو کر دعا کے لیے) پکارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے مدد اور آسانی سے جواب دیا گیا۔ (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہو گیا۔)

انتیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیامت کے دن ظاہر ہونے والے بعض خاص فضائل

پہلی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر کھلے گی (سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا) اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسلم)

بعض احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئیں گے۔ (بخاری و مسلم) مطلب یہ ہے کہ قبر سے تو سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اٹھیں گے۔ لیکن قیامت کے میدان میں جو انسانوں پر بے ہوشی طاری ہو گی اس مدہوشی سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افاقہ ہو گا کیوں کہ حدیث مبارکہ میں بھی لفظ ''افاقہ'' کا ذکر ہے جس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ باقی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت کیوں حاصل ہو گی عین ممکن ہے کہ کوہ طور پر بے ہوشی کے عوض اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں یہاں بے ہوش ہی نہ کرے یا انہیں سب سے پہلے افاقہ ہو جائے۔ جیسا کہ عنقریب آگے آ رہا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنائیں گے۔

دوسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام پر مجھے یہ فضیلت حاصل ہو گی کہ میرے امتی سب سے زیادہ ہوں

گے۔ اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں ہی کھٹکھٹاؤں گا۔ (مسلم)

تیسری روایت

حضرت کثیر بن مرہ حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے روز) میں براق پر سوار ہوں گا۔ اور اس روز میرے علاوہ کسی اور کو یہ سواری نہیں دی جائے گی۔

چوتھی روایت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث میں آں حضرت ﷺ کے خصائص بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: مجھے شفاعت (کبریٰ) حاصل ہو گی۔ (بخاری مسلم) (جس کے بعد تمام لوگوں کا حساب شروع ہوگا۔ یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔)

پانچویں روایت

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے خصائص میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تعریف کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ میں فخر کے لیے نہیں کہہ رہا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سمیت سب انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (ترمذی)

چھٹی روایت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب لوگوں کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا۔ جب لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو میں سب سے آگے ہوں گا، جب سب لوگ خاموش ہوں گے تو میں شفاعت کے لیے بات کروں گا۔ اور سب لوگوں میں مجھ سے ہی شفاعت کی درخواست کی جائے گی۔ جب سب لوگ ناامید ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا، عزت (اور خیر) کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کا جھنڈا اس دن میرے

ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ معزز ہوں گا اور انڈے کی طرح صاف وشفاف اور بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند ایک ہزار خادم میری خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔ (ترمذی، دارمی)

فائدہ: گزشتہ روایت کی چوتھی فصل میں آچکا کہ جب سرکار دوعالم ﷺ قبر مبارک سے نکلیں گے تو آپ ﷺ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔

ساتویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (میدان محشر کے مناظر بیان کرتے ہوئے) فرمایا: مجھے جنت کے لباسوں میں سے ایک (عمدہ) لباس پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔ تمام مخلوق میں میرے علاوہ کسی کو یہ مرتبہ نہیں ملے گا۔ (ترمذی)

فائدہ: لمعات میں ہے کہ غالباً یہی مقام محمود ہے۔

مقام محمود کی مختلف تفسیریں ہیں حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد نے فرمایا ہے کہ مقام محمود کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو قیامت کے دن عرش پر بٹھائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو کرسی پر بٹھائیں گے۔ (مواہب)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ابراہیم علیہ السلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا۔ (دارمی)

ایک لباس تو قبر سے نکلتے ہی فوراً پہنایا جائے گا۔ وہ تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا اور ایک لباس میدان حشر میں پہنایا جائے گا۔ وہ سب سے پہلے آں حضرت ﷺ کو پہنایا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی وجہ یہ ہو کہ آپ علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو زائد کپڑے اتار کر ڈالا تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنائیں گے۔ لہٰذا مذکورہ بالا حدیث کا تعلق میدان حشر کے ساتھ ہے کیوں کہ

اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں پھر تم میدان حشر میں برہنہ لائے جاؤ گے۔

آٹھویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: جہنم کے درمیان میں پل صراط رکھا جائے گا، میں اپنی امت کو لے کر سب رسولوں سے پہلے (اس پر سے) گزروں گا۔ (بخاری و مسلم)

نویں روایت

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور ہر نبی اس بات پر فخر کرے گا کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے۔ (کیوں کہ میری امت سب سے زیادہ ہوگی۔) (ترمذی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کا حوض سب سے زیادہ بارونق ہوگا۔ اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

دسویں روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں شفاعت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: اللہ تعالیٰ میرے دل میں حمد و ثنا کے ایسے مضامین القاء فرمائیں گے جو اس وقت میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ: اس روز آپ ﷺ کی یہ علمی فضیلت ظاہر ہوگی کہ ذات و صفات کے متعلق آپ ﷺ کو وسیع معلومات دی جائیں گی۔ تیسری روایت کے علاوہ یہ تمام احادیث مشکوٰۃ میں مذکور ہیں۔

من القصيدة

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ
اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا بِيَدِیْ
فَضْلًا وَاِلَّا فَقُلْ يَا زَلَّةَ الْقَدَمِ
يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَكُوْنُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
وَلَنْ يَضِيْقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُكَ بِیْ
اِذَالْكَرِيْمُ تَجَلّٰی بِاسْمِ مُنْتَقِمِ
يَانَفْسُ لَاتَقْنُطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
اِنَّ الْكَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ
لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّیْ حِيْنَ يَقْسِمُهَا
تَاْتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِی الْقِسَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِالْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ قیامت کے ہولناک دن اللہ تعالیٰ کا وہی ایسا محبوب ہے جس سے قیامت کی ہولناکی سے شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور قیامت کے دن سب کو ضرور میدانِ قیامت میں لایا جائے گا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا۔ تو جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اس نے ایسی رسی کو پکڑا جو کبھی نہیں ٹوٹے گی، (بلکہ قیامت میں بھی ذریعۂ شفاعت بنے گی۔)

۳۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فضل و کرم قیامت میں میری دستگیری نہ فرمائے تو تُو کہہ دے کہ افسوس میرے گناہوں پر (کہ اچھے اعمال کرکے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کرم کا مستحق کیوں نہ بنا۔)

۴۔ اے مخلوق میں سب سے کریم! ہر چھوٹے بڑے حادثے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ

کوئی ایسا نہیں کہ میں اس کی پناہ میں آ جاؤں۔ (صرف آپ ﷺ ہی کا بھروسہ ہے۔)

۵۔ اے رسول اللہ ! جب اللہ تبارک و تعالیٰ انتقام لینے کو تیار ہوں گے اگر اس وقت آپ (ﷺ) میری شفاعت فرمادیں تو آپ کے مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۶۔ اے میرے نفس ! بڑے گناہ کی وجہ سے ناامید نہ ہو کیوں کہ شفاعت کے آگے کبیرہ گناہ بھی صغیرہ کی طرح ہیں۔

۷۔ امید ہے کہ جب میرے پروردگار اپنی رحمت اپنے بندوں میں تقسیم کرے گا تو وہ رحمت گناہوں کے بقدر حصہ میں آئے گی۔ (یعنی جتنا بڑا گناہ ہوگا اتنی ہی زیادہ رحمت نصیب ہوگی۔)

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

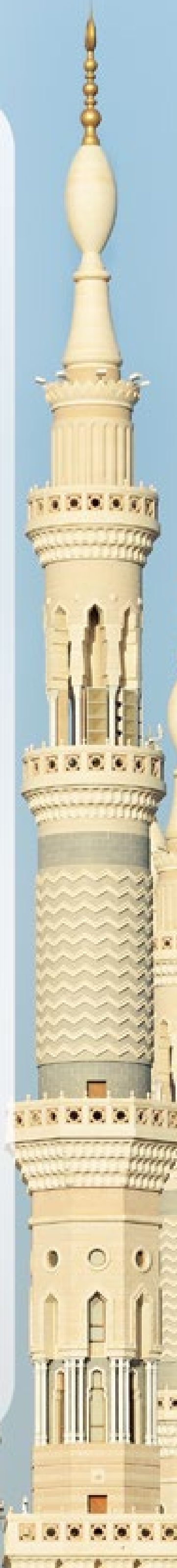

تیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنت میں ظاہر ہونے والے خاص فضائل

پہلی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آکر اسے کھلواؤں گا۔ خازنِ جنت پوچھے گا کہ کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد ہوں۔ وہ کہے گا: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ (مسلم)

دوسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کوثر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے دونوں کناروں پر موتی ہیں۔ اس پر (پینے کے) اتنے برتن پڑے رہتے ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں۔ (بخاری)

وہ نہر جنت کے درمیان ہو گی اور اس کے دونوں کناروں پر موتی اور یاقوت کے محل ہیں۔ اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں۔ (نسائی)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے، اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور اس کا پانی موتیوں پر چلتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے، اس کی گہرائی

ستر ہزار فرسخ ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتی، زبرجد اور یاقوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نہر عطا فرمائی۔ (ابن ابی الدنیا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ اس میں اونٹوں کی گردن جیسے پرندے ہیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ وہ تو بہت لطیف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ (ترمذی)

فائدہ: یہ نہر جنت میں اس حوض کے علاوہ ہے جو میدان قیامت میں قائم ہوگا اور بخاری کی روایت کے مطابق اس حوض میں اسی نہر سے پانی گرے گا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ سونے چاندی کے دو پرنالوں کے ذریعہ جنت کا پانی اس حوض میں پہنچے گا۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرنالوں کے ذریعہ اسی نہر کا پانی اس حوض میں پہنچے گا۔

تیسری روایت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن کی اذان سنو تو جو وہ کہے تم بھی کہا کرو (اذان کا جواب دیا کرو)، اور پھر مجھ پر درود پڑھا کرو کیوں کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ وسیلہ جنت کے ایک (خاص) درجہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سے اس کا مستحق صرف ایک ہی بندہ ہوگا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ پس جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گی۔ (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے۔ (مسند احمد)

فائدہ: قواعد سے ثابت ہے کہ اس درجہ کے مستحق آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں تو سب سے افضل درجہ بھی مخلوق کے افضل ترین آدمی ہی کو ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاف صاف بیان نہ فرمانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس درجہ کے ملنے کی وضاحت نہ ہوئی ہو۔

چوتھی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت مبارکہ **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت میں ہزار محل دیے ہیں اور ہر محل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق خدام اور بیویاں ہیں۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)

پانچویں روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور مجھے اس میں داخل فرمائیں گے۔ اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے۔ (ترمذی)

فائدہ: یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص فضیلت ہے جو جنت میں ظاہر ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی سب امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

چھٹی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے سوا تمام اگلے اور پچھلے بڑی عمر کے جنتیوں کے سردار ہوں گے۔ (ترمذی)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بزرگوں کا تمام امتوں کے بڑی عمر کے لوگوں کا سردار ہونا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص فضیلت ہے، جو جنت میں ظاہر ہوگی۔

ساتویں روایت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج رات ایک فرشتہ آیا ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس نے حق تعالیٰ سے مجھے سلام کرنے اور یہ خوشخبری سنانے کی اجازت چاہی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما تمام جنتی جوانوں کے سردار ہوں گے۔

(ترمذی)

فائدہ: آں حضرت ﷺ کے خاندان میں سے ان حضرات کا جنتی جوانوں اور عورتوں کا سردار ہونا بھی آپ ﷺ کی خاص فضیلت ہے جو جنت میں ظاہر ہوگی۔ اگرچہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے درمیانی عمر پائی ہے لیکن ان کو جوان بڑھاپے کے مقابلے میں فرمایا گیا ہے۔ چوں کہ ان کی عمر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے کم ہوئی ہے، اس لیے ان دونوں حضرات کو بڑی عمر والا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو جوان فرمایا گیا۔

پہلی اور آخری تین روایتوں کے علاوہ باقی سب روایات مواہب سے نقل کی گئی ہیں۔

من القصيدة

فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرِكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ
وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا اُوْلِيْتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْتِيْتَ مِنْ نِّعَمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

١۔ پس آپ نے ہر قسم کی ایسی بزرگی جمع کر لی جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے اور آپ ہر عالی مقام سے جن میں کوئی آپ کو مزاحمت کرنے والا نہ تھا بڑھ گئے (یعنی آپ کو وہ بلند مراتب مذکورہ مقام جنت کے نصیب ہوئے جو اور انبیاء کو حاصل نہیں ہوئے۔

٢۔ اور بہت بڑی قدر ہے ان مراتب کی جو آپ کو عطا کیے گئے، اور ان نعمتوں کا سمجھنا جو آپ کو من جانب خداوند تعالیٰ عطا کی گئیں دشوار تر ہے۔

اکتیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مخلوق سے افضل ہونا

یہ بات بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ گزشتہ فصلوں میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے اب کچھ روایتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اوّلین وآخرین سے زیادہ عزت والا ہوں۔ (ترمذی، دارمی)

دوسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس براق حاضر کیا گیا تو وہ سواری کے وقت شوخی کرنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ آج تک تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار ہی نہیں ہوا جو ان سے زیادہ باعزت ہو (جبریل علیہ السلام کی یہ بات سن کر) وہ براق شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ (ترمذی)

تیسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شب معراج میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں تشریف لائے تو تمام انبیاء نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی (بعض روایات کے مطابق فرشتوں نے بھی اقتدا کی)۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح

سے ملاقات ہوئی اور سب نے حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کی باری آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رحمۃ للعالمین اور تمام انسانیت کی طرف مبعوث ہونا، اور اپنی امت کا بہترین اور اعتدال والی امت ہونا اور اپنا خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا۔ اس کو سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء سے مخاطب ہو کر فرمایا **بھذا افضلکم محمد** (انہی فضائل کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے بڑھ گئے۔) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ارشاد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بزار اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

چوتھی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام پر بھی فضیلت دی اور فرشتوں پر بھی۔

پانچویں روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ (ایک طویل حدیث میں) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک بار) فرمایا کہ بنی اسرائیل کو بتادو کہ جو شخص مجھے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ملے گا، تو میں اسے دوزخ میں داخل کردوں گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں نے ان سے زیادہ باعزت کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، میں نے زمین وآسمان اور چاند سورج پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا تھا۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میری تمام مخلوق پر اس وقت تک جنت حرام ہے جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تمام امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ! مجھے اس امت کا نبی بنا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس امت کا نبی اسی میں سے ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر مجھے ان کی امت میں سے ہی بنا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم پہلے گزر چکے ہو اور وہ بعد میں آئیں گے۔ البتہ انہیں اور تمہیں جنت میں اکٹھا کر دوں گا۔ (حلیۃ)

ان روایات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مخلوقات سے افضل ہونا اللہ تعالیٰ کے ارشاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور انبیاء و صحابۂ کرام کے ارشادات سے ثابت ہو گیا۔

من القصيدة

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَمِنْ عَجَمِ
فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِہٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِہٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمِ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَيْسَ لَہٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمِ
فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْہِ اَنَّہٗ بَشَرٌ
وَاَنَّہٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰہِ كُلِّہِمِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّہِمِ

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم کے سردار ہیں۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے بارے میں جو خوبیاں (اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کے علاوہ) اور جو بڑائیاں بیان کرو وہ سب صحیح ہیں۔

۳۔ کیوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کوئی اپنی زبان سے بیان کر سکے۔

۴۔ ہماری فہم اور علم کی انتہا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے عظیم درجہ کے بشر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق (انسان اور فرشتوں وغیرہ) سے بہتر ہیں۔

◆

بتیسویں فصل

آں حضرت ﷺ کی فضیلت میں چند آیتیں

پہلی آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى یہاں ضلال کے وہ معنیٰ مراد نہیں جو اردو محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہر زبان کا محاورہ الگ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے معنیٰ صرف ناواقفی کے ہیں، ناواقفی دو قسم کی ہے: ایک وہ جو احکام آنے سے قبل ہو اور دوسری وہ جو احکام آچکنے کے بعد ان کے نہ جاننے کے بارے میں ہو۔ دوسری قسم قابل مذمت جبکہ پہلی قسم قابل مذمت نہیں ہے۔ کیوں کہ نبوت کے بعد جو علوم وحی سے معلوم ہوتے ہیں نبوت سے پہلے ان کا علم نہیں ہوتا گویا اس آیت مبارکہ کا وہی مطلب ہے جو آیت مبارکہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کا مطلب ہے۔

دوسری آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ، الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ اس مقام پر بھی وزر گناہ کے معنیٰ میں نہیں ہے جیسا کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے شبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ عربی لغت میں وزر کے معنیٰ مطلق بوجھ کے ہیں خواہ گناہ کا بوجھ ہو اور خواہ کسی غیبی فیض کا بوجھ۔ لیکن گناہ کا بوجھ انبیاء پر نہیں ہو سکتا کیوں کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ معصوم ہیں: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ اس جگہ غیبی فیض کا بوجھ مراد ہے کیوں کہ پہلے پہل آپ ﷺ پر وحی کا بہت بوجھ ہوتا تھا۔ صحیح احادیث میں مروی ہے کہ شروع میں جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو سردی لگتی تھی پھر جب آپ ﷺ کی استعداد قوی ہو گئی تو یہ معاملہ آپ ﷺ پر آسان ہو گیا۔ یہ بات آیت مبارکہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ سے صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔

تیسری آیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اس آیت میں

بھی ذنب کا مشہور معنیٰ گناہ مراد نہیں بلکہ وہ اجتہادات مراد ہیں جو نصوص سے منسوخ کر دیے گئے ہیں کہ اب ان پر عمل کرنا صحیح نہیں اگرچہ نصوص کے ذریعے منع کیے جانے سے پہلے ان پر عمل کرنے میں کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی آں حضرت ﷺ کی تسلی کے لیے ہر اس چیز کو معاف فرمانے کا اعلان فرما دیا جس کا کسی بھی وقت گناہ ہونا ممکن تھا۔ شاید آپ ﷺ کو اس کے گناہ ہونے کا خیال ہوا ہو، اس لیے آپ ﷺ کے خوفِ الٰہی کی وجہ سے تسلی کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ ورنہ اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو اس پر بھی اجر کا وعدہ ہے۔ آیت مبارکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کے یہی معنیٰ ہیں۔

چوتھی آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اس آیت مبارکہ کا بھی یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ پہلے ان باتوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ ﷺ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں اب بھی ایسے ہی کرتے رہیے۔ اور اس سے کفار کو مایوس کرنا مقصود ہے جو آپ ﷺ کو اپنے خیالات کی طرف دعوت دیتے تھے، اس واسطے ان کو سنانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا تاکہ ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ چوں کہ آپ ﷺ وحی کے خلاف کبھی نہیں کرتے، اس لیے ہماری بات کسی صورت نہیں مانیں گے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ۔

پانچویں آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ اس آیت کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو شک ہوا۔ بلکہ اس بات سے کلام کو مضبوط کرنا مقصود ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ بسا اوقات تم کسی ایسے شخص سے بات کرتے ہو جسے تمہاری سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی تم اپنی بات کو مزید پختہ اور مضبوط کرنے کے لیے کہتے ہو کہ اگر تمہیں شک ہو تو محلّہ والوں سے پوچھ لو۔ یعنی اگرچہ تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں مگر ہم اپنی طرف سے اس کے لیے بھی تیار ہیں اور تمہیں اس کی اجازت دیتے ہیں کیوں کہ ہمیں اپنی بات

کے درست ہونے کا مکمل یقین اور اطمینان ہے۔

چھٹی آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ مکمل آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ سے خطاب ہی نہیں فرمایا گیا کیوں کہ ما قبل میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون سب انبیاء علیہم السلام پر وحی کیا گیا ہے۔ بعض اوقات تو وحی سے خود نبی کو ہی مخاطب کرنا مقصود ہوتا ہے اور کبھی نبی کے واسطے سے امت کو پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بغرض تبلیغ یہ مضمون سب انبیاء علیہم السلام پر وحی کیا گیا ہے کہ اپنی امت کو یہ خطاب سنا دیں لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ اور اگر آپ ﷺ بھی مخاطب ہوں تو یہ خطاب بطور فرض کے ہے، جس سے شرک کی برائی کو واضح لفظوں میں بیان کرنا مقصود ہے۔ جس طرح کسی فرماں بردار بیٹے کے بارے میں جس کی طرف سے مخالفت کا ہلکا سا شبہ بھی نہ ہو کہا جاتا ہے کہ اگر میرا بیٹا بھی میری مخالفت کرے گا تو میں اسے بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تو یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر آپ ﷺ شرک کریں گے تو آپ ﷺ کے بھی اعمال ضایع ہو جائیں گے۔

ساتویں آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ اس آیت کریمہ کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ وحی نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کو شک تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات وحی کے ذریعہ بتلائی گئی ہے چوں کہ وحی سے پہلے معلوم نہیں تھی اور معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس میں تردّد تھا کہ یہ بات ایسے ہے یا ویسے؟ لیکن اب وحی نازل ہونے کے بعد شک نہ کیجیے۔ یہ شبہ بھی نہیں کرنا چاہیے کہ کیا اس صورت میں شک کا احتمال تھا؟ بلکہ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے دوران گفتگو چاہے مخاطب کتنا ہی معتقد ہو مگر بطور محاورہ کہہ دیتے ہیں کہ یقین مانو! یہ بات اس طرح ہے۔ کبھی قسم کھانے لگتے ہیں مگر اس کا مقصد صرف کلام کی مضبوطی ہوتا ہے۔

آٹھویں آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ اس آیت مبارکہ میں بھی جملہ شرطیہ ”اگر اللہ تعالیٰ چاہتے“ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے خبر ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے خبر نہیں ہوتے بلکہ اس جملہ شرطیہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی ہدایت کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے پہلے معلوم نہ تھی۔ اس لیے ارشاد ہوا: اب آپ لا علم نہ رہیے یقین کر لیجیے۔

نویں آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ اس سے بھی شیطان کا وہ غلبہ مراد نہیں ہے جس کی اس آیت مبارکہ میں نفی کی گئی ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ مطلب یہ ہے کہ ایسا غلبہ نہیں ہوتا جس سے گناہ کا عزم یا گناہ ہی ہو جائے، بلکہ شیطان صرف وسوسہ ڈالتا ہے مگر اس وسوسہ پر عمل بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی غلط انسان کسی نبی کو برا مشورہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح شیطان کا مشورہ دینا بھی ممکن ہے، مگر اس پر عمل ناممکن ہے۔

دسویں آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو مصلحتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آ گئی تھیں: (۱) کافر کو پہلے تبلیغ کرنی چاہیے اور مسلمان کو بعد میں۔ (۲) جس صورت میں نفع یقینی ہو اس کو غیر یقینی نفع پر مقدم کرنا چاہیے۔ (اور اس مقام پر مسلمان کو تبلیغ کرنے میں نفع یقینی تھا اور کافر کو تبلیغ کرنے میں احتمال تھا کہ شاید مانے یا نہ مانے۔)

جب یہ دونوں مصلحتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ پہلی مصلحت (کافر کو تبلیغ کرنے) کو اختیار کرنا چاہیے کیوں کہ

یہ صحابی تو مسلمان ہیں، ان سے بعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔ اگر مزید اجتہاد کیا جاتا تو مسلمان کی تبلیغ کا مقدم ہونا سمجھ آجاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب غور و خوض سے اجتہاد کرنا چاہیے تھا۔

اگر آیت مذکورہ کا عنوان دیکھتے ہوئے یہ شبہ کیا جائے کہ اس میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب اور غصہ فرمایا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محبت میں بسا اوقات آداب کی رعایت سے عتاب زیادہ لذیذ اور خصوصیت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ عربی کی ایک مثل ہے کہ: جب محبت ہو جاتی ہے تو تکلف ختم ہو جاتا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں:

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

مجھے یہ اچھا لگا کہ تو نے مجھے برا کہا، اللہ تجھے معاف کرے تو نے بہت ہی اچھا کہا کیوں کہ معشوق کے میٹھے ہونٹوں سے کڑوا جواب بھی اچھا لگتا ہے۔

چناں چہ در منثور میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ صحابی حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی (اس شخص کے لیے مرحبا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ پر غصہ ہوئے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملے سے لذت کی بو آتی ہے، مزید تفصیل کے لیے احقر کی تفسیر (بیان القرآن) دیکھنا مفید ہو گا۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ

لَـمْ يَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْيَى الْـعُـقُـوْلُ بِهٖ
حِرْصًا عَلَيْنَا فَلَمْ نَـرْتَـبْ وَلَـمْ نَهِمِ
اَعْيَى الْــوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى
لِلْقُرْبِ وَالْـبُـعْـدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ
كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعْدٍ
صَـغِـيْـرَةً وَتَـكِـلُّ الـطَّـرْفُ مِـنْ اَمَـمِ

یَا رَبِّ صَلِّ وسلّم دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمٖ

(۱)آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایسی چیزوں سے نہ آزمایا جن کے دریافت کرنے میں ہماری عقول عاجز اور درماندہ ہو جائیں کیوں کہ آپ کو ہماری اصلاح مرغوب تھی اس لیے ہم کسی حکم کے قبول کرنے میں شک میں نہ پڑھے اور سلوک طریق شریعت میں حیران و سرگردان یا مبتلائے وہم نہ ہوئے (چناں چہ اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ جو اشکالات مذکورہ ظاہر الفاظ سے واقع ہو سکتے تھے، قواعد شرعیہ سے وہ بالکل صاف کر دیے گئے)۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات ظاہری و باطنی کی دریافت نے تمام خلق کو عاجز کر دیا پس نہیں دیکھا جاتا ہے اشخاص قریب المنزلۃ یعنی خواص میں یا بعید المنزلۃ یعنی عوام میں در باب دریافت کمالات حضرت کے مگر عاجز وساکت یعنی آپ کے کمالات کی حد اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں (اور اسی عدم احاطہ کیفیت کمالات کے سبب ظاہر نظر میں بعض شبہات پڑ سکتے ہیں جن کے حل کرنے کے لیے قواعد شرعیہ کافی ہیں)۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال عدم ادراک کیفیت کمالات ظاہریہ اور باطنیہ میں مثل آفتاب کے ہے کہ وہ دور سے چھوٹا بقدر قوس یا آئینہ کے معلوم ہوتا ہے اور ناظر بسبب نہایت بعد کے اس کی واقعی مقدار نہیں معلوم کر سکتا ہے اور اگر اس کو پاس سے دیکھو تو بوجہ غایت نورانیت کے چشم بینندہ عاجز و درماندہ وخیرہ ہو جاتی ہے اور اس کی پوری حقیقت دریافت نہیں کر سکتی (اسی لیے بعض امور میں گونہ حیرت ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر شعر کی شرح میں معلوم ہوا)۔

تینتیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل البشر ہونا

آں حضرت ﷺ کے تمام کمالات کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: (۱) عبدیت (۲) رسالت۔ ان دونوں چیزوں کو متعدد آیات اور احادیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ اور نماز میں جو تشہد سکھایا گیا اس میں بھی ان دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جس طرح کمالات رسالت میں کمی کر کے آپ ﷺ کو بشر ثابت کرنا بھی کفر یا بدعت ہے۔ ایسے ہی آپ ﷺ کے کمالات عبدیت کو بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کو آپ ﷺ کے ساتھ خاص کرنا بھی شرک یا گناہ ہے۔ یہ فصل انہی باتوں کی اصلاح کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ نمونہ کے لیے چند روایات پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

پہلی روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے اتنا مت بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھا دیا (کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تھیں وہ ان کے لیے ثابت کرنے لگے) میں تو اللہ کا بندہ ہوں، سو تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔ (بخاری)

دوسری روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ اپنے مرض وفات میں فرمایا کرتے تھے: میں نے جو (زہر آلود) کھانا خیبر میں کھالیا تھا، ہمیشہ اس کی تکلیف مجھے محسوس ہوتی رہی اور اس وقت اس زہر سے میرے دل کی رگ کٹ چکی ہے۔ (بخاری)

تیسری روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا، یہاں تک کہ

(اس کے اثر کی وجہ سے بعض اوقات) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہو جاتا کہ میں فلاں (دنیوی) کام (جیسے کھانا پینا وغیرہ) کر چکا ہوں حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نہیں کیا ہوتا تھا۔ (بخاری)

چوتھی روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نماز میں بھولنے کے بارے میں) فرمایا: میں بشر ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں۔ تو جب میں بھول جاؤں مجھے یاد دلا دیا کرو۔ (بخاری و مسلم)

پانچویں روایت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (وہ حدیث بیان کرتے ہوئے جس میں بعض لوگوں کا حوض کوثر سے ہٹائے جانے کا ذکر ہے) فرمایا: میں کہوں گا! یہ تو میرے ماننے والے ہیں۔ (فرشتے) کہیں گے: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر نہیں، انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد (دین میں) کیا کچھ ایجاد کیا۔ میں کہوں گا دور ہو جائے، دور ہو جائے وہ شخص جس نے میرے بعد دین میں تغیر و تبدل کیا۔ (بخاری و مسلم)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض سے متاثر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھول بھی جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت سے پہلے کے کچھ واقعات کا علم بھی نہیں تھا۔ یہ سب بشریت کی علامات ہیں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے تمام حالات کا بتمامہ علم تھا تو وہ درست نہیں۔ باقی جو حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ امت کے اعمال آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیے جاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام ظاہری اعمال اور دل کے اعمال بھی پیش کیے جاتے ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ ہر بات مکمل تفصیل کے ساتھ پیش کی جاتی ہے ورنہ قیامت کے دن امتِ محمدیہ کی پہچان کے لیے وضو کے اثر سے چمکدار اعضاء کیوں مقرر کیے جاتے؟ غرض یہ اعتقاد درست نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے تمام امور کو جانتے ہیں۔

اسی طرح بعض دوسری چیزوں جیسے بھوک پیاس غصہ وغیرہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے۔ پہلی روایت میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدِ شرعی سے آگے بڑھانا درست نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو بات ثابت ہے اس کے انکار کی اجازت نہیں ہے اور جو بات ثابت نہیں اس کو ثابت کرنے کی تگ و دو نہیں کرنی چاہیے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔)

من القصيدة

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْیٰی الظَّلَامَ اِلٰی
اَنِ اشْتَکَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَمِ
وَ شَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَ ہٗ وَ طَوٰی
تَحْتَ الْحِجَارِۃِ کَشْحًا مُتْرَفَ الْاَدَمِ
دَعْ مَاادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّہِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمِ
یَا رَبِّ صَلِّ وسلّم دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

۱۔ میں نے اس ذات کی سنتیں چھوڑ کر خود پر ظلم کیا جس نے تاریک راتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدم مبارک سوج گئے۔ (اس سے دو وجہ سے عبدیت ثابت ہوئی: عبادت کی شب بیداری سے اور قدم مبارک پر ورم آنے سے۔)

۲۔ جنہوں نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ مبارک پر اور اپنے نرم لطیف پہلو پر پتھر باندھے تاکہ ان کے بوجھ اور سہارے سے کچھ تقویت ہو، اور نماز روزہ کی ادائیگی ممکن ہو۔ (اس سے بھی دو وجہ سے عبدیت ثابت ہوئی: ایک بھوک سے دوسری قناعت سے۔)

۳۔ اے مخاطب! تو اس دعویٰ کو چھوڑ جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا (کہ معاذاللہ انہیں خدا ہی بنادیا اس دعوے کے علاوہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی چاہے تعریف کر اور اس پر خوب ڈٹ جا (یعنی نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت کی نفی کرو اور نہ انہیں دوسرے انسانوں کے مساوی سمجھو بلکہ تمام انسانوں میں سب سے افضل سمجھو۔)

چونتیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت

گزشتہ فصل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی جمال و کمال کا بیان تھا۔ اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ان غلاموں کے ساتھ کیسا رویّہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم نہیں تھے۔

پہلی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رات ایک ہی آیت تلاوت فرماتے رہے۔ حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لوگوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ کون سی آیت تھی؟ فرمایا: یہ آیت تھی: اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (اگر آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف فرمادیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔) (حاشیۃ عصام)

فائدہ: اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لیے دعا فرمائی جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔

دوسری روایت

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرفہ کی شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام امت کے لیے مغفرت کی دعا کی، جو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میں حقوق العباد کے سوا سب گناہوں کی مغفرت کردوں گا۔ ہاں ظالم سے مظلوم کا حق ضرور وصول کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: یا اللہ! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اس کے حق کے بدلے میں) جنت دے کر ظالم کو بخش دیں۔ مگر اس شام یہ دعا منظور نہیں ہوئی لیکن جب مزدلفہ میں صبح ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہ دعا فرمائی تو قبول ہو گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ

عنہما نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں اور اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے، اس وقت کوئی ہنسی کی بات معلوم نہیں ہوتی تو پھر آپ (ﷺ) کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے دشمن ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر میری امت کی مغفرت فرمادی ہے تو اپنے سر میں مٹی ڈالنے اور واویلا کرنے لگا، اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

فائدہ: لمعات میں ہے کہ اس سے مراد وہ حقوق العباد ہیں جن کے ادا کرنے کا پختہ ارادہ تھا مگر کسی وجہ سے ادا نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ ایسے حقداروں کو جن کے حقوق ادا نہ ہوئے ہوں گے قیامت کے دن میں راضی فرمادیں گے۔

تیسری روایت

لمعات میں آں حضرت ﷺ کے طائف کے قصہ میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں ان کفار کو ہلاک کرنے کی اجازت لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ لیکن آپ ﷺ نے اس فرشتہ سے فرمایا کہ ان کو ہلاک نہ کرو! مجھے (اللہ کی رحمت سے) امید ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کریں گے۔

چوتھی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (بعض حیثیتوں سے) میرے ساتھ زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا ہوگی کہ اپنے تمام اہل وعیال اور مال ودولت قربان کرکے مجھے دیکھ لے۔ (مسلم)

فائدہ: یعنی اگر ان سے یہ کہا جائے کہ تم اپنا سب مال اور آل اولاد چھوڑ دو تو حضور ﷺ کی زیارت ممکن ہے تو وہ اس پر دل وجان سے راضی ہوں گے۔

پانچویں روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اے اللہ!

میں بشر ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی غصہ آجاتا ہے، سو جس کسی مومن مرد و عورت پر میں (غصہ کی حالت میں) بد دعا کر دوں تو آپ اس بد دعا کو اس کے لیے پاکی کا ذریعہ بنا دیجیے۔ (مسند احمد)

چھٹی روایت

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھ سکتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم تو میرے دوست ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے۔ (مسلم)

فائدہ: دوست سے محبت اس کو دیکھنے اور ملاقات کے بعد ہوتی ہے اور بھائی کی محبت کے لیے ملاقات اور دیکھنے کی قید نہیں کیوں کہ اس کی محبت تو دل میں ہوتی ہے، اس لیے صحابۂ کرام کو دوست فرمایا کہ ان کے دیکھنے اور ملنے سے محبت ہوتی ہے اور بعد والوں کو بھائی فرمایا کیوں کہ ان کی محبت بغیر دیکھے ہے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ بعد والے لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر ایسی استعداد تھی کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرتے تو بھی محبت میں ہم سے زیادہ ہوتے۔

ساتویں روایت

حضرت ابو جمعہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اسلام بھی لائے اور جہاد بھی کیا، کیا کوئی ہم سے بہتر بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایک قوم ہے جو تمہارے بعد ہو گی اور بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائے گی۔ (مسند احمد، دارمی)

فائدہ: یہ بہتری ایک خاص عارض کی وجہ سے ہے ورنہ حقیقتاً ان میں کوئی ایسی صفت نہیں ہو گی جس کے سبب وہ ان سے بہتر ہوں۔ پھر اس بہتری میں بھی صحابۂ کرام کا دخل ہے کیوں کہ ہمیں ایمان و اسلام کی دولت انہی کی بدولت ملی۔ انہوں نے زبان اور تلوار ہر طرح سے اسلام کی خدمت کی ہے اس لیے ہمیں ان پر فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔

ان تمام روایات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے تمام امتیوں پر اور ان کے ساتھ ساتھ کافروں پر بھی شفقت اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

من القصيدة

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَالْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَایَۃِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْہَدِمِ
لَمَّا دَعَی اللّٰہُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِہٖ
بِاَکْرَمِ الرُّسُلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمِ
اِنْ اٰتِ ذَنْبًا فَمَاعَہْدِیْ بِمُنْتَقِضٍ
مِنَ النَّبِیِّ وَلَاحَبْلٰی بِمُنْصَرِمِ
حَاشَاہُ اَنْ یُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَہٗ
اَوْ یَرْجِعُ الْجَارُّ مِنْہُ غَیْرَ مُحْتَرَمِ
یَا رَبِّ صَلِّ وسلِّم دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

۱۔ اے مسلمانو! ہمارے لیے خوشخبری ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایاتِ خاصّہ سے ہمیں ایسا مضبوط ستون عنایت فرمایا ہے جو کبھی نہیں گرے گا۔ (اور کبھی دوسرے ادیان کی طرح منسوخ نہ ہوگا۔)

۲۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل و اکرم الرسل کہہ کر پکارا تو ہم اس وجہ سے سب امتوں سے افضل ہوئے (کیوں کہ رسول کا افضل ہونا امت کی افضیلت کا حقیقی سبب ہے۔)

۳۔ اگر میں نے گناہ کیے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے میری امید کی رسّی کٹنے والی نہیں ہے (یعنی میں گناہ کرنے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ناامید نہیں ہوں۔)

۴۔ خداوند تعالیٰ شانہٗ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عیب سے پاک کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امید رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کرم سے محروم کر دیا جائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عیب سے بھی پاک کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد چاہنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درگاہ سے ناکام واپس آئے۔

پینتیسویں فصل

امت پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق

کسی سے محبت ہونا اور پھر اس محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت وفرماں برداری کرنا تین وجہ سے ہوتا ہے:

۱۔ محبوب کے کسی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔ جیسے عالم سے اس کے علم کی وجہ محبت ہوتی ہے اور بہادر سے اس کی بہادری کے سبب محبت ہوتی ہے۔

۲۔ محبوب کے حسن وجمال کی وجہ سے اس سے محبت ہوتی ہے۔

۳۔ محبوب کے احسان اور اس کی عطا کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔ جیسے احسان کرنے والے کے احسان اور تربیت کرنے والے کی تربیت کی وجہ سے اس سے محبت ہوتی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ تمام صفات کامل طور پر موجود ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ تمام اوصاف موجود ہیں تو اگر شریعت کا صاف حکم نص شرعی نہ بھی ہو تو خود عقل اور طبیعت کا تقاضہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی جائے۔ اور (قرآن وحدیث میں) واضح حکم موجود ہونے کی وجہ سے یہ حکم اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور اس رسالہ کا بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی طرف متوجہ ہوں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا اتباع بھی ہوگا اور چوں کہ مکمل محبت واجب ہے لہٰذا مکمل اتباع بھی واجب ہوگا۔ اور اسی بات کو مزید پختہ کرنے کے لیے چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، آل اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: یعنی اگر میری مرضی اور دوسرے کی مرضی میں مقابلہ ہو جائے تو جسے ترجیح دو گے تمہارا محبوب وہی ہو گا۔

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ (ﷺ) میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میرے پہلو میں موجود میری جان کے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم! جس نے آپ پر کتاب نازل کی، آپ (ﷺ) میرے نزدیک میرے پہلو میں موجود میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بس اب بات ٹھیک ہوئی۔ (المواہب)

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محبت بلا اسباب کو محبت بالاسباب سے قوی تر سمجھا، اسی لیے اپنی جان کا استثناء کیا، پھر جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جان سے زیادہ محبوب رکھنا بھی ضروری ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ محبت کا مدار کسی ایسی چیز پر ہے جس کے سبب کوئی چیز انسانوں کو جان سے بھی پیاری ہو سکتی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غور کیا تو پتا چلا کہ آپ ﷺ کی خوشی اپنی ذاتی خوشی پر مقدم ہے تو اس طرح کی مثالوں سے انہیں پتا چلا آپ ﷺ انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ مواہب کے مقصد نمبر ے میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کے عجیب قصے بھی مذکور ہیں۔

تیسری روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس شخص کے سوا میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی جس نے میری بات نہیں مانی۔ عرض کیا گیا: کس نے آپ (ﷺ) کی بات نہیں مانی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری

اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میری بات نہیں مانی۔ (بخاری)

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ یہ نافرمانی کفر نہیں ہے ورنہ اس میں کوئی پوشیدہ بات نہیں تھی جس کی بنا پر سوال کرنا پڑتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا اتباع نہ کرنے کو انکار سے تعبیر فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واجب ہے۔

چوتھی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے محبت ہے۔ نیز اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جنت کی چابی ہے اور جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا ذریعہ بھی ہوگی۔

پانچویں روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو شراب پینے کے جرم میں سزا دی، (شراب نوشی ہی کی وجہ سے) وہ ایک دن پھر پیش کیے گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پھر سزا دینے کا حکم فرمایا۔ مجمع میں سے کسی نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر اس کو (کتنی مرتبہ) اس مقدمہ میں یہاں لایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت مت کرو! خدا کی قسم! میرے علم میں یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

ا۔ گناہ گاروں کے لیے خوشخبری ہے کہ ان سے اللہ اور رسول کی محبت کی نفی نہیں کی گئی۔

۲۔ گناہ گاروں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ صرف محبت کی وجہ سے سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ کوئی اس گھمنڈ میں نہ رہے کہ بغیر اطاعت کے تنہا محبت ہی جہنم سے بچالے گی۔

۳۔ محبت کی فضیلت بیان کی گئی۔

۴۔ محبت کے مرتبوں میں فرق ہے۔ اس لیے اس شخص کے گناہ گار ہونے کے باوجود محبت کا اثبات فرمایا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ کامل اتباع نہ ہونے کی وجہ سے کامل محبت کا حکم نہیں لگایا جائے گا مگر اتباع کا کم از کم درجہ یعنی کفر سے نکلنا اس پر بھی محبت کا ایک درجہ ثابت ہو جائے گا۔

۵۔ چاہے کتنا ہی گناہ گار مومن ہو اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے اللہ اور رسول کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ اگر ان کی محبت کا ایک ذرّہ بھی کسی کو مل جائے تو اگرچہ وہ (شخص) گناہ گار ہی کیوں نہ ہو اس پر بھی لعنت نہ کرنے کا حکم ہے۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ محبت کا کامل اور خالص درجہ کتنا مفید اور مؤثر ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جب گدلا پانی اتنا دیوانہ کر دیتا ہے تو اگر صاف پانی ہو تو دیوانگی کا کیا عالم ہوگا؟

يَا سَائِرًا نَحْوَ الْحِمٰى بِاللّٰهِ قِفْ فِىْ بَانِهٖ
وَاقْرَاْ طَوَامِيْرَالْجَوٰى مِنِّىْ عَلٰى سُكَّانِهٖ
اِنْ يَّسْئَلُوْا عَنْ حَالَتِىْ فِى السَّقْمِ مُنْذُ فَقَدْتُّهُمْ
فَالْقَلْبُ فِىْ خَفَقَانِهٖ وَالرَّاسُ فِىْ دَوْرَانِهٖ
اِنْ فَتَّشُوْا عَنْ دَمْعِ عَيْنِىْ بَعْدَهُمْ قُلْ حَاكِيًا
كَالْغَيْثِ فِىْ تَهْتَانِهٖ وَالْبَحْرِ فِىْ هَيْجَانِهٖ
لٰكِنَّهٗ مَعَ مَاجَرٰى مَشْغُوْفُ حُبِّ الْمُصْطَفٰى
فَخَيَالُهٗ فِىْ قَلْبِهٖ وَحَدِيْثُهٗ بِلِسَانِهٖ

وَلَطَا لَمَا يَدْعُوْ مُلِحًّا فِى الدُّعَاءِ مُبَالِغًا
لِيَطُوْفَ فِىْ بُسْتَانِهٖ وَيَشُمَّ مِنْ رَيْحَانِهٖ
يَا مَنْ تَفَوَّقَ اَمْرُهٗ فَوْقَ الْخَلَائِقِ فِى الْعُلَا
حَتّٰى لَقَدْ اَثْنٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ فِىْ قُرْاٰنِهٖ
صَلّٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ اٰخِرَ دَهْرِهٖ مُتَفَضِّلًا
مُتَرَحِّمًا وَ حَبًّا لَكَ الْمَوْعُوْدَ مِنْ اِحْسَانِهٖ

۱۔ اے باغ کی طرف جانے والے ! خدا کے لیے اس باغ میں ذرا ٹھہرنا۔ اور میرے غم کے بڑے بڑے افسانے یہاں رہنے والوں کو سنانا۔

۲۔ اگر وہ میری بیماری کے بارے میں دریافت کریں تو جب سے میں ان سے دور ہوا ہوں میرا دل وحشت و گھبراہٹ میں ہے اور میرا سر چکرا رہا ہے۔

۳۔ اگر بعد میں وہ میرے آنسوؤں کے متعلق پوچھیں تو کہنا کہ بادل کی طرح برس رہے ہیں۔ اور سمندر کی طرح جوش مار رہے ہیں۔

۴۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ محبتِ رسول ﷺ میں گرفتار ہے، پس آپ مصطفیٰ ﷺ کا خیال اس کے دل میں اور آپ ﷺ کا تذکرہ اس کی زبان پر ہے۔

۵۔ وہ بہت طویل زمانے سے رو رو کر دعا کر رہا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے باغ میں پہنچے اور آپ ﷺ کے ریحان کی خوشبو سونگھے۔

۶۔ اے وہ ذات پاک جن کا رتبہ تمام مخلوق سے بڑھ کر ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ثنا فرمائی۔

۷۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر قیامت تک پڑھنے والا درود نازل فرمائے اور آپ ﷺ کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے اور آپ ﷺ کو وہ احسانات عطاء فرمائے جن کا آپ ﷺ سے وعدہ ہے۔

چھتیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت

پہلی آیت

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ
يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

ترجمہ: مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی مدینہ کے آس پاس رہتے ہیں ان کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ مناسب تھا کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں۔

دوسری آیت

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا
مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا
اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ
لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

ترجمہ: مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام کے لیے آتے ہیں جس کے لیے انہیں بلایا جاتا ہے اور اتفاقاً کسی ضرورت کی وجہ سے جانا پڑتا ہے تو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت نہ لیں (اور آپ

ﷺ اجازت نہ دے دیں) مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر!) جو لوگ آپ (ﷺ) سے ایسے مواقع پر اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو جب یہ اہلِ ایمان لوگ ایسے مواقع پر اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ (ﷺ) سے جانے کی اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ (ﷺ) جسے اجازت دینا چاہیں اجازت دے دیا کریں۔ اور (اجازت دے کر بھی آپ ﷺ) ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت (معافی) کی دعا کیجیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو (جب وہ کسی ضرورتِ اسلامیہ کے لیے تم کو بلائیں) ایسا معمولی مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلانے کو سمجھتے ہو (چاہے آؤ نہ آؤ۔ پھر آکر بھی جب تک چاہے بیٹھ جاؤ اور جب چاہو اٹھ کر بغیر اجازت چلے جاؤ)۔

تیسری آیت

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا
اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا
الٰی قولہ تعالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي
الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

(ہر صورت میں یہ حکم ہے کہ) تمہارے لیے (کسی بات میں بھی) جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیبیوں سے کبھی نکاح بھی کرو۔ یہ خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے اس لیے) اگر تم اس کے متعلق کسی بات کو زبان سے کہو گے یا ایسے ارادہ کو دل میں چھپا کر رکھو گے تو اللہ تعالیٰ (کو دونوں کی خبر ہو گی کیوں کہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ (پس تم کو اس پر سزا دیں گے اور ہم نے جو اوپر حجاب (پردہ) کا حکم دیا ہے اس میں بعض ایسے بھی ہیں جن سے پردہ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ) پیغمبر کی بیبیوں کے لیے اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں

کے سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے۔ (یعنی ان کے سامنے آنا جائز ہے) اور اے پیغمبر کی بیبیو! (ان احکام مذکورہ کے پورا کرنے میں) خدا سے ڈرتی رہو (کسی حکم کے خلاف نہ ہونے پائے) بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔ (یعنی اس سے کوئی امر مخفی نہیں پس احکام کے خلاف کرنے میں سزا کا اندیشہ ہے) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو۔ اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (تاکہ آپ ﷺ کا حقِ عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو۔) بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو قصداً ایذاء دیتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

چوتھی آیت

سورۃ فتح میں ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا

اے محمد! ہم نے آپ (ﷺ) کو (امت کے اعمال پر قیامت کے دن) گواہی دینے والا (عموماً اور دنیا میں خصوصاً مسلمانوں کے لیے) بشارت دینے والا (اور کافروں کے لیے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اے مسلمانو! (ہم نے ان کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ) تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے دین کی مدد کرو۔ اور اس کی تعظیم کرو۔ (عقیدتاً بھی کہ اللہ تعالیٰ کو کامل صفات والا سمجھو اور ہر عیب سے پاک سمجھو۔ اور عملاً اطاعت کرو) اور صبح شام اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہو۔

پانچویں آیت

سورۂ حجرات میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱﴾ الیٰ قوله تعالیٰ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ

صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اجازت سے پہلے تم کسی قول یا فعل کے کرنے میں جلدی مت کیا کرو۔ (یعنی جب تک صاف اشاروں سے گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو مت کیا کرو)۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے (اور) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔ اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔ (یعنی جب آپ ﷺ کے سامنے بات کرنی ہو تو بلند آواز سے نہ بولو خواہ آپس ہی میں بات کرو۔ اور جب آپ ﷺ کے ساتھ بات ہو تو) ان جتنی بلند آواز سے بات مت کرو۔ کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ آواز کو بلند کرنا جس سے بے باکی ظاہر ہو اور زور سے اس طرح بات کرنا جیسے آپس میں زور سے بات کرتے ہیں جس سے گستاخی ظاہر ہو۔) بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست (نیچا) رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے۔ (یعنی یہ لوگ کامل متقی ہیں۔ کامل تقویٰ یہ ہوتا کہ انسان مشکوک چیز کو بھی چھوڑ دے (ترمذی) آواز بلند کرنے کی ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے اس وقت بلند آواز سے بات کرنا جس وقت اذیت نہ ہو تو جو اس ڈر سے یہ صورت بھی اختیار نہ کرے کہ کہیں ایذاء والی صورت نہ بن جائے تو یہ کمال تقویٰ ہے۔ ان کے عمل کا ثمرہ اخروی مذکور ہے کہ) ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل ہی نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ کا ادب کرتے اور ایسی جرأت نہ کرتے اور اگر یہ لوگ صبر و انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے پاس خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ (کیوں کہ یہ ادب کی بات تھی) اور (یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائے گا کیوں کہ) اللہ غفور و رحیم ہے۔

اب چند روایات ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی ایک ام ولد باندی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ وہ اس باندی کو بہت منع کرتے مگر وہ باز نہ آتی۔ ایک رات اس نے اسی قسم کی بکواس شروع کی تو ان نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک چھری سے اس باندی کو قتل کر دیا۔ صبح کو تحقیق ہوئی تو ان نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسے قتل کرنے کا اقرار کر لیا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب گواہ رہو کہ اس (باندی) کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی ان نابینا صحابی رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔) (ابوداؤد)

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے ان نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کے جوش محبت اور ادب کا اظہار ہوتا ہے۔

اس بات سے احناف کے اس مسئلہ پر شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ اگر کوئی ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالم گلوچ کرے تو احناف کے نزدیک وہ بدستور ذمی ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری ختم نہیں ہوئی۔ کیوں کہ حفاظت کی ذمہ داری ختم نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو قتل کرنا ہی جائز نہ ہو۔ اس کو یقیناً قتل کیا جائے گا لیکن یہ قتل سیاستاً اور زجراً ہے کیوں کہ علی الاعلان ایسے کلمات کہنا اس کافر کے مذہب میں بھی جائز نہیں۔ پھر بار بار ایسا کہنا اس کی سرکشی اور اسلام کی توہین کی دلیل ہے لہٰذا بلاشبہ اسے قتل کیا جائے گا۔

دوسری روایت

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ مکہ کا سردار عروہ بن مسعود جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کے بعد مکہ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے کہا: اے میری قوم! خدا کی قسم میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس گیا ہوں۔ لیکن قسم بخدا! میں نے کسی بادشاہ کے ساتھیوں کو اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔ قسم بخدا! جب وہ تھوکتے ہیں تو (ان کے ساتھی اسے نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ وہ) کسی نہ کسی کے ہاتھ

میں پہنچتی ہے اور وہ اس لعاب کو اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے، جب وہ انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کا حکم پورا کرنے کے لیے دوڑتے ہیں۔ جب وہ وضو فرماتے ہیں تو ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا وضو کا پانی لینے کے لیے وہ ابھی آپس میں لڑ پڑیں گے۔ جب وہ کلام فرماتے ہیں تو ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی آوازوں کو ان کے سامنے پست کر لیتے ہیں اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے نہیں۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ادب کی جو کیفیت ثابت ہوتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

تیسری روایت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازہ کے ساتھ گئے اور قبر تک پہنچے۔ ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی چناں چہ آپ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم آپ ﷺ کے آس پاس اس طرح بیٹھ گئے کہ جیسے ہمارے سروں پر پرندے ہوں۔ (یعنی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ)۔

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آں حضرت ﷺ کی خدمت میں اسی طرح بیٹھنے کا معمول تھا۔ اس سے صحابۂ کرام کے ادب کی انتہا معلوم ہوتی ہے۔ علماء کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ آداب آں حضرت ﷺ کی حیات کے بعد بھی باقی ہیں۔ چناں چہ مواہب میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی آواز سے آواز بلند کرنا اعمال ضایع ہونے کا باعث ہے، تو آپ ﷺ کی سنت اور حکم پر اپنی خواہش اور رائے سے اضافہ کرنے کے متعلق کیا خیال ہے۔ جب آپ ﷺ کے مجلس سے بغیر اجازت اٹھ کر جانا جائز نہیں تو آپ ﷺ کے دین کی تفصیلی چیزوں سے دوسری طرف جانا کیسے جائز ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں تھا، اسی طرح آپ ﷺ کے روضۂ انور کے قریب اور آپ ﷺ کی حدیث کے درس اور آپ ﷺ کے احکام کی نقل کے وقت بھی حاضرین وسامعین کے لیے آواز بلند کرنا خلافِ ادب ہے۔

مواہب میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں کسی مسئلہ پر گفتگو کی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اس مسجد میں بلند آواز سے بات مت کریں۔ وفات کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی احترام ہے جو حیات مبارکہ میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر نے اپنی آواز پست کر لی۔ اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے طائف کے دو آدمیوں سے فرمایا تھا: ”تم رسول اللہ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو۔“ (بخاری)

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام اور احکام کی تعظیم واجب ہے۔ اسی تعظیم کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ تعظیم حدودِ شرعی سے تجاوز نہ کرے۔ مثلاً یہ نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں اتنا مبالغہ ہو کہ کسی اور نبی یا اللہ تعالیٰ کی بے ادبی نہ ہونے لگے۔

چوتھی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک یہودی اور مسلمان کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان نے قسم کھائی کہ اس ذات کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم پر برگزیدہ بنایا۔ یہودی نے یہ قسم کھائی کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام عالم پر برگزیدہ بنایا۔ یہ سن کر مسلمان نے اس یہودی کو ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ اس یہودی نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسلمان سے تحقیق فرمائی تو اس نے سارا قصہ عرض کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ایسی فضیلت مت دو۔ (جس میں ان کی بے ادبی کا شائبہ ہو۔) (مشکوٰۃ)

پانچویں روایت

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہاتی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم مصیبت میں آ گئے، بچے بھوک سے مرنے لگے ہیں، (قحط کے سبب) اموال تباہ اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کی دعا فرما دیجیے! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کے لیے

شفیع بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ کے لیے شفیع بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کو اس کلمہ سے بہت پریشانی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سبحان اللہ سبحان اللہ فرمانے لگے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمہ اتنی مرتبہ فرمایا کہ صحابۂ کرام کے چہروں میں اس کا اثر دیکھا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کم بخت! خدا تعالیٰ کو کسی کے نزدیک سفارشی نہیں لایا جاسکتا۔ خدا تعالیٰ کی شان اس سے بہت زیادہ عظیم ہے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اگرچہ شفیع کبھی عظیم بھی ہوتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر مغیث کے متعلق فرمایا کہ میں حکم نہیں کرتا شفاعت کرتا ہوں۔ لیکن شفاعت کے لیے ضروری ہے کہ شفیع اس ضرورت کو خود پورا نہ کرسکتا ہو۔ بلکہ جس سے سفارش کرتا ہے اس کا محتاج ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محتاج ہونے کا احتمال بھی محال ہے۔ اس لیے اس طرح کہنے میں بے ادبی تھی۔ اس لیے اس کو روک دیا۔

من القصیدة

اَکْرَمِ بِخَلْقِ نَبِیٍّ زَانَہٗ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلِ بِالْبَشَرَ مُتَّسِمِ
کَالزَّھْرِ فِیْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِیْ کَرَمٍ وَالدَّھْرِ فِیْ ھِمَمٍ
کَاَنَّہٗ وَھُوَ فَرْدٌ فِیْ جَلَالَتِہٖ
فِیْ عَسْکَرٍ حِیْنَ تَلْقَاہُ وَفِیْ حَشَمٖ
کَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ صَدَفٍ
مِنْ مَعْدِنَیْ مَنْطِقٍ مِنْہُ وَ مُبْتَسَمٖ
یَا رَبِّ صَلِّ وسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمٖ

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت وسیرت کتنی عمدہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم سے مزین ہے۔ وہ صورت سرتا پا حسن میں لپٹی ہوئی ہے اور تازہ چہرے اور کشادہ پیشانی سے متصف ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک (صفات کی لطافت و نظافت میں) کلی کی طرح ہے (اور

علم و بزرگی میں) چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے (اور مخلوق کو عام فیض) اور نفع پہنچانے میں سمندر کی طرح ہیں۔ اور ہمتوں میں زمانے کی طرح ہیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تنہا بھی ہوں تو ملاقات کے وقت اپنی جلالت و عظمت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بڑے لشکر میں ہیں۔

۴۔ جو موتی اپنی سیپی میں چھپا ہے (اور اب تک باہر آ کر استعمال نہیں ہوا) وہ اپنی چمک اور دمک میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کے) ان گوہروں کی طرح ہے جو ان دو کانوں سے نکلی ہے جن میں ایک کان زبان مبارک ہے اور دوسری دولب شریف۔

سینتیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت

گزشتہ دو فصلوں کی طرح اس فصل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق وآداب کا بیان ہے۔

پہلی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ (نسائی)

دوسری روایت

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہو۔ (ترمذی)

تیسری روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے فرشتے زمین میں گشت کرتے پھرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔ (نسائی، دارمی)

چوتھی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ذلیل وخوار ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی)

فائدہ: اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے محققین علماء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ آں

حضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر پہلی بار درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اگر اسی مجلس میں دوبارہ آپ ﷺ کا نام لیا جائے تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

پانچویں روایت

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ (ﷺ) پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ آپ (ﷺ) (دوسرے اوراد و وظائف کے مقابلے میں) اس کی کوئی مقدار بتادیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس قدر چاہو۔ میں نے عرض کیا: (اگر وظائف کے لیے کل وقت کا) ایک چوتھائی کرلوں؟ (یعنی تین گھنٹوں میں سے پون گھنٹہ) آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے چاہو، اگر اور بڑھالو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: (کل وقت کا) نصف مقرر کرلوں؟ (یعنی تین گھنٹوں میں سے ڈیڑھ گھنٹہ) آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے چاہو، اگر اور بڑھالو تو تمہارے لیے اور بھی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دوتہائی حصہ وقف کردوں؟ (یعنی تین گھنٹوں میں سے دو گھنٹے) آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے تم چاہو، اگر اور زیادہ کرلو تو اور بھی بہتر ہے۔ (اس پر) میں نے عرض کیا: میں سارا وقت درود ہی پڑھتا رہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس صورت میں تمہاری ساری فکر ختم ہو جائے گی اور تمہارے گناہ معاف کیے جائیں گے۔ (ترمذی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کا وِرد تمام اوراد سے افضل ہے۔

چھٹی روایت

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ (ﷺ) کے رب کا ارشاد ہے جو شخص ایک مرتبہ آپ (ﷺ) پر درود بھیجے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور جو شخص سلام بھیجے گا میں اس پر دس سلام بھیجوں گا۔ (نسائی، دارمی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی درود شریف میں صلاۃ و سلام دونوں ہوں تو اس کے ایک بار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی بیس عنایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جیسے اس درود شریف

میں ہیں۔ اللّٰھم صل علٰی سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اٰل سیدنا ومولنا محمد وبارك وسلم

ساتویں روایت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے، اس وقت تک دعا زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، اور اس کا کوئی حصہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

یہ سب احادیث مشکوٰۃ سے لی ہیں۔ تفصیل کے لیے میری کتاب ''زادالسعید'' کا مطالعہ کیا جائے۔

درود شریف کی کچھ حکمتیں

پہلی حکمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت پر بے شمار احسانات ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس تبلیغ تک محدود نہیں رہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی اصلاح کے لیے بہت سی تدبیریں سوچیں، ان کے لیے ساری ساری رات کھڑے ہو کر دعائیں کیں اور اس بات کے اندیشہ سے بھی پریشان ہوئے کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا، لیکن اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نعمت کا واسطہ تو بنے ہیں۔ بہر حال آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسن بھی ہیں اور احسان کا ذریعہ بھی۔ اس لیے فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ ایسی ذات کے لیے دل سے دعائیں نکلیں، خصوصاً جبکہ اس کا بدلہ بھی نہ دیا جاسکتا ہو، کیوں کہ جو احسانات ایک نبی کی طرف سے امت پر ہوتے ہیں وہ احسانات ایک امتی اپنے نبی پر نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہم بدلہ تو دے نہیں سکتے۔ اور رحمت کی دعا کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اور دعا بھی ایسی جو رحمت خاصّہ کاملہ کی دعا ہو جیسا کہ درود شریف کا مفہوم ہے۔ چناں چہ شریعت نے اسی فطرتِ سلیمہ کے مطابق کسی مقام پر درود شریف پڑھنا واجب اور کسی مقام پر مستحب قرار دیا ہے۔ (المواہب)

دوسری حکمت

آں حضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو کسی کی درخواست کیے بغیر خود ہی خیر عنایت فرمادیں گے، اس لیے نبی کریم ﷺ کے لیے خیر کی دعا کرنا در اصل خود اپنے فائدے کے لیے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قرب حاصل ہوتا ہے۔ (المواہب)

تیسری حکمت

آں حضرت ﷺ کے لیے دعا کی درخواست کرنے میں آپ ﷺ کی ایک خاص فضیلت (کامل عبدیت) کا اظہار ہے کہ آپ ﷺ کو رحمتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ (سوانح الوقت)

چوتھی حکمت

نبی کریم ﷺ چوں کہ بشر ہونے میں امت کے ساتھ مشترک ہیں، اور بعض دوسری صفات مثلاً مال داری وغیرہ میں امت کے برابر نہیں ہیں تو بعض لوگوں کے دل میں یہ غرور و تکبر پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ دنیاوی امور میں ہمارے ہم پلّہ نہیں ہیں اور یہ چیز نبی کی اتباع اور عقیدت میں رکاوٹ بنتی ہے۔ جیسا کہ پہلی امتوں نے اپنے نبیوں کے بارے میں کہا تھا کہ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ترجمہ: کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں اور ان کی قوم ہماری غلام ہے۔

بعض نے کہا: اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ترجمہ: کیا ہم اپنے جیسے انسان کی اتباع کریں پھر تو ہم گمراہ اور دیوانے ہوں گے۔

بعض بولے: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ترجمہ: یہ قرآن پاک مکہ و طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس لیے درود شریف میں اس (مرض) کا پورا علاج ہے۔ کیوں کہ اس میں آپ ﷺ کے لیے رحمتِ خاصّہ کی دعا ہے تو اس سے پتہ چلا کہ آں حضرت ﷺ رحمتِ خاصّہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ امتیاز دوسری تمام امتیازی صفات سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ

درود شریف پڑھنے میں اس بات کا بھی اقرار ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے محسن ہیں اور اس بات کا اقرار سارے تکبر وغیرہ کو ختم کردیتا ہے۔ اسی لیے درود شریف میں لفظ سیدنا و مولینا (ہمارے سردار اور ہمارے آقا) کا اضافہ ہونا چاہیے تاکہ اس بات کا مزید اظہار ہو کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ہمارے محسن ہیں۔ اور آپ ﷺ کی شانِ عظمت کو دل میں بٹھانا شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے جس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچویں حکمت

بعض طبیعتوں میں توحید کا غلبہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ اس غلبہ کے سبب واسطوں کے ساتھ زیادہ دل نہیں لگاتے کیوں کہ آپ ﷺ بھی واسطہ ہیں اور وہ لوگ ہر وقت خدا تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ انسان جب آپ ﷺ کی اتنی اتباع کرے جو واجب ہے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہے تو مضر بھی نہیں۔ جیسا کہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ عنہ کی حکایت نقل کی ہے کہ انہیں خواب میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے معذور رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے آپ (ﷺ) کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے مبارک! جو شخص حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ ہی سے محبت کرتا ہے۔ (کیوں کہ یہ تو وہ جانتے ہی تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت انہیں سرکارِ دوعالم ﷺ کے واسطہ ہی سے نصیب ہوئی ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو تو ممکن ہی نہیں کہ اسے واسطہ کے ساتھ محبت نہ ہو۔ (المواہب)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں ایک انصاری عورت کے ساتھ پیش آیا۔ لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود فرمادیا کہ آپ ﷺ کی محبت میری رضا کا ذریعہ ہے تو اس کے سبب توحید میں کمی کا وہم نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے پاس جانا چاہتا ہے اور کوئی اپنا قریبی شخص بھیج دے کہ اس کے ساتھ آجاؤ تو اب اس شخص کی بات ماننا اور اس کی اتباع کرنا یقیناً محبوب ہی کی اتباع اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ کوئی بھی عقلمند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس قریبی شخص کی طرف توجہ کرنے سے محبوب کی طرف توجہ میں کمی آتی ہے بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ جتنی توجہ اس شخص کی

طرف ہوتی ہے اتنی ہی توجہ محبوب کی طرف ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات کی طرف توجہ توحید کے خلاف نہیں۔

درود شریف پڑھنے کے متعلق ایک فقہی قاعدہ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کپڑا کھولتے وقت تاجر کا اس غرض سے تسبیح یا درود پڑھنا کہ اس سے خریدار کو کپڑے کی عمدگی جتلانا مقصود ہو، اسی طرح چوکیدار کو جگانے کے لیے، یا کسی بڑے آدمی کے آنے کے وقت اس نیت سے درود شریف پڑھنا کہ لوگوں کو اس کے آنے کی اطلاع ہو جائے اور وہ کھڑے ہو جائیں یا اس کے لیے راستہ چھوڑ دیں، یا اس کے لیے جگہ چھوڑ دیں تو یہ سب مکروہ ہے۔ در مختار میں اس کو حرام کہا گیا ہے۔ علامہ شامی نے حرام کی تفصیل مکروہ تحریمی سے کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ درود شریف عبادت ہے اور عبادت کو شرعی احکام کے مطابق انجام دینا چاہیے۔ اور مذکورہ بالا اغراض کے لیے درود شریف پڑھنا چوں کہ قواعد شریعت کے خلاف ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

اور ایسے پاکیزہ اور مبارک عمل کو ان دنیاوی چیزوں کا ذریعہ بنانا ادب کے بھی خلاف ہے۔

لبعض العشاق

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاسِ
مِنْہُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَأْسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ہُوَ فِیْ حَرِّ غدٍ
کُلَّ مَنْ یَّظْمَأْ یَسْقِیْہِ رَحِیْقَ الْکَأْسِ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَاءِ الْکَرَمِ
خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْہِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مُوْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
مُبْدِلِ الْوَحْشَۃِ فِی الْقَبْرِبِاِسْتِیْنَاسِ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِہٖ بِالرَّأْسِ

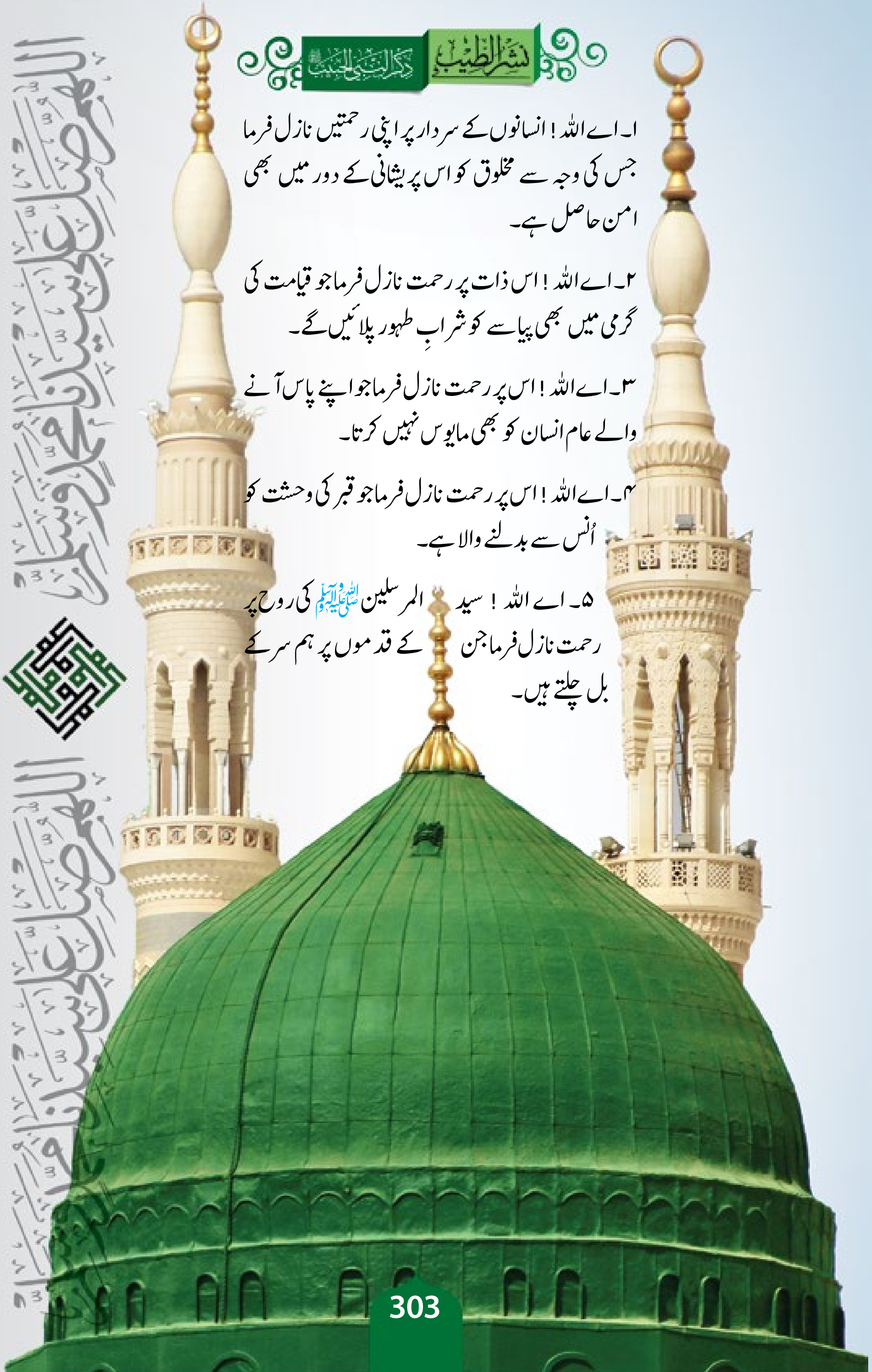

۱۔ اے اللہ ! انسانوں کے سردار پر اپنی رحمتیں نازل فرما جس کی وجہ سے مخلوق کو اس پریشانی کے دور میں بھی امن حاصل ہے۔

۲۔ اے اللہ ! اس ذات پر رحمت نازل فرما جو قیامت کی گرمی میں بھی پیاسے کو شرابِ طہور پلائیں گے۔

۳۔ اے اللہ ! اس پر رحمت نازل فرما جو اپنے پاس آنے والے عام انسان کو بھی مایوس نہیں کرتا۔

۴۔ اے اللہ ! اس پر رحمت نازل فرما جو قبر کی وحشت کو اُنس سے بدلنے والا ہے۔

۵۔ اے اللہ ! سید المرسلین ﷺ کی روح پر رحمت نازل فرما جن کے قدموں پر ہم سر کے بل چلتے ہیں۔

اڑتیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرنا

وسیلہ اگرچہ درود شریف کی طرح عبادت مقصودہ تو نہیں ہے لیکن ایک خاصیت میں درود شریف کے برابر ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اسی لیے مناسب معلوم ہوا کہ درود شریف کے بعد اس کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

اگرچہ بعض علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔

پہلی روایت

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کہو تو میں اس (دعا) کو ملتوی کر دوں کیوں کہ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اور کہو تو دعا کروں۔ وہ کہنے لگا ابھی دعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور پھر یہ دعا کرو ”اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے اپنی یہ حاجت اپنے رب کی طرف پیش کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرمائیے۔“ (ابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے دعا میں وسیلہ اختیار کرنا واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کے لیے دعا مانگنا کہیں ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی کی دعا کو وسیلہ بنانا جائز ہے، اسی طرح ذات کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔

وسیلہ کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ ! فلاں بندے پر آپ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس سے محبت و عقیدت رکھنا بھی رحمتوں کے نزول کا سبب ہے، ہم بھی آپ کے اس فلاں بندے سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں، اس لیے ہم پر بھی اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔

اعمال کے ذریعہ وسیلہ اختیار کرنے کی یہ صورت ہے کہ اے اللہ ! یہ اعمال آپ کے نزدیک نزولِ رحمت کا ذریعہ ہیں اور جن لوگوں نے یہ اعمال کیے ان پر رحم فرمایا ہم نے بھی یہ اعمال کیے ہیں، اس لیے آپ ہم پر بھی رحمتیں نازل فرمائیں۔

اس حدیث میں صحابی رضی اللہ عنہ نے جو ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' فرمایا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غائب کو یا کے ساتھ پکارنا درست ہے۔ کیوں کہ وہ صحابی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر تھے۔ بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ صحابی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور ان کی بینائی لوٹ آئی۔

دوسری روایت

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام سے آتا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجہ نہ دیتے تھے، اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں بات کی تو انھوں نے اس کو مذکورہ بالا دعا سکھا کر کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جاؤ اور یہ دعا پڑھو۔ چناں چہ اس نے ایسے ہی کیا اور دوبارہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ بہت عزت و احترام سے پیش آئے اور اس کا کام کر دیا۔ (البیہقی والطبرانی)

فائدہ: اس سے بعد از وفات بھی وسیلہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ وسیلہ حدیث کے علاوہ عقل سے بھی ثابت ہے۔ کیوں کہ جو وسیلہ پہلی روایت میں ہے وہ (وفات سے پہلے اور بعد) دونوں کو شامل ہے۔

اس جگہ بھی غائب کو ''یا'' کہہ کر پکارنے کا شبہ نہ کیا جائے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس سے مسجد نبوی میں (روضۂ مبارک پر) جا کر پکارنا مراد ہے اور وہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، اس لیے غائب کو پکارنا لازم نہیں آتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سلف صالحین کا اعتقاد صحیح تھا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، اور اس دور میں چوں کہ عوام عقیدہ میں بہت غلو کرتے ہیں اس لیے نہ صرف ان کو منع کیا جاتا ہے بلکہ ان کے عقیدہ کی حفاظت کے لیے خواص کو بھی اس سے روکا جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات (سلف صالحین) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاجت روا سمجھ کر نہیں پکارتے تھے۔ اور اب اس میں بہت زیادہ غلو ہے پس ان کے فعل کی وجہ سے ان ناقصین کو اجازت نہیں دی جا سکتی۔

کارِ پاکاں را قیاس از خو دیگر

نیک لوگوں کے کام کو اپنے کام پر قیاس مت کیا کرو۔

احقر نے فصل کے آغاز میں جو کہا تھا کہ قواعدِ شرع کے اندر رہتے ہوئے وسیلہ جائز ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔

تیسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ! ہم پہلے آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے تو آپ ہم پر بارش برسا دیتے تھے۔ اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں، ہمیں بارش عطا فرمائیں! چناں چہ بارش ہو جاتی تھی۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیر نبی کا وسیلہ بھی جائز ہے جبکہ اس کو نبی سے کوئی حسّی یا معنوی قرابت ہو۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کی ایک صورت ہے۔ علماء فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بات پر متنبہ کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل فرمایا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ جائز نہ تھا۔ کیوں کہ دوسری روایات سے اس کا جواز ثابت ہے اور اس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نکیر بھی نہیں فرمائی، اس لیے اس پر اجماع بھی پایا گیا۔

چوتھی روایت

حضرت ابوالجوزاء فرماتے ہیں: مدینے میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قحط کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھو۔ اس کے اوپر آسمان کی طرف ایک سوراخ کردو کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو چناں چہ لوگوں نے ایسے ہی کیا تو موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ (الدارمی)

فائدہ: اوپر کی روایات سے زبانی توسل کا جواز ثابت ہو رہا تھا اور اس روایت میں عملی توسل کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ یا اللہ! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی برکت سے ہم اسے بابرکت سمجھتے ہیں تو ہمارے اوپر اس کی وجہ سے رحم فرما۔

پانچویں روایت

حضرت محمد بن حرب ہلال فرماتے ہیں: میں قبر مبارک کی زیارت کر کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا کہ روضۂ اقدس پر ایک دیہاتی حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا: یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی، جس میں ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ
لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور آپ کے حضور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے شفاعت کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ پھر اس نے دو شعر پڑھے الخ۔ ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ یہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور اس وقت کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ اس لیے یہ حجت ہو گیا۔

مِنَ الْرَّوْضِ

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
فَالْفَتْحُ مِنْ جُنْدِهٖ وَالنَّصْرُ وَالظَّفَرُ
دَعَاكُمْ مُّسْتَغِيْثًا رَاجِيًا اَمَلًا
فَهَلْ لَّهٗ مِنْ سِوٰى لُطْفِكُمْ نَظَرْ

فَاعْطِفْ اِلٰهِىْ عَلَيْنَا قَلْبَ سَيِّدِنَا
خَيْرِالْاَنَامِ فَمِنْهُ الْعَطْفُ مُنْتَظَرُ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

ا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کی وجہ سے مدد حاصل ہو تو وہ فتح و ظفر کا مالک ہوتا ہے۔

۲۔ اس شخص نے فریادی بن کر اور امید باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارا ہے۔ اس کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی کے سوا کسی پر نہیں اٹھ سکتی۔

۳۔ اے اللہ ! ہمارے سردار جو تمام مخلوق میں افضل ہیں، ان کے دل کو ہم پر مہربان بنا دے۔ ہم ان کی مہربانی کے منتظر ہیں۔

انتالیسویں فصل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کا ذکر

انسان کو جس قدر کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا اتنا ہی تذکرہ کرتا ہے۔ اس لیے ہم اس فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تذکرہ کریں گے۔ باقی اسے توسل کے بعد اس لیے ذکر کیا کہ جیسے توسل میں غلو ہے اسی طرح ذکر میں بھی غلو ہے۔ اس لیے مختصراً اس فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کو شرعاً و طبعاً مطلوب ہونا چاہیے۔

اَلَا یَا مُحِبَّ الْمُصْطَفٰی زِدْ صَبَابَۃً
وَضَمِّخْ لِسَانَ الذِّکْرِ مِنْکَ بِطِیْبِہٖ
وَلَا تَعْبَأَنْ بِالْمُبْطِلِیْنَ فَاِنَّمَا
عَلَامَۃُ حُبِّ اللّٰہِ حُبُّ حَبِیْبِہٖ

(۱) اے عاشقِ مصطفیٰ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں خوب ترقی کر اور اپنی زبان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی خوشبو سے معطر رکھ۔

(۲) ملامت کرنے والوں کی کچھ پرواہ نہ کر کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے مشروع ہونے کی دلیل یہ آیت شریفہ ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کیا۔)

پہلی روایت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک حدیث مبارکہ میں فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ رسول اللہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (میں رسول اللہ تو ہوں ہی مگر دوسرے حسبی و نسبی فضائل بھی رکھتا ہوں چناں چہ میں بتاتا ہوں) میں محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا کیا۔ پھر ان (انسانوں) کے دو فرقے (عرب اور عجم) بنائے اور مجھے بہترین فرقہ (عرب) میں پیدا

کیا۔ پھر ان (عرب) کو مختلف قبیلوں میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین قبیلے (قریش) میں پیدا کیا۔ پھر ان (قریش) کے کئی خاندان بنائے اور مجھے بہترین خاندان (بنی ہاشم) میں پیدا کیا پس میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب میں افضل ہوں اور خاندان کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں۔ (ترمذی)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سر منبر اپنے فضائل بیان فرمائے۔

دوسری روایت

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنبیہ الغافلین“ میں اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے ایام میں سورۂ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا توقف جمعرات کے روز باہر تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مدینہ میں اعلان کر دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت سننے کے لیے جمع ہو جائیں۔ چناں چہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا تو چھوٹے بڑے سب جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ہوں، میں عربی، حرمی، مکی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (فتاویٰ مولانا عبد الحئی ص ۸۳)

فائدہ: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود لوگوں کو بتانے کے لیے اعلان فرمایا چناں چہ فرمایا وصیت سننے کے لیے جمع ہو جاؤ۔

تیسری روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجدِ نبوی میں منبر رکھتے تھے۔ وہ اس پر کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل (قابلِ فخر باتیں) بیان کرتے اور مشرکین کے طعنوں کا جواب دیتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) حسان رضی اللہ عنہ کی تائید روح القدس سے فرماتا رہے گا، جب تک یہ رسول اللہ کے فضائل بیان کرتا رہے گا اور ان کی مدافعت کرتا

رہے گا۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے فضائل بیان کرانا ثابت ہوا۔ اور اس کے منظوم ہونے کا جواز بھی ثابت ہوا جب کہ شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو۔

چوتھی روایت

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات جمیلہ کے متعلق سوال کیا کیوں کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بہت کثرت سے بیان فرمایا کرتے تھے اور مجھے اشتیاق رہتا تھا کہ وہ میرے سامنے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) کچھ اوصاف بیان کریں اور میں انہیں ذہن نشین کرلوں۔ (شمائل الترمذی)

فائدہ: اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات مبارکہ کے متعلق آگاہی کا شوق۔

۲۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ کا کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل بیان فرمانے کا ذوق۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات مبارکہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرنا۔

پانچویں روایت

حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ (مجمع کی صورت میں) ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ باتیں بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا: میں کیا کیا باتیں بیان کروں؟ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں تو اتنی ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ اس کے بعد انہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ مبارک حالات بھی بیان فرمائے۔) (شمائل ترمذی)

فائدہ: اس سے تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سننے کا شوق ثابت ہوا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال، اور صحابۂ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے عمل سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک و پاکیزہ تذکرہ

کا مستحب و پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔

تنبیہ: جن مواقع میں درود شریف پڑھنا ادب کے خلاف ہے، ان کا ذکر سینتیسویں فصل میں گزر چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ذکر بھی اگر قواعد شریعت کے خلاف ہوگا جیسا کہ آج کل بہت سے بے احتیاط لوگوں نے اس (ذکر شریف) بہت سی نامناسب چیزوں کو شامل کر لیا ہے تو وہ بے ادبی میں شمار ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔ خلاصہ یہ کی محبت کے ساتھ ادب بھی نہایت ضروری ہے۔

طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا اَدَبُ
اَدِّبُوا النَّفْسَ اَيُّهَا الْاَصْحَابُ

عشق کا راستہ سارے کا سارا ادب ہی ادب ہے۔ اے لوگو! خود کو ادب سکھاؤ۔

من القصيدة

خَدَمْتُهٗ بِمَدِيْحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهٖ
ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَضٰى فِى الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ
وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْكَارِىْ مَدَائِحَهٗ
وَجَدْتُّهٗ لِخَلَاصِىْ خَيْرَ مُلْتَزِمِ
وَلَنْ يَفُوْتَ الْغِنٰى مِنْهُ يَدًا تَرِبَتْ
اَنَّ الْحَيَايُنْبِتُ الْاَزْهَارَ فِى الْاَكُمْ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت گوئی کے ذریعے خدمت کی ہے تاکہ یہ اس زندگی کا کفارہ بن سکے جو میں نے شعر گوئی اور دنیا والوں کی خدمت میں گزاری ہے۔

۲۔ اور جب سے میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفات کو اپنے دل و دماغ میں بسایا ہے تو میں نے اپنی نجات کا بہترین ضامن تیار کر لیا ہے۔

۳۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب جو مالداری حاصل ہوئی ہے وہ کسی کو محتاج نہیں رہنے دیتی جیسے پانی زراعت کے قابل زمین کو تر و تازہ رکھتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض تمام محتاجوں کو مالا مال کر دیتا ہے۔

چالیسویں فصل

خواب میں آں حضرت ﷺ کی زیارت

جو شخص حالتِ بیداری میں آں حضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکا، اس کے لیے خواب میں زیارت ہو جانا تسلی کا سامان اور بہت بڑی دولت اور عظیم الشان نعمت ہے۔ لیکن بندے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت اپنی طاقت اور زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔

ہزاروں لوگ دل میں یہ حسرت لیے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کثرتِ درود شریف، سنت کی مکمل اتباع اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے اکثر یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن چوں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں اس لیے اس کے نہ ہونے سے دل گرفتہ اور غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کے لیے اسی میں رحمت اور بہتری ہوتی ہے۔ عاشق کو تو ہر حال میں محبوب کی رضا کا طلبگار ہونا چاہیے۔ چاہے وصال ہو یا فراق۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ہَجْرِیْ
فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

میں تو اپنے محبوب کی ملاقات کا طالب ہوں مگر وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا، سو میں اپنی چاہت کو اس کی چاہت پر قربان کرتا ہوں۔

عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

وصال و ہجر کیا چیز ہے؟ اصل مطلوب تو دوست کی خوشی ہے۔ اس پر افسوس ہے کہ دوست سے دوست کے علاوہ کسی چیز کی تمنا کی جائے۔

یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نعمت حاصل بھی ہو جائے لیکن اطاعت کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا حاصل نہ کی جائے تو یہ (زیارت بھی) ناکافی ہے کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کافی لوگ ایسے تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت تو کی لیکن اطاعت نہیں کی اور کئی حضرات ایسے بھی تھے کہ جن کو اگرچہ بظاہر (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) زیارت کی نعمت تو نصیب نہیں ہوئی لیکن (اطاعت کی وجہ سے) معنوی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھے۔

اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت سے متعلق مشکوٰۃ شریف کی چند احادیث بیان کی جاتی ہیں:

پہلی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری، مسلم)

دوسری روایت

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعتاً مجھ ہی کو دیکھا۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ: ان دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ مشکوٰۃ کے حاشیہ میں سید رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس مسئلے میں دو قول نقل کیے گئے ہیں کہ اگر خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت حلیہ مبارکہ کے مطابق نہ دیکھے اور اسے دل سے یقین ہو کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں تو آیا کیا یہ دیکھنا بھی صحیح ہے یا نہیں؟ جو علماء اسے صحیح فرماتے ہیں، ان کے

نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ کے بدلنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس دیکھنے والے میں کمی ہے جیسے اگر شیشے پر گرد پڑی ہو تو اس میں صاف چہرہ بھی گرد آلود دکھائی دیتا ہے، یا بعض شیشوں میں شکل ٹیڑھی نظر آتی ہے جو شیشے کی خرابی ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ وہ صورت حقیقت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں روح مقدسہ کی مثال ہے اور مثال کا اصل صورت کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ علامہ مازنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو صحیح کہا ہے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی ارشاد ہے۔ واللہ اعلم

تیسری روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خواب میں میری زیارت کرے وہ حالتِ بیداری میں بھی مجھے دیکھے گا۔ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ: اس حدیث میں اس شخص کے لیے حسن خاتمہ کی بشارت ہے جو خواب میں آں

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو۔ چناں چہ بزرگان دین نے اس خواب کی یہی تعبیر دی ہے کہ اس (خواب دیکھنے والے شخص) کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کہ ”وہ مجھے حالت بیداری میں بھی دیکھے گا“ کا یہی مطلب ہے کہ آخرت میں اسے میرا قرب حاصل ہوگا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس طرح اچھے اعمال کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان میں ایمان اور تقویٰ موجود ہو، اسی طرح خواب میں زیارت بھی حقیقی معن میں تبھی بشارت بنے گی جب اس کے ساتھ ایمان اور تقویٰ ہوگا۔

تنبیہ: اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں کچھ ارشاد فرمائیں تو اگر وہ کام جائز ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر ناجائز کام ہو تو خواب دیکھنے والے کی غلطی سمجھی جائے گی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جب عمل کرنے کے لیے کام کا جائز ہونا شرط ہے تو اس میں خواب کا کیا اثر یا فائدہ ظاہر ہوا؟ وہ کام تو پہلے ہی جائز تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کے حق میں خواب سے اس کام کی اور زیادہ تائید ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

من القصيدة

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَهْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ
وَکَیْفَ یُدْرِکُ فِی الدُّنْیَا حَقِیْقَتَهٗ
قَوْمٌ یَنَامُ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ
یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

۱۔ رات محبوب کے خیال نے میری نیند اڑا دی۔ بے شک محبت اور عشق خوشی کو غم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

۲۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ان لوگوں کو کیسے معلوم ہو سکتی ہے جو اپنے خواب و خیال میں مست ہیں۔

* * *

اکتالیسویں فصل

صحابۂ کرام، اہل بیت عظام اور علماء سے محبت

یہ آخری فصل ہے۔ ان حضرات کا تذکرہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کی وجہ سے اس کے متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے، پھر جب متعلقین بھی ایسے ہوں کہ جو محبوب کے پسندیدہ ہوں اور اس نے ان سے محبت کرنے کا حکم بھی دیا ہو تو ان سے محبت کرنا شرعاً محبوب ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب محبوب سے ملاقات کی توقع ہی نہ رہی ہو تو محبوب کے نائب کو ہی غنیمت سمجھنا چاہیے۔ بقول مولانا رومی۔

چوں کہ خورشید وما را کرد داغ
چارہ نبود در مقامش جز چراغ
چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

(۱) جب وہ چاند غروب ہو کر ہم سے جدا ہو گیا تو اب اس کی جگہ چراغ سے روشنی حاصل کرنے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔

(۲) جب پھول چلا گیا اور باغ اجڑ گیا تو میں کس سے خوشبو ڈھونڈوں؟ گلاب سے؟

ان سب باتوں پر نظر کرکے یہ حکم لگانا بالکل ٹھیک ہے کہ جو لوگ ان حضرات کے ساتھ محبت نہ رکھیں ان کا نبی کریم ﷺ سے محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

اب اس کے متعلق چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں یہ سب روایات مشکوٰۃ کی ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

پہلی روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب

کا اکرام کیا کرو کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔ (نسائی)

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو! میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے بعد انہیں (اعتراضات کا) نشانہ مت بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرے گا اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھے گا۔ اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی ایذا دی اس کی اللہ تعالیٰ بہت جلد پکڑ فرمائیں گے۔

فائدہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "جو شخص ان سے محبت کرے گا الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا کیوں کہ جب مجھ سے محبت ہے تو لازمی طور پر میرے مخصوص اور محبوب لوگوں سے بھی محبت ہوگی۔ اسی طرح ان سے بغض رکھنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ اسے مجھ سے بغض ہے، اسی لیے میرے محبوبین سے بھی بغض ہے۔ کیوں کہ اگر مجھ سے محبت ہوتی تو جو میرے محبوب ہیں ان حضرات سے بغض کیوں ہوتا۔

تیسری روایت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو! کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تب بھی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد (ایک سیر) بلکہ آدھے مد کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری، مسلم) (یعنی ثواب میں برابر نہیں ہوں گے۔)

فضائل اہل بیت کرام

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

سے اس لیے بھی محبت کرو کہ وہ تمہیں کھانے کو نعمتیں دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت رکھو (کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے محبوب ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول اور محبوب ہوں تو اپنے محبوب کے محبوب سے محبت رکھو) اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ (ترمذی)

دوسری روایت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: میرے اہل بیت کی مثال تم میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے۔ جو شخص اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے جدا رہا وہ ہلاک ہو گیا۔ (احمد)

فائدہ: یعنی اہل بیت کی محبت اور اطاعت نجات کا باعث اور ان کے ساتھ بغض اور مخالفت ہلاکت کا ذریعہ ہے۔

تیسری روایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں تھامے رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ یعنی کتاب اللہ کہ وہ آسمان سے زمین تک (اللہ کی) رسّی ہے۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اس لیے خیال رکھنا (میں دیکھوں گا) کہ تم میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو۔ (ترمذی)

فائدہ: کتاب اللہ سے شریعت کے وہ احکام مراد ہیں جو دلائلِ اربعہ (قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس) سے ثابت ہیں جن کے ماخذ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم سب داخل ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ میرے بعد ان دو شخصوں کی اتباع کرنا (یعنی) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی۔ (ترمذی)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پا جاؤگے۔ (رزین)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا عام ارشاد ہے: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تمھیں علم نہ ہو تو علماء سے پوچھ لیا کرو) اس میں سب علماء داخل ہو گئے۔

کتاب اللہ سے شرعی احکام مراد ہونا حدیث پاک سے بھی ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمہ میں فرمایا کہ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، چناں چہ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک شخص کو سو کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی اور عورت کے لیے اس کے اعترافِ جرم کی صورت میں رجم کی سزا تجویز فرمائی۔ یہ روایت صحیحین میں مذکور ہے حالاں کہ ان میں سے بعض احکام قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حدیث پاک میں کتاب اللہ کو تھامنے سے احکامِ شرع پر مضبوطی سے کاربند ہونا مراد ہے۔

دوسری چیز ہے اہلِ بیت کی محبت۔ کیوں کہ وہ بھی ایمان کا حصہ ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تم لوگوں (میرے اہلِ بیت) سے اللہ اور اس کے رسول کے لیے محبت نہ رکھے۔ (ترمذی) (حاشیہ: اس سے اس سوال کا جواب مل گیا کہ بعض صحیح النسب سید سنت کے خلاف ہوتے ہیں تو کیا ان سے بھی محبت رکھیں یا نہیں کہ یہ محبت اللہ اور رسول کے واسطے ہے۔ جب کوئی شخص اللہ اور رسول کا ہی مخالف ہو تو اس سے محبت بھی نہ ہوگی)۔ (ترمذی)

اس حدیث مبارکہ کا حاصل دو چیزوں کی تاکید ہے: ایک احکامِ شرعیہ پر عمل کرنا اور دوسرے حضرات اہل بیت عظام سے محبت رکھنا۔

فائدہ: اہل بیت کے اندر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی ازواج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (اے اہل بیت! اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے (شرک اور گناہوں کی ناپاکی) دور رکھیں) اور حدیث افک میں

نبی کریم ﷺ نے خود حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں فرمایا: **واللہ ما علمت علیٰ اھلی من سوء قط۔** خدا کی قسم! میں اپنے اہل بیت کے بارے میں کسی برائی کا یقین نہیں رکھتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ ان (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) سے بھی محبت رکھنا واجب ہے۔

اس کے علاوہ بھی احادیث میں ان کے بے شمار مناقب موجود ہیں۔ قرآن کریم میں ازواج مطہرات کو تمام مومنین کی ماں فرمایا گیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ان کی خدمت کرنے والے شخص کی تعریف فرمائی ہے۔ چناں چہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد تم لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ بڑا سچا اور نیک ہوگا۔ (احمد)

علماء کرام کے فضائل

یہ فضائل ان علماء کرام کے ہیں جو باعمل ہیں، دین کی اشاعت وخدمت اور اہل دین کی روحانی تربیت کرتے ہیں کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کا یہی کام تھا۔ ورنہ بے عمل علماء کی تو احادیث میں بڑی مذمت بیان کی گئی ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے کہ جو شخص علماء سے مقابلے اور جاہلوں سے جھگڑا کرنے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی دنیاوی مطلب کے لیے علم دین حاصل کرے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے اس (وادی) میں ریاکار علماء داخل ہوں گے۔

اب ذیل میں باعمل علماء کے فضائل میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں:

پہلی روایت

حضرت کثیر بن قیس نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں

روایت کیا ہے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: عالم (دین) کے لیے زمین وآسمان کی ساری مخلوقات (حتیٰ کہ) پانی میں مچھلیاں (تک) استغفار کرتی ہیں۔ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کو دوسرے ستاروں پر ہوتی ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اپنی میراث میں درہم ودینار نہیں صرف علم چھوڑتے ہیں۔ تو جس نے اس (علم) کو حاصل کیا اس نے بہت بڑی چیز کو حاصل کیا۔
(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے (ایک مجلس عبادت گزار لوگوں کی تھی اور دوسری علماء کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں اچھے ہیں لیکن (ان میں سے) ایک دوسرے سے افضل ہے۔ یہ لوگ (عابد) اللہ تعالیٰ سے دعا والتجا کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو نہیں دیں گے اور اگر نہیں چاہیں گے تو نہیں دیں گے۔ دوسرے لوگ (علماء) دین کے احکام (یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علم کی باتیں) سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں تو یہ زیادہ افضل ہیں اور میں بھی استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یہ باور کرانے کے لیے) ان لوگوں میں بیٹھ گئے (کہ یہ خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت ہے۔) (دارمی)

تیسری روایت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان میں سے ایک تو عالم تھا جو فرائض ادا کرنے کے بعد لوگوں کو دین کی تعلیم دینے بیٹھ جاتا، اور دوسرا دن بھر روزہ رکھتا اور ساری رات عبادت کرتا کہ ان میں سے میں کون افضل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ عالم جو فرض (اور ضروری) نماز پڑھ لیتا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا اس کی فضیلت اس دن بھر روزہ اور ساری رات عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے۔ (دارمی)

فائدہ: ان احادیث سے علماء کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پہلی روایت میں توصاف صاف وارث کا لفظ ہے۔ دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی مجلس میں بیٹھ جانا مذکور ہے، جس سے ان کے ساتھ ایک خاص نسبت معلوم ہوتی ہے۔ تیسری روایت میں اپنے ساتھ عالم کو تشبیہ دینا اس خصوصیت کی دلیل ہے۔ اور حضرات صحابۂ کرام اور جملہ اہل بیت کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کسی بیان کا محتاج نہیں ہے اس لیے ان سب جماعتوں کے ساتھ محبت رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی تکمیل ہے۔

هُمْ جَمَاعَةُ خَيْرِالْخَلْقِ اَيَّدَهُمْ
رَبُّ السَّمَاءِ بِتَوْفِيْقٍ وَ اِيْثَارٍ
فَحُبُّهُمْ وَاجِبٌ يَشْفِى السَّقِيْمَ بِهٖ
فَمَنْ اَحَبَّهُمْ يَنْجُوْ مِنَ النَّارِ
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ یہ انسانوں کی بہترین جماعت ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے توفیق و ایثار کے ساتھ نوازا ہے۔

۲۔ ہم پر ان کی محبت واجب ہے، جو مریض کے لیے باعثِ شفاء اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

خاتمہ

اس میں بھی مقدمہ کی طرح تین مضمون ہیں۔ پہلا مضمون سینتیسویں فصل سے متعلق ہے جس میں درود شریف کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اس لیے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رسالے ”زاد السعید“ سے درود شریف کے چالیس صیغے نقل کر دیے جائیں تاکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کم از کم ایک بار تو یہ سب درود شریف پڑھ لیں۔ اور ساتھ ساتھ فصل نمبر ۳۷ (جو درود شریف کے فضائل میں ہے اس) پر بھی عمل ہو جائے۔

چہل حدیث مشتمل بر صلوٰۃ وسلام صیغ الصلوٰۃ

۱ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ۔

۲ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَآئِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّیْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔

۳ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

۴ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۵ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۶ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۷ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۸ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَّ بَارِكْ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۹ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۰ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۱ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ
اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۴ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۱۵ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ، وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ

حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۱۶ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی
اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ
مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۱۷ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی
الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۱۸ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ
اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۱۹ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۲۰ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا
صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ کَمَا
بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۲۱ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ
عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً

تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّ لَهٗ جَزَاءً وَّلِحَقِّهٖ اَدَآءً وَّ اَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاَجْزِهٖ اَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَ رَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

۲۲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۲۳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ صَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

۲۴ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتَكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۲۵ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

صِيَغُ السَّلَامِ

۲۶ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

۲۷ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ

اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

٢٨ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

٢٩ اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ، سَلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، سَلَامٌ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

٣٠ بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ، اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔

٣١ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

٣٢ بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ خَیْرِ الْاَسْمَاءِ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا، وَاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاھْدِنِیْ۔

٣٣ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ وَالصَّلَوَاتُ وَالْمُلْکُ لِلّٰہِ، اَلسَّلَامُ

عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

۳۴ بِسْمِ اللّٰهِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ شَهِدْتُّ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُّ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

۳۵ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔

۳۶ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔

۳۷ اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔

۳۸ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

۳۹ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

۴۰ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

مضمون دوم متعلق فصل ۳۸

اس فصل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ حاصل کرنے کی برکت کا ذکر ہے۔

عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ کی برکات کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے مؤلف امام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعید حماد بوصیری قدس سرہٗ کا فالج کی وجہ سے آدھا جسم بے کار ہو گیا تھا۔ چناں چہ انہوں نے اللہ کے طرف سے القا ہونے کے بعد یہ قصیدہ لکھا اور خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (خواب ہی میں) اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا تو یہ فوراً شفایاب ہو گئے۔

پھر یہ اپنے گھر سے نکلے تو انہیں ایک درویش ملا اور اس نے درخواست کی کہ جو قصیدہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ تعریف میں لکھا ہے وہ مجھے بھی سنائیں۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ درویش کہنے لگا: جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے اَمِنۡ تَذَکُّرِ جِیۡرَانٍ بِذِیۡ سَلَمٖ (یہ سن کر) انہیں بہت تعجب ہوا کیوں کہ انہوں نے یہ قصہ کسی سے بیان نہیں کیا تھا۔ وہ درویش کہنے لگا کہ خدا کی قسم! میں نے یہ قصیدہ اس وقت سنا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو رہے تھے۔ چناں چہ انہوں نے وہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا اور یہ قصہ مشہور ہو گیا۔

اڑتے اڑتے یہ خبر ملک ظاہر کے وزیر بہاؤالدین تک بھی پہنچی اور اس نے اسے نقل کرالیا۔ چناں چہ وہ اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے اور انہوں نے دینی اور دنیوی امور میں اس کی بہت زیادہ خیر و برکات دیکھیں۔

انہی کا وزیر کا ایک منشی سعد الدین آنکھ کی ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہوا کہ اس کی آنکھیں ضایع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ کسی نے خواب میں اس کی رہنمائی کی کہ وزیر کے پاس جاؤ اور اس سے قصیدہ بردہ لے کر آنکھوں پر رکھو۔ چناں چہ اس نے ایسے ہی کیا اور اسے پڑھا تو فوراً شفا نصیب ہو گئی۔

احقر کے رسالہ ''نیل الشفاء'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعل مبارک کے برکات اور خصوصیات مذکور ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ کی تعریف میں کہے گئے الفاظ اور آپ ﷺ کے جسم اقدس کے ساتھ مس کی ہوئی اشیاء سے برکت حاصل کی جارہی ہے تو خود آپ ﷺ کی ذات اقدس جو تمام کمالات اور برکات کی جامع ہے، اس سے برکت کا حصول اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا؟

نام احمد چوں چنیں یاری کند
تا کہ نورش چوں مددگاری کند
نام احمد چوں حصارے شد حصین
تا چہ باشد ذات آں روح الامیں

مضمونِ سوم متعلق فصل ۳۹،۴۰

یہاں درود شریف کے کچھ ایسے صیغے درج کیے جارہے ہیں جن کے بارے میں بزرگوں کے تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کے پڑھنے سے خواب میں آں حضرت ﷺ کی زیارت ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کے علاوہ ذکر شریف کے چند آداب بھی مذکور ہیں جو بعض صلحا نے حالتِ خواب میں خود آں حضرت ﷺ سے سنے ہیں۔

پہلا حصہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب ''ترغیب اہل السعادت'' میں لکھا ہے کہ جو شخص شب جمعہ میں دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ آیۃ الکرسی اور گیارہ بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے تین جمعے گزرنے سے پہلے اسے آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ

شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں الحمد کے بعد پچیس بار قل ھواللہ پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے وہ بھی زیارت سے مشرف ہوگا۔ درود شریف یہ ہے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ سوتے وقت ستر بار اس درود شریف کو پڑھنے سے زیارت

نصیب ہوگی:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ مَعْدَنِ اَسْرَارِكَ وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعُرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ مُلْكِكَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِيْقِ شَرِيْعَتِكَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِيْدِكَ اِنْسَانِ عَيْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبِ فِيْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ عَيْنِ اَعْيَانِ خَلْقِكَ الْمُتَقَدِّمِ مِنْ نُّوْرِ ضِيَائِكَ صَلٰوةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰى بِبَقَائِكَ لَامُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلَاةً تُرْضِيْكَ وَتُرْضِيْهِ وَتَرْضٰى بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ وَرَبَّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ اَبْلِغْ لِرُوْحِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مِّنَّا السَّلَامَ۔

مگر اس دولت کے حصول کے لیے سب سے بڑی شرط شوق و محبت سے (درود شریف) پڑھنا اور خود کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچانا ہے۔

دوسرا حصہ

اس میں دو خواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک خواب منشی شرافت اللہ صاحب کا ہے، جو ایک دیندار اور سچے آدمی ہیں۔ انہوں نے یہ خواب کانپور میں اس زمانے میں دیکھا جبکہ وہاں میرے ایک رسالہ ''اصلاح الرسوم'' پر بہت شور مچا ہوا تھا۔ مجھے اس خواب کے متعلق رجب ۱۳۱۹ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۰۱ء میں اطلاع دی گئی۔ اگرچہ شرعی دلائل کے ہوتے ہوئے اس کی چنداں حاجت نہیں مگر یہ قدرتی بات ہے کہ اچھے خواب کی وجہ سے طبیعت میں ایک خوشی پیدا ہوتی ہے۔

پہلا خواب

انہوں نے لکھا ہے کہ تین چار روز ہوئے، میں نے صبح کے وقت خواب دیکھا کہ میں کسی غیر معروف مکان میں ہوں۔ ایک براق اس مکان کے دروازے پر آکر ٹھہرا ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ تیری سواری کے لیے آیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ جناب نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک براق پر تشریف لائے، چہرہ مبارک پر نقاب تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے قریب تشریف لا کر رونق افروز ہوئے اور میرا اس وقت یہ حال تھا کہ

میں خود کو بیدار محسوس کر رہا تھا اور آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد درمیان میں ایک پردہ سا حائل ہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت تو نہیں کر سکتا مگر آپ ﷺ کی آواز مبارک سن سکتا ہوں۔ پھر اس کے بعد خود میں نے یا اور حاضرین میں سے کسی نے آں حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آج کل کانپور میں بہت ہنگامہ ہو رہا ہے اور لوگ مولانا اشرف علی صاحب کی بہت زیادہ مخالفت کر رہے ہیں اس کی کیا اصلیت ہے؟ اس کے جواب میں آں حضرت ﷺ نے تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو کچھ اشرف علی نے لکھا ہے وہ صحیح ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے صرف مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اشرف علی سے کہہ دینا جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے مگر یہ وقت ان باتوں کے لکھنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہ آخری فقرہ اس قدر آہستہ (آواز) سے ارشاد فرمایا کہ غالباً حاضرین میں سے میرے سوا کسی نے نہیں سنا۔ بس اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو صبح کی نماز کا وقت تھا، بدھ کا دن اور رجب کی ۲ تاریخ تھی۔ جتنا خواب یاد تھا حرف بحرف عرض کیا گیا ہے۔

تنبیہ: آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کہ ”یہ وقت ان باتوں کے لکھنے کے لیے مناسب نہیں ہے الخ۔“ بطور شفقت کے ہے، آپ ﷺ کا حکم نہیں۔ شرعی دلائل کے علاوہ خود خواب میں بھی اس کا قرینہ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے یہ جملہ آہستہ سے فرمایا، ورنہ اگر حکم ہوتا تو ظاہر ہے بلند آواز سے ارشاد فرماتے۔ میری اس رائے کی تائید ایک کامل محقق جامع ظاہر و باطن شیخ سے بھی ہو چکی ہے۔

دوسرا خواب

اس کے کافی عرصہ بعد حافظ اشفاق رسول تھانوی بڑوتی نے جو ذکر ولادت شریف کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں دیکھا کہ حضور فخر عالم ﷺ دونوں پاؤں مبارک دراز کیے ہوئے تشریف فرما ہیں اور سر سے پاؤں تک سفید چادر ڈالی ہوئی ہے، کمر سے ایک دوپٹہ بندھا ہوا ہے اور سفید چوغہ زیب بدن ہے۔ احقر نے سامنے جا کر سلام عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہماری تعریف کر کے شفاعت چاہے ہم اس کی شفاعت نہیں کریں گے ہم اس کے شافع ہوں گے جو ہماری حدیث پر عمل کرے گا۔

اس سے میرے مدعیٰ کی مزید تائید ہوتی ہے، وہ ایسے کہ اگر مدح میں تمام تر شرائط بھی

ملحوظ ہوں تب بھی اس کا درجہ اتباع سے کم ہے۔

اب اس خاتمہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور رسالہ القاسم کے ایک مضمون کے مطالعہ کی ترغیب دیتا ہوں جو "اصلاح معاملہ بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے عنوان سے شایع کرنے کا ارادہ ہے، وہ مضمون اس سارے رسالے کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ خاتمہ کا مضمون ختم ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی رسالہ "نشر الطیب" بھی ختم ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت بھی ربیع الاوّل کا مہینہ پیر کا دن اور دوسرا عشرہ ہے۔

والحمد للهِ اولاواٰخرا والصلاة علىٰ رسوله باطنا وظاهرا وعلىٰ اٰله وصحبه الذين كل منهم كان طيبا وطاهرا مادام الغيث متقاطرا والسحاب متماطرا وكان هذا في سنة ١٣٢٩ من الهجرة المباركة۔

من خاتمة الروض

صَلَّى وَسَلَّمَ مَنْ اَوْلَاهُ كُلَّ عُلَا
عَلَيْهِ مَا جَنَّ لَيْلٌ اَوْ بَدَا سَحَرُ
وَاٰلِهِ الْغُرِّ وَالْاَصْحَابِ اَجْمَعِهِمْ
اَلْعَابِدِيْنَ بِاِخْلَاصٍ كَمَا اُمِرُوْا
وَالتَّابِعِيْنَ بِاِحْسَانٍ لَهُمْ وَكَذَا
يَعُمُّ فَضْلًا اِلٰهِىْ كُلَّ مَنْ حَضَرُوَا
وَأْذَنْ لِسُحْبِ صَلَاةٍ مِنْكَ دَائِمَةً
عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍ وَمُنْسَجِمِ
وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِيْنَ هُمْ
اَهْلُ التَّقٰى وَالنُّقٰى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ
ثُمَّ الرِّضٰى عَنْ اَبِىْ بَكْرٍ وَعَنْ عُمَرَ
وَعَنْ عَلِيٍّ وَعَنْ عُثْمَانَ ذِى الْكَرَمِ
مَارَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَاَطْرَبُ الْعِيْسَ حَادِى الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ
فَاغْفِرْ لِنَاشِدِهَا وَاغْفِرْ لِسَامِعِهَا
سَأَلْتُكَ الْخَيْرَ يَا ذَاالْجُوْدِ وَالْكَرَمِ

۱۔ جب تک دن رات کا سلسلہ قائم رہے، آپ ﷺ پر وہ ذات درود و سلام نازل کرتی رہے جس نے آپ ﷺ کو بلندیوں سے نوازا۔

۲۔ اور آپ ﷺ کی آل اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو اخلاص کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

۳۔ اور ان پر بھی جو ان کا اتباع کرتے ہیں، اسی طرح وہ سلام تمام حاضرین کو پہنچے۔

۴۔ اور اپنی رحمتوں کے بادل کو اجازت عطا فرمائیں کہ وہ ہمیشہ حضور اکرم ﷺ پر رحمت کی بارش برساتے رہیں۔

۵۔ اور آپ ﷺ کی آل پر اور اصحاب پر اور تابعین پر، جو تقویٰ اور حلم و کرم سے مزین ہیں اور پاکیزگی والے ہیں۔

۶۔ اے اللہ! آپ کی رضا ہو ابو بکر رضی اللہ عنہ پر، عمر رضی اللہ عنہ پر، عثمان رضی اللہ عنہ پر اور علی رضی اللہ عنہ ذوالکرم پر۔

۷۔ یہ ابرِ رحمت اس وقت تک برستے رہیں جب تک بادِ صباء درختوں کی ٹہنیوں کو ہلاتی رہے اور جب تک حُدی خواں اپنے اونٹوں کو اپنے نغمے سنا کر دوڑاتے رہیں۔

۸۔ یا اللہ! یہ قصیدہ کہنے والے اور سننے والے کی مغفرت فرما۔ اے صاحبِ جود و عطا! میں آپ سے خیر کا سوال کرتا ہوں۔

تمت: الحمد للہ تسہیل نشر الطیب مکمل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اصل کتاب کی طرح نافع فرمائیں اور شرف قبولیت سے نوازیں اور میرے حق میں بھی اسے سرکارِ دو عالم ﷺ کی شفاعت اور حسنِ خاتمہ کا سبب بنائیں۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

احقر العباد: سید عبد العظیم ترمذی کان اللہ لہٗ
معہد الترمذی ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی۔ رائیونڈ روڈ لاہور

۱۲-۴-۳۳ھ

حواشی

۱۔ جیسا کہ اس رسالہ کے شروع کرنے سے پہلے پیہم زلزلے آچکے تھے۔

۲۔ حصن حصین کے تو خود خطبہ میں لکھا ہے اور قصیدہ بردہ کی وجہ یہ ہے کہ صاحب قصیدہ کو مرض فالج کا ہو گیا تھا جب کوئی تدبیر موثر نہ ہوئی تو یہ قصیدہ بقصد برکت تالیف کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ آپ نے دست مبارک پھیر دیا اور فوراً شفا ہو گئی۔

۳۔ چناں چہ ابتدائے رسالہ سے اس وقت تک کہ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ بفضلہٖ تعالیٰ یہ قصبہ ہر بلا سے محفوظ ہے، کیوں کہ اب تک یہ رسالہ شائع نہیں ہوا، بالخصوص امسال تمام بلاد وامصار وقریٰ طاعون کا اشتداد اور امتداد رہا، اکثر جگہ رمضان کے بعد سے شروع ہوا ہے، اور اس وقت تک کہ ساتواں مہینہ ہے کہ امن نہیں ہوا، مگر بفضلہٖ تعالیٰ یہاں خود کچھ بھی اثر نہیں ہوا، میرا یقین پہلے سے تھا کہ یہاں طاعون نہ ہوگا۔ مگر اب بعد مشاہدہ کے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ خیال میرا کہ اس کی یہ برکت ہوگی صحیح ہوا۔ سو میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ اگر یہ رسالہ شایع ہوا تو جہاں جہاں اس کا بطریق سنت مشغلہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کا امن وسکون میسر ہوگا، آگے ہر شخص کا اعتقاد ہے انا عند ظن عبدی بی حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

۴۔ ختم رسالہ سے پہلے ایک فصل درود شریف کے مضامین فضائل میں ہے اس میں اس علم مخفی کی تقریر کی گئی ہے۔

۵۔ رسالہ میں جہاں من القصیدہ کہوں گا مراد اس سے یہی قصیدہ ہوگا، اور جہاں من الروض کہوں گا وہاں الروض النظیف مراد ہوگا۔

پہلی فصل

۶۔ اور اکثر فصول کے ختم پر قصیدہ بردہ کے اشعار ہیں اور ان کے ساتھ ایک شعر درود شریف کا بھی بڑھا دیا گیا جو قصیدہ بردہ کا نہیں ہے تبرکاً بڑھا دیا گیا ہے۔ اور بعد ازاں الروض النظیف کے اشعار ہیں۔ اور اسی طرح ان کے ساتھ بھی ایک شعر جو ان کے ساتھ نہیں ہے۔

۷۔ روایات ہذا الفصل کلھا من المواہب

۸۔ ظاہر انور محمدی روح محمدی سے عبارت ہے اور حقیقت اکثر محققین مادہ سے مجرد ہے اور مجرد کا مادیات کے لیے مادہ ہونا ممکن ہونا نہیں ہے بس ظاہر اس نور سے کوئی مادہ بنایا گیا ہے، اس مادے کے چار حصے کیے گئے الخ اور اس مادہ سے پھر کسی مجرد کا بننا اس طرح ممکن ہے کہ وہ مادہ اس کا جزو نہ ہو، بلکہ کسی دلیل سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔

۹۔ اور اس وقت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن تو بنا ہی نہیں تھا پھر نبوت کی صفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کو عطا ہوئی تھی اور نور محمدی اسی روح محمدی کا نام ہے جیسے اوپر مذکور ہوا اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا سو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا، جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا تخصیص تھی؟ تقدیر تمام اشیائے مخلوقہ کی ان کے وجود سے متقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں ہے بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی، پس اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا۔ اور چوں کہ مرتبہ بدن متحقق نہ تھا اس لیے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی؟ کیوں کہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی۔ اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے اس لیے ختم نبوت کا حکم کیا گیا۔ سو یہ وصف تو خود تاخر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخر مرتبۂ ظہور میں ہے مرتبہ ثبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہدہ آج مل جاوے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہوگا کسی تحصیل میں بھیجے جانے کے بعد۔

۱۰۔ حدیث بالا میں جو مقدر ہونے کے احتمال کا جواب دیا گیا ہے یہ حدیث اس جواب میں نص ہے کیوں کہ اخذ میثاق تو یقینا موقوف ہے وجود اور ثبوت پر مرتبہ تقدیر میں میثاق ہونا نہ نقل اس کی مساعد ہے نہ عقل۔

۱۱۔ ظاہر ہے کہ جنت کے سائیوں میں ہونا اور کشتی نوح میں ہونا، اور نار خلیل میں ہونا یہ سب قبل جسمانی ولادت میں ہے بس یہ سب حالات روح مبارک کے ہوئے کہ عبارت ہے نور سے اور ظاہر ان مراتب میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود بالقوۃ

مراد نہیں ہے جو مرتبہ وجود مادہ کا ہے کیوں کہ یہ وجود تو تمام اولاد آدم ونوح وابراہیم میں مشترک ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص کیا ہوئی اور مقام مدح مقتضی ہے ایک گونہ اختصاص کو پس یہ قرینہ غالبہ ہے کہ یہ مرتبہ وجود کا اوروں کے وجود سے ممتاز تھا، مثلاً یہ کہ اس جزء مادی کے ساتھ علاوہ تعلق روح آباء کے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو بھی کوئی خاص تعلق ہو، یہ تو قرینہ عقلیہ ہے اور نقلی قرینہ خود ان اشعار میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا سوزش سے محفوظ رہنا مسبّب بتایا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورود فرمانے سے سو اگر اس جزء مادی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کا کوئی خاص تعلق نہ مانا جائے تو اس جزو کے وارد فی النار ہونے کے کیا معنی کیوں کہ ورود کے معنی لغوی مقتضی ہیں وارد کے خارج ہونے کے اور جزو کو داخل کہا جاتا ہے وارد نہیں کہا جاتا پس یہ امر خارجی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک ہے جس کا تعلق اس جزو مادی سے ہے کہ مجموعہ جز واور روح کا بوجہ ترکیب من الداخل اور خارج ہوگا پس اس تقریر پر ان اشعار سے یہ تطورات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کے لیے ثابت ہوگئے۔ اور یہی مدعا ہے اس فصل کا اور چوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اشعار پر سکوت فرمایا ہے اس لیے یہ حدیث تقریری سے ان کے مضامین کے صحیح اور حجت ہونا ثابت ہوگیا۔

دوسری فصل

۱۲؎ بجز احادیث مشکوٰۃ کے اس میں سب رویات مواہب سے منقول ہے۔

۱۳؎ اور اس کا آخری حصہ یہ کہ ورؤیا امی التی رات الحدیث چناں چہ آگے آوے گا۔

پانچویں فصل

۱۴؎ میں کہتا ہوں یہ ثقل عظمت کا تھا جیسے وحی کا ثقل ہوتا تھا، اور ایسے ثقل سے نشاط طبعی زائل نہیں ہوتا۔ پس عین ثقل میں بھی بایں معنی خفت کا حکم صحیح ہے بس روایات میں تعارض نہ رہا۔

چھٹی فصل

۱۵؎ یہ ایک حدیث کا وہی آخری حصہ ہے جس کا وعدہ دوسری فصل کی چوتھی روایت کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے اور شام کے محل نظر آنے میں اور اسی طرح روم کے محل نظر آنے میں جیسا آگے تیسری روایت میں آتا ہے یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ زمین کروی ہے اور روم اور شام مکہ سے بہت فاصلے پر ہے اور اتنے فاصلے پر نظر آنے میں خود کرویت مانع ہے۔ جواب یہ ہے کہ بعض انوار کا خاصہ ہے کہ جسم مجاور اپنی جگہ سے مرتفع دکھلائی دیتا ہے جیسا پانی سے بھرے ہوئے کٹورہ میں پیسہ پڑا ہو، بعض طلوع وغروب شمس کے وقت اسی کے قائل ہیں پس اگر اس نور کی خاصیت سے اور زیادہ مرتفع نظر آجاوے تو کیا استبعاد ہے۔

۱۶؎ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت رات کے وقت ہوئی ہو جیسے کہ ایک قول ہے تب تو اس اخیر کے واقعہ میں کوئی تردد ہی نہیں ، اور اگر دن میں ہوئی ہو جیسا کہ ایک قول ہے تو ستاروں کے نظر آنے کو بھی خرق عادت کہا جاوے گا کذا قالوا اور احقر کے نزدیک یہ سہل ہے کہ صبح صادق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت کو کہا جاوے تو اس وقت ستارے بھی نمایاں ہوتے ہیں اور اس وقت کو عوام رات سے اور خواص دن سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس دونوں قول متطابق بھی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حال

۱۷؎ اس سے شبہ فن تخمیم کے صحیح ہونے کا نہ کیا جاوے کیوں کہ اس ستارے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد میں مؤثر اور دخیل ہونا لازم نہیں آیا بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کو کسی نقل سے یہ معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد کا ایسا وقت ہوگا، مثلاً کوئی حاکم رعایا کو بتلادے کہ ہمارا فلاں نائب ہمارا فرستادہ فلاں ماہ کی فلاں تاریخ کو پہنچے گا تو ایک وقت کی تعیین ہے نہ کہ وقت کی تاثیر ہے۔

۱۸؎ اور سیر کی اس روایت پر ایام واقع فیل پر نور محمدی عبد المطلب کے جبین پر نمایاں ہوا شبہ نہ کیا جاوے کیوں کہ انفصال کے بعد بھی اثر کا بقا مستبعد نہیں، جس طرح ہنیرم سے شعلہ جدا ہونے کے بعد بھی اس کا اثر روشنی اور گرمی رہتی ہے۔

۱۹؎ اشہر قول اول ہے دوسرے اقوال یا ضعیف ہے یا ماؤل بتاویلات مناسبہ

۲۰؎ شاید یہ وہی شعب ہو جس میں قریش مخالفین کے تعاہد اور تخالف کے وقت ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آرہے تھے جس کا قصہ گیارویں فصل میں آتا ہے۔

آٹھویں فصل

۲۱؎ عطف ہے عالم پر نہ کہ ملکوت پر کیوں کہ عالم ماسوی اللہ ہے اور لاہوت مراتب الٰہیہ سے ہے۔

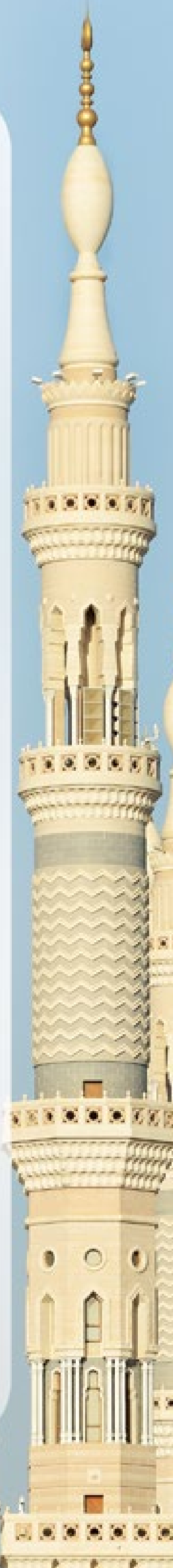

گیارویں فصل

۲۲؎ عبد مناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، عبد شمس، نوفل جناب رسول ﷺ ہاشم کے اولاد میں ہے اور مطلب کے اولاد میں سے بنی مطلب ہیں، اور عبد شمس کے اولاد میں بنی امیہ ہیں اور حضرت عثمان بنی امیہ میں سے ہیں اور نوفل کی اولاد میں حضرت جبیر بن مطعم ہے۔ بنی مطلب حالت کفر میں بھی مثل بنی ہاشم کے آں حضرت ﷺ کے ساتھ رہے، اسی سبب سے جناب رسول ﷺ نے جب حصہ ذوی القربی کا تقسیم فرمایا بنی مطلب کو بھی دیا، حضرت عثمان اور جبیر مطعم نے اس باب میں عرض کیا کہ اور کہا کہ بنی ہاشم کی ترجیح کا ہمیں انکار نہیں، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان میں پیدا کیا ہے مگر بنی مطلب اور ہم آپ ﷺ سے ایک سی قرابت رکھتے ہیں ان کی ترجیح کی کیا وجہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی مطلب اور بنی ہاشم مثل ذات واحد کے ہیں۔ یعنی ہمیشہ باہم رہتے ہیں ترجیح کے یہ وجہ ہے،

بارھویں فصل

۲۳؎ اس فصل کی روایتیں مواہب سے ہیں اور جو دوسری کتاب کی ہیں ان کے نام کے ساتھ لفظ کذا بڑھا دیا ہے اور اگر اس فصل کو کبھی جداگانہ شایع کیا جاوے تو یہ حاشیہ اس لفظ فصل پر لکھا جائے جو اس کی تمہید میں مذکور ہے جیسا حاشیہ آئندہ میں معلوم ہوگا۔

۲۴؎ اس تلقیب مستقل میں یہ مصلحت بھی سوچی گئی کہ اگر اس کو جداگانہ چھاپنا چاہے تو نام نہ سوچنا پڑے البتہ اس صورت میں اس کے اول میں بطور تمہید کے یہ عبارت بڑھا دینا مستحسن ہوگا۔ بعد حمد وصلوٰۃ یہ ایک فصل ہے نشر الطیب کی واقعہ معراج شریف میں جس کا لقب خود مؤلف نے تنویر السراج فی لیلۃ المعراج رکھا تھا، جس کو استقلالا شایع کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق الجملہ کمالات نبویہ الخ

۲۵؎ مگر چوں کہ مشہور بارہواں سن تھا، اس لیے یہ فصل ترتیب سابق سے موخر کی گئی۔

۲۶؎ اس وقت تک اس کا نام یہی تھا پھر حضور ﷺ کے قدوم میمنت کے بعد سے مدینہ مقرر ہوا، اور بعض روایت میں یثرب کہنے کی کراہت آئی ہے۔

۲۷؎ کیوں کہ جب آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں اور انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں تو امام الملائکہ بدرجہ اولی ہوں گے۔

۲۸؎ اور تین قصے روایت معراج میں اور آئے ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا کہ تانبے کے ناخنوں سے اپنا منہ نوچتے ہیں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضور ﷺ کی معرفت آپ کی امت کو سلام فرما کر بھیجا، تیسرے یہ کہ ملائکہ نے عرض کیا کہ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا معالجہ کے لیے مشورہ دیجئے اس وقت مجھ کو یہ حدیثیں نہیں ملیں جس کو مل جاوے وہ حاشیہ میں ملحق کر دیں۔

۲۹؎ اگر یہ فصل کبھی الگ چھپے تو بعد سرخی فوائد معراج یہ عبارت کافی ہے کیوں کہ یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے اس لیے کہ اس کے بعد فوائد متعلقہ کو بھی اس کے بعد لکھنا مناسب معلوم ہوا، مگر اختصار کے بعد اور یہ فوائد دو قسم کے ہیں ایک فوائد حُکمیہ بالضم الحاء جس کا حاصل احکام عملیہ ہیں۔ اور دوسرے فوائد حِکمیہ بکسر الحا جس کا حاصل تحقیقات علمیہ ہیں۔ اس کے بعد سرخی قسم اول سے لکھے جاوے، الخ

چودھویں فصل

۳۰؎ اس پوری فصل کے مضامین تواریخ حبیب الٰہ سے لیے ہیں گو الفاظ وترتیب میں علیحدہ ہوں

۳۱؎ بخاری میں حدیث ہے کہ جب آپ ﷺ کے خدمت میں بدر کے کفار قیدی لائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا مطعم ابن عدی اس وقت زندہ ہوتا اور مجھ سے ان سرداروں کے بارے میں سفارش کی گفتگو کرتا تو اس کی خاطر سے ان کو ویسے ہی چھوڑ دیتا اس ارشاد کی وجہ یہی قصہ ہے۔

نوٹ: ضروری حواشی درج ذیل ہیں، تاہم مکمل حواشی کے لئے قدیم نسخہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ نیز عصر حاضر کے جید علماء کرام کی تحقیق کے مطابق کچھ موضوع روایات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں، جن پر ادارہ میں تحقیق کا عمل جاری ہے۔ آئندہ اشاعت میں تحقیقی نسخہ شایع کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔